انتساب

محترم استاد اور مخلص دوست رضی واسطی کے نام

ہون

منتر بولتے گڈو کا من اچانک اس کے اتھروں میں اٹک جاتا ہے۔۔

''او سب پر جاؤں کے سوامی! ہم جس جس چیز کی خواہش کریں اور جس جس چیز کیلئے بھی آپ کی پناہ لیں اور ہماری ہر خواہش پوری ہو۔''

نئے سال کا یہ پہلا دن گڈو کیلئے بڑی خوشی کا ہے اسی لیئے تو گڈو نے آج اپنے اپارٹمنٹ میں ہون کیا ہے۔

بہن گیتا کہتی تھی ''اپارٹمنٹ میں ہون کیسے ہوگا؟۔۔دھواں بھر جائے گا۔۔ فائر الارم بجنے لگے گا اور پھر وال ٹو وال کارپیٹنگ بھی تو ہے۔۔''

پر گڈو کا جواب تھا۔ جو نیجا کی ماں کے ہاں میں نے ہون ہوتے دیکھا ہے۔ کچھ بھی مشکل نہیں۔قالین پر المونیم فائل بچھا کر اس پر ہون کنڈ یا کڑھائی رکھ کر کیا جا سکتا ہے ہون۔پھر گجراتی گروسری کی دوکانوں میں چھوٹی کٹی لکڑیاں اور سامگری بھی تو مل جاتی ہے۔۔میں نے تو نیو یارک آریا ساج کے ایک بھدے کو ہون کنڈ کا آرڈر بھی دے دیا ہے۔۔ہے مہنگا۔۔کہتا تھا تیس ڈالر لگیں گے۔۔پر چلو' مل تو جاتا ہے یہاں سب کچھ۔۔''

گڈو نے اپنی دونوں بیٹیوں کو جوائیوں سمیت اور دونوں بہنوں کو پتی اور بچوں سمیت بلایا ہے۔ دس سال سے اوپر ہو گئے گڈو کو اس شہر میں آئے آج پہلی بار ''ہون'' کرنے کا موقعہ اور ہمت ہوئی ہے ورنہ۔۔ جب سے یہ دوڑ شروع ہوئی ہے سانس لینے کی ہی فرصت بھلا کب ملی۔

اس کی چھوٹی بہن پنکی نے ہی اسے بلایا تھا۔۔پنکی نئی شادی ہو کر آئی تھی نیو یارک میں۔سولہ سترہ برس ہو گئے ہوں اسے آئے۔لڑکے نے اسے بلانے میں ہی تین چار سال لگا دیئے تھے۔پہلے پڑھائی کرتا رہا اس کے بعد جا کر ملی نوکری۔یوں تب تو کچھ آسان تھا نوکری ملنا' پر گیتا والے جیجا جی تو کہتے ہیں۔۔ پتہ نہیں اتنی

پڑھائی کا کچھ فائدہ بھی ہے یا نہیں۔ڈبل ایم اے‘پی۔ایچ ڈی کر کے بھی پڑھانا تو انہی کو بچن کی اپنی زبان انگریزی نہیں۔کمائی بھی کچھ خاص نہیں۔کوئی ڈاکٹر یا انجینئر ہوتا تو۔۔

لیکن پنکی کے خطوں میں تو کھ ایسا اتساہ ٹپکتا تھا کہ بس پڑھنے والے کا من تو اچھل اچھل پڑے۔ لبالب بھرے رہتے تھے یہ خط امریکہ کے گن گان سے۔۔’’گڈو بہن جی آپ وشواس کریں گے کہ کتنا عیش و آرام ہے یہاں۔۔جسے کہتے ہیں ناں دودھ کی ندیاں بہنا۔۔بس ویسا کچھ ہی ہے یہاں۔۔اتنی سستی چیزیں ہیں کہ بس پوچھو مت۔۔وہاں ٹوسٹوں پر مکھن لگانے کیلئے سوچنا پڑتا ہے۔ یہاں میں‘ سارا کھانا ہی مکھن بناتی ہوں۔۔اور پھر سنترے‘ سیب کے جوس۔۔رج رج کے پیو۔۔کسی چیز کی کمی ہی نہیں‘‘

اب تین برس امریکہ میں رہ کر پنکی پہلی بار بھارت چھٹی کیلئے لوٹی تھی تو کیسی گوری چٹی نکل آئی تھی۔۔گال ایک دم گلاب جیسے۔۔بدن بھرا بھرا۔۔صحت نکل آئی تھی اس کی۔ جب ہندوستان سے گئی تھی تو بہت پتلی سی تھی پنکی۔اب تو ہر طرف بس پنکی کی ہی چرچا تھی پورے خاندان میں۔ ہر طرف سے دعوت نامے‘ استقبال۔ پنکی ڈھیر سارا سامان لائی تھی دوسروں کو تحفے دینے کیلئے۔۔رنگ برنگے پھولوں سے چھپی چھتریاں‘ میٹھے میٹھے رنگوں والی امریکن جارجٹ اور شعفون کی ساڑیاں‘ لپ اسٹک‘ روج‘ ہاتھوں کو چکنا کرنے والے لوشن‘ چہرے کی جھریاں مٹا دینے والی کریمیں‘ عطر‘ ٹرانسسٹر۔۔جانے کتنا کچھ تو لائی تھی۔۔سبھی کیلئے کچھ نہ کچھ۔ گڈو کا من پنکی کے ملائم خوبصورت رنگوں کے سویٹر ساڑیاں دیکھ کر اور پردیس کے جنت کی کہانیاں سن کر کتنا للچا جاتا تھا وہ سب کچھ پانے کیلئے۔۔

بس قسمت بھی ایسی پھری کہ ایک طرح سے امریکہ جانے کے سوا اور کئی چارہ جیسے بچا ہی نہیں۔کم سے کم لگتا تو ایسا ہی تھا۔

خاوند بیمار کیا ہوئے بس روگ نے جان لے کر ہی چھوڑی۔ گڈو کی زندگی کا کرم بس ایک دم الٹ پلٹ ہو گیا۔ ڈگری اس کے پاس بی اے تک کی تھی۔ ایم اے پاس کرنے سے پہلے ہی شادی کر دی گئی تھی۔ اچھا خاصا انجینئر لڑکا جو مل گیا تھا۔ اب نہ لڑکا رہا تھا' نہ باپ ہی زندہ تھے۔

بھائیوں اور خاوند کے دوستوں کی مدد سے گڈو نے کسی نہ کسی طرح بی ٹی ختم کی اور ایک سکول میں نوکری بھی مل گئی' ٹیچر کی۔ خاوند کے جیتے جی انیکسی ڈلوالی تھی۔۔ سو رہنے کا آلنا تو تھا ہی۔ پر خاوند پریم کمار کی موت کے دو سال سے پہلے ہی پراویڈنٹ فنڈ کے پیسے اور قرضہ لے کر انیکسی کو گھر کا آکار بھی دے دیا گیا تھا۔ مکان کا پچھلا حصہ کرایہ پر دینے سے گڈو کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ جس سے گھر کا گزارہ ٹھیک چلنے لگا۔ تبھی تو گڈو نے چھوٹے لڑکے کو کانونٹ میں ہی پڑھانا جاری رکھا۔ بیٹیوں کو ایک اچھے سرکاری سکول میں داخلہ مل گیا تھا۔ لائق تو وہ دونوں تھیں ہی۔ چھوٹی تو ہمیشہ کلاس میں اول رہتی تھی۔ گڈو نے خود بھی تو نوکری کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ ہی انگریزی میں ایم اے کی تیاری شروع کر دی تھی۔

پنکی اسے بار بار لکھتی تھی کہ وہ امریکہ ہی آ جائے۔ وہ وہاں کئی گنا زیادہ پیسہ بھی کما سکتی ہے اور بچوں کو بڑھیا سکولوں میں پڑھا سکتی ہے۔ ہندوستان میں ایک ٹیچر کی نوکری کرتے ہمیشہ اس کا ہاتھ تنت ہی رہے گا۔ بی جی اور بھائیوں نے تو یہی صلاح دی تھی اس کو۔ ''کیوں اکھاڑتی ہے بنی بنائی گرستی۔۔ مشکل سے تو سیٹل کیا ہے تجھے اس حادثے کے بعد۔۔''

پر بڑے بھائی کی بیوی نے زور دیا تھا' ''امریکہ جا کر کچھ پیسے والی تو ہو گی' ورنہ ساری عمر دوسروں کا منہ دیکھنا پڑے گا۔۔ آخر دو دو بیٹیاں بیاہنا ہیں۔''

گڈو زخمی تو ہوتی تھی۔۔ تھک گئی بھابھی کا کام کر کر کے۔۔ پردیس جائے گی تو بھابھی کی ذمہ داری تو ختم ہو جائے گی ناں۔۔ بیوہ نند بوجھ تو لگتی ہو گی اسے۔

بہن جی تو الٹا کہتی تھی "کچھ نہیں رکھا امریکہ میں۔ ایسے ہی دھکے کھاؤ گی' چھوٹی بہن پر بھی بوجھ ڈالو گی۔" گڈو کو معلوم تھا کہ بی جی کو زیادہ فکر پنکی کی ہی تھی کہ گڈو دریا دل پنکی کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ پھر اس کے پیٹھ پیچھے کہتی تھی:۔

"گڈو کو تو پہلی بیٹی ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ ملا ہے۔ پر اس کا ہاتھ تو پیچھے ہٹتا ہی نہیں اب کتنا کرتا رہیں گے اس کے لئے۔ جتنا ہے اب اس میں کیوں نہیں رہتی۔ بہن بھائیوں سے کیوں مارتی ہے۔۔کوئی ضرورت نہیں پنکی کے ہاں اڈا جمانے کی۔"

لیکن گڈو اور پنکی کا ایک خاص رشتہ تھا۔ پنکی گڈو کے ہاتھوں ہی پلی تھی۔ پنکی گھر میں سب سے چھوٹی تھی۔ دس برس کی عمر سے ہی گڈو اسے گود میں لئے گھومتی تھی۔ پنکی کے کچھ بڑے ہونے پر' بھائی بہنوں کے جھگڑوں میں وہ ہمیشہ پنکی کو اس نے کبھی پیٹا نہیں۔ ہمیشہ پیار سے پیش آئی جب کہ منجھلی بہن گیتا تو ذرا سی غلطی پر پنکی کو چپت لگا دیتی۔ اسے یاد ہے ایک بار کھیل سے لوٹ کر پنکی کے صاف ستھرے بستر پر گندے پیروں سمیت چڑھ کر بیٹھ گئی تھی تو گیتا نے اس پر ڈھیر سارے مکوں کی بوچھار کر دی تھی۔ پنکی گھنٹوں روتی رہی تھی۔ اس رات گڈو نے پنکی کو اپنے پاس ہی سلا لیا تھا۔ اس دن کے بعد سے پنکی اکثر اس کے پاس سونے چلی آتی تھی۔ بڑی ہونے کی وجہ سے گڈو ہی سب کو تھولیوں کریلوں کا سالن بنتا تو پنکی اس کی بغل میں ہی چوکی بچھا کر بیٹھ جاتی اور للچائی آنکھوں سے سواد لیتی دیکھتی رہتی۔ تب گڈو پتا جی اور بھائیوں کا بڑا حصہ دینے کے بعد پنکی کو سب سے زیادہ پروتی۔ پنکی بھی تو گڈو کا کتنا کہنا مانتی تھی گڈو اور اس کے بیٹے راجو کا امریکہ آنے کا ٹکٹ بھی تو پنکی نے ہی بھیجا تھا۔

شادی کے بعد سسرال میں بھی گڈو ہی سب سے بڑی تھی۔۔ خاوند کے پانچوں بھائی بہن اس کا منہ دیکھتے تھے۔ گڈو جلدی ہی سمجھ گئی کہ اگر ان کا کرنے لگی تو ساری

عمر نند، دیوروں کو پڑھانے اور بسانے میں نکل جائے گی۔ منجھلا دیور تو گڈو کے ہر میں ہی جا کر پڑھائی کرنا چاہتا تھا۔ گڈو نے تو بنا پتہ کیے ہی لکھ دیا تھا کہ یہاں داخلہ ملنا بے حد مشکل ہے۔ یوں شکر کرو کہ داخلہ اسے یچ میں ملا بھی نہیں ورنہ سالوں کی قیامت آجاتی۔ نند کی شادی میں بھی تو کتنا پیسہ بھیجنا پڑا تبھی تو خود آئے نہیں۔ شادی میں ورنہ خرچ اور بھی بڑھ جاتا۔۔ پھر کون سی ایک ہی ہونی ہے شادی گھر میں۔۔ خیر سے تین نندیں ہیں۔ سسرال والوں کو بھلا کوئی خوش رکھ بھی سکتا ہے۔۔ سو پرواہ کی ہی کیوں جائے۔ پر اپنی لاپرواہی کا پتہ گڈو کو پتی کی موت کے بعد ہی چلا جب کسی طرح کی ذاتی یا مالی مدد کرنے میں انہوں نے لاچارگی جتائی۔ گڈو کا اپنا بھائی ایک کورس کے سلسلے میں کچھ مہینے اس کے پاس رہ چکا تھا۔۔ سسرال والے بھلا معاف کیوں کرتے۔ پر گڈو کی پیار کی دنیا کے مرکز مین بھائی بہن بھی کہاں تھے اب تو وہ تھی وہ اور اس کے تین بچے۔ پتی کی موت کے بعد وہ بچوں سے اور بھی زیادہ جڑ گئی تھی جیسے انہی کے ذریعے سے اسے اپنی زندگی کا معنی کھوجنا تھا۔

امریکہ جانے کا خیال جب تک سچائی بنا، تب تک چار۔ پانچ سال یونہی گزر گئے۔۔ کاغذی کام، پاسپورٹ، گرین کارڈ۔۔ دونوں بیٹیوں کو اس نے ہاسٹل میں چھوڑا۔ چھوٹی بیٹی تینما تب پری میڈیکل کر رہی تھی، بڑی انیا کیمسٹری میں بی ایس سی کر رہی تھی۔

نیویارک کے جان ایف کینیڈی ایئرپورٹ سے ٹیکسی میں سندر اور پنکی کے ساتھ ان کے گھر جاتے ہوئے گڈو کو ایسا کوئی ایکسائٹمنٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی جس کا خیال کر کے اس نے کتنی ہی بار ایک بے نام سکھ محسوس کیا تھا۔ کنکریلے پتھروں کی اونچی اونچی عمارتوں سے سجے اس شہر نے ایک عجیب اداسی اور گھٹن کا احسان دیا تھا۔ پنکی نے بتایا تھا۔۔ کہ 'مینہٹن' کہتے ہیں نیویارک کے اس حصے کو۔ سڑک پر گراؤنڈ فلور ہی پر پنکی کا اپارٹمنٹ تھا۔ اپارٹمنٹ کے ٹھیک سامنے سڑک کے دوسرے

کنارے پر نئے فیشن کے کپڑوں کے ''بوتیک'' اور کتابوں کی دوکانیں تھیں۔ گئے رات تک میلہ لگا رہتا تھا سڑک پر۔ پنکی اپارٹمنٹ کی کھڑکیاں ہمیشہ بند رکھتی تھی۔ ان پر موٹے موٹے پردے لٹکے تھے۔ کبھی پل بھر کو بھی پردے ہٹا دو تو آنے جانے والے لوگوں کی آنکھیں گھر میں گھس پڑی تھیں۔ بند گھر میں ہندوستانی پکوانوں اور مسالوں کی تازی۔ باسی گندھ جیسے ہمیشہ کیلئے بس گئی تھی۔۔ پردے قالین بستر سب ہی میں وہی بو۔ وہ بو سنٹرل ہیٹنگ کے تاپ میں گھل مل کر چھاتی کو جکڑ سی لیتی تھی۔ گڈو کو گھبراہٹ اور ابکائی سی ہونے لگتی تھی۔ وہ پچھواڑے کے باتھ روم کی کھڑکی کھول کر منہ باہر نکال کر تیزی سے سانس بھرتی اور باہر نکالتی اور باہر نکالتی تو کچھ چین آتا۔ یہ کھڑکی دو عمارتوں کے بیچ میں کچھ گھٹے اور کچھ کھلے حصے میں کھلتی تھی، اس لئے یہاں لوگوں کا شور یا آنا جانا نہیں تھا۔

پنکی نے پہلے ہی سے کام سے دو دن کی چھٹی لے رکھی تھی۔ گڈو کو گھمایا پھرایا۔ آزادی کا بت (Statue of Liberty) ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ، ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور یونائیٹڈ نیشن کی بلڈنگ۔۔ بار بار ان عمارتوں کی اونچائیوں سے نیویارک شہر کی روپ ریکھا دیکھ کر گڈو اس نقشے سے خود کو جوڑنے لگی تھی۔ پنکی کے گھر کا علاقہ اس کی سمجھ میں آنے لگا۔ پنکی دو دنوں میں اسے راستے بھی سمجھا دیئے۔ یوں راستے گڈو کو بہت آسان لگے، بڑی سادہ سی پلاننگ تھی مینہٹن کی۔۔ نیچے سے اوپر تک یعنی دکھشن سے اتر تک سارا علاقہ ایونیو میں بٹ تھا اور دائیں سے بائیں یعنی پورب سے پچھم جاتی گلیاں ان ایونیوز کو کاٹتی تھیں۔ ہر گلی کا نمبر تھا۔ پر یہ نمبر دکھشن سے اتر کی طرف کو جاتے اور بڑھتے تھے۔ پنکی کا گھر نیویارک یونیورسٹی کے پاس ہی بارھویں گلی میں تھا۔ اس حصے کا نام گیرنچ تھا۔ یونیورسٹی کے لڑکے لڑکیوں کے کھلے طریقوں اور کلاکاروں کی بستی ہونے کی وجہ سے یہ حصہ بڑا اھمین مانا جاتا تھا۔

''ولیج'' میں گھومتے ہوئے عجیب طرح کی دوکانیں دیکھی تھیں، گڈو نے۔۔

پیسٹری چاکلیٹ کی ایک دوکان میں چاکلیٹ اور ڈبل روٹیاں آدمیوں اور عورت کے جسموں کے آکاروں میں بنی ہوئی تھیں۔ ایک دوکان ٹی شرٹ کی تھی۔۔ سینکڑوں طرح کے ڈیزائن ٹی شرٹوں پر چھپے ہوئے تھے۔ کچھ بوتیکوں کی سجاوٹ تو بے حد فنکارانہ لگتی تھی۔ گڈو نے ایک آدھ تصویر اور مجسموں سے بھری گیلریاں بھی دیکھیں۔ پنکی نے اس کو طرح طرح کے امریکن پاپولر کھانے بھی کھلائے۔ راجو کو پیزا، ھیمبر گر، ہاٹ ڈاگز اور بیسیوں سوادوں والی آئس کریم کھا کر جیسے امریکہ کا پورا مزا آ گیا تھا۔ پنکی کا بیٹا ارجن اور خاوند ستیندر اس گھومنے پھرانے کے پروگرام میں شامل نہیں ہو سکے تھے۔ ارجن سکول میں تھا اور ستیندر زیادہ تر پڑھائی میں لگا رہتا تھا۔ اس سال اس کی نوکری جانے کا بھی خطرہ تھا۔ ستندر کو ٹینیور (Tenure) ' یعنی پکی پروفیسر شپ نہیں مل رہی تھی اور اسے غیر محفوظ ہونے کا احساس بہت پریشان کیے ہوئے تھا۔ کوئی دوسری نوکری ڈھونڈنا اسے بہت بوجھ لگ رہا تھا۔ پنکی بھی فکر میں تھی کہ اگر ستندر کی نوکری نہ رہی تو اس کی اکیلی تنخواہ میں گزارہ کیسے ہو گا۔

پچھلے برس منجھلی بہن گیتا بھی نیو یارک پہنچ گئی تھی۔ اس کے خاندانی حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ یہاں آنا ہی اس کو سب سے صحیح حل لگا۔۔ جیجا جی کے کوئلے کی کانیں تھیں۔ کانوں کے قومیانے سے جیجا جی تو بیکار جیسے ہو گئے۔ جہاں کہیں ہاتھ ڈالا وہیں نقصان۔ کوئی اور دھندا جم ہی نہیں پا رہا تھا' جو پیسہ اکٹھا کیا ہوا تھا' اب روزمرہ کے گھر کے خرچوں میں استعمال ہونے لگا۔ تو گیتا نے گھبرا کر پنکی کو لکھا کہ وہی کچھ سمجھائے۔ پنکی نے امریکی شہریت کی عرضی پہلے سے ہی دے رکھی تھی۔ اس کی باری آنے ہی والی تھی۔ گیتا کے خاندان کی مصیبتوں کا احساس ہوتے ہی بڑے جوش سے جٹ گئی تھی۔ سپونسر کرنے کی ذمہ داری سنبھالنے کے ایسے ہی وقتوں میں تو کام آتے ہیں بہن' بھائی۔ جھٹ پٹ بھیج دیئے سارے کاغذات۔ سال گزرتے

ہی گیتا اپنے خاوند اور بچوں کے ساتھ پنکی کے ایک بیڈروم والے اپارٹمنٹ میں پہنچ گئی تھی۔

اب شروع کرتی تھی کام کی کھوج۔ کانیں جیجا جی کو وراثت میں ملی تھیں، انہیں سنبھالنے کیلئے ان دنوں انٹرمیڈیٹ تک کی ایجوکیشن بھی بہت تھی۔۔ اس سے زیادہ پڑھنے کی ضرورت انہیں نہیں تھی، اور نہ ہی وق۔ ایک دم سے کوی بزنس شروع نہیں کر سکتے تھے۔۔ نہ تو کئی پونجی تھی، نہ ہی ہمت۔ اتنی بار ہار کر ان کا اپنے پر سے بھروسہ بھی اٹھے جارہا تھا۔ انجینئر یا ڈاکٹر نہ ہونے کا احساس بھی انہیں پہلی بار ہوا۔

پنکی اور سندر کے ہمت دلانے پر انہوں نے اتوار میں لگنے والی مارکیٹ میں ہندوستانی پیتل کی مورتیوں اور ریڈی میڈ کپڑوں کو بیچنا شروع کیا۔ ولیج میں فٹ پاتھ پر ہی لگتا تھا یہ بازار۔۔ اس بازار میں اور بھی ہندوستانی وہاں ایسی سستی، ہاتھ کی بنی چیزیں بیچ رہے ہوتے۔ وہاں اور بھی دیشوں کے پاپولر فن کے نمونے بکتے۔ افریقہ میں بنی لکڑی کی مورتیاں، میکسیکو سے آئے جیڈ اور دوسرے قیمتی پتھروں کا کام، طرح طرح کے گہنے، یوروگیا کے چمڑے کے پرس۔ خاص بھیڑ ہوتی تھی اس کھلے بازار میں۔ گیتا اور جیجا جی بڑے ہندوستانی ٹریڈرز سے کم داموں پر پرانا مال صندوق بھر کر لے آتے۔ فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے جیجا جی کے من کو ایسی چوٹ لگتی کہ آنکھوں میں آنسو آنے لگتے۔ کوئی ہندوستانی انہیں دیکھ لیتا تو ان کا من ہوتا کہ زمین کے اندر کہیں جا کر چھپ جائیں۔ گتیا کہنے لگی کہ جب من اتنا دکھتا ہے تا کیا ہی کیوں جائے ایسا کام۔!!

مہینوں گزرتے چلے گئے بھائی بہنوں کو ترستی پنکی اب تو بہ کرنے لگی تھی۔ بچوں میں آپس میں جھگڑے بھی بہت ہوتے، کسی کا کچھ کھو یا رہتا اور وہ دوسرے پر الزام لگاتے بھڑ جاتا۔ کبھی کھانے پینے کی چیزوں پر ہی بچے جھگڑ پڑتے۔ گیتا کا بیٹا اشوک جھنجھناتا۔ ''ممی، پنکی۔ ماسی ارجن کیلئے تو چیز ڈیش گرم کر رہی ہیں اور مجھے کہتی ہیں

کہ ابھی کھانا تیار ہو رہا ہے' مجھے نہیں کھانی وہ دال سبزی۔ کہتی ہیں ارجن تو ہندوستانی کھانے کھاتا نہیں۔ ہیاں پلا ہے سوا سے تو باہر کی ایسی چیزیں دینا ہی پڑتی ہیں۔۔ ہم سب تو صحیح کھانا کھائیں گے۔۔ مجھے نہیں کھانا صحیح کھانا۔'' گیتا ایسی باتوں کو کبھی طول نہیں دیتی تھی۔ پر اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں بند سب ہی ایک دوسرے سے عاجز آ رہے تھے۔ گھر کی شانتی تو کھو ہی رہی تھی اور دونوں پریواروں میں ایک دوسرے کیلئے کڑواہٹ بھرنے لگی تھی۔ دونوں ہم زلفوں کا مزاج بھی ایک دوسرے کو راس نہیں پڑتا تھا۔ جیجا جی پیسہ بنانے کی نئی نئی ترکیبوں کے سلسلے میں ہی بات کرنا چاہتے' ستندر چھوٹی ہلکی باتوں کا شوقین نہیں تھا۔ اس کا یونیورسٹی کے پروفیسر اور سوکالرز کا اپنا ہی ایک گروپ تاتھ۔ وہ زیادہ دیر گھر سے باہر انہی ے ساتھ رہتا تھا۔ پنکی ناراض بھی ہوتی تھی اس روئے سے۔ پر زیادہ تر فرصت پنکی کو بھی نہیں رہتی تھی۔ جس لائبریری یں وہ کام کرتی تھی وہاں پہنچنے میں ہی ایک ڈیڑھ گھنٹہ لگتا تھا۔ صبح سات بجے وہ نکلتی اور شام چھ بجے لوٹتی۔ اس کی اپنی خواہشات تھی وہ اس لائبریری کی ڈائریکٹر بننا چاہتی تھی اس لئے وہ ہمیشہ پوری محنت سے کام کرتی تھی۔ ارجن سال بھر کا ہی تو تاتھ جب اس نے لائبریتی سائنس کے ماسٹرز میں داخلہ لیا۔ دن بھر اسے چائلڈ کیئر سنٹر میں چھوڑ کر کالج چلی جاتی تھی۔

کافی دھکے کھانے کے بعد جیجا کو ایک رہائشی عمارت میں ڈورمین کی نوکری مل گئی ۔شروع شروع میں وہ کسی ایسی نوکری کرنے کے حق میں نہیں تھا' جب کہیں کچھ نہ بنا تو نجات اسی میں ہے' کچھ آمدنی کا ذریعہ تو بنے گا۔ گیتا کو بھی ایک چائلڈ کیئر سنٹر میں ایک ٹمپریری (Substitute) کی نوکری مل گئی۔ لگ بھگ سال ہو چلا تھا۔۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کی کٹ پٹ سے تنگ' نوکری ملتے ہی گیتا کا خاندان مینہٹن سے دور ایک سستی اپارٹمنٹ لے کر رہنے لگا۔ لیکن پنکی اب تک پوری طرح تھک چکی تھی۔ گڈو کو جلدی بلانے کا من نہیں ہوا تھا' پر گڈو تیار اب بیٹھی تھی۔۔ کب سے تو

اسے بلا رکھا تھا۔ دو چار مہینوں کا وقفہ تو پڑ ہی تیا اس بیچ۔ گڈو جب آئی تو پنکی بے حد پھدک رہی تھی۔ گیتا کے خاندان کے گلے شکوے بھی بانٹے جا رہے تھے۔ گڈو ڈھیر سارے مسالے' آم' پاپڑ' امرتسر کی بڑیاں پاپڑ' کڑاہی' سلک کی ساڑھیاں ۔۔ جو جو بھی پنکی کی فرمائش تھی لے کر آئی تھی۔ پنکی کہتی ''بہن جی' اب آپ کچھ دن یہاں آرام کرو' گھومو دیکھو۔ ابھی سے نوکری ڈھونڈنے کے چکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔''

گڈو روز خوب بڑھیا پراٹھے اور سبزیاں بنا کر رکھتی۔ پنکی اور ستیندر شام کو تھکے تھکائے گھر کو لوٹتے تو بڑھیا پکا پکایا کھانا کھا کر ایک نیا سا سکھ ملتا۔ وہ بھول ہی چکے تھے وہ دن جب کوئی اس طرح سے دیکھ بھال کرتا ہے۔ گھر میں کھلی جگہ تو اب بھی نہیں تھی' پر بھیڑ بھی نہیں۔ راجو اور ارجن کی عمر میں پانچ چھ سال کا فرق تھا' اسی لئے لڑائیوں کی نوبت بھی کبھی کبھار ہی آتی تھی۔

راجو کو پاس ہی کے ایک سرکاری سکول یں داخلہ مل تیا تھا۔۔ اس حصے کے سرکاری سکول بہت اچھے نہیں تھے' پر پرائیویٹ سکول میں تو فیس اتنی لگتی تھی کہ ارجن کو بھی نکی فی الحال سرکاری سکول ہی میں بھیج رہی تھی۔ دو مہینے پنکی کے گھر اور رسوئی سنبھالنے میں ہی گزر گئے تو ایک دن جیجا جی نے بات کہی کہ پنکی کو مفت کی نوکرانی مل گئی ہے' گڈو کو اور نوکری ڈھونڈنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

گڈو کو اچھا نہیں لگا تھا۔ جیجا جی میں یہ شاید بار بار ٹھوکریں کھانے سے پیدا ہوئی کڑواہٹ تھی۔ پھر یہ بات نہیں تھی کہ گڈو صرف گھر ہی میں لگی رہے۔ پنکی روز اسے ہدایت دے جاتی تھی کہ آج فلاں جگہ پتہ کر۲' فلاں جگہ فون کرو یا عرضی بھیجو۔ پھر کسی طرح کام ملنے کے آثار دکھ ہی نہیں رہے تھے۔ پڑھائی کی نوکری کا سوال اٹھنے سے پہلے ہع اسے جتا دی تیا تھا کہ اس کی ''کوالیفیکیشن'' کافی نہیں' اسے خود پہلے پڑھنا ہو گا۔ پڑھنے کا مطلب تھا کہ کالج کی فیسیں' اس لئے فی الحال گڈو اس بارے میں

سوچ نہیں سکتی تھی۔

پنکی کی جان پہچان کے ایک ہندوستانی نے پنکی کے گھر سے تین چار بلاک دور انڈر گراونڈ ٹرین سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ایک اخبار' میگزین' سگریٹ اور کینڈی بیچنے کا سٹال لگایا تھا' اسے ایک سیل پرسن کی ضرورت تھی۔ تنخواہ دوسرے سٹوروں کی سیلز کی نوکریوں سے کچھ زیادہ تھی' اوور ٹائم کی بھی گنجائش موجود تھی۔ سٹال صبح سے لے کر رات بارہ ایک بجے تک کھلا رہتا تھا۔ من اختلاف تو کر رہا تھا کہ اخبارین بیچنے کا کام اتنے بڑے آفیسر کی بیوی کرے گی۔ مگر ہاتھ میں دھیلہ تک تو تھا نہیں۔ شہر میں آنے جانے کا کرایہ تک تو وہ پنکی سے لیتی تھی۔ گڈو نے شروع کر دیا کام۔

اخبار' رسالے' سگریٹ' چاکلیٹ اور گولیوں کے ڈبوں سے لدی موٹے پلاسٹک کی کھولی میں کھڑی گڈو کو محسوس ہوتا جیسے اسے کسی سگریٹ کی ڈبی میں پیک کر دیا گیا ہو۔ پورے ڈبے میں ایک چھوٹی سی چوکور کھلنے والی جگہ تھی' جہاں سے وہ رسالہ کینڈی یا سگریٹ وغیرہ پکڑاتی اور پیسے سنبھال لیتی تھی۔ اخبار تو زیادہ تر کھولی کے باہر ہی رکھے رہتے تھے' آنے جانے والے اخبار اپنے سے اٹھا لیتے اور پیسے پکڑا جاتے۔ سامنے والی دیوار کا پلاسٹر ''ٹرانسپرنٹ'' تاھ۔ باقی تینوں دیواریں سامان سے اٹی ہوئی تھیں۔ گڈو اسی دیوار سے سٹیشن پر آنے جانے والوں کا ریلہ دیکھتی رہتی۔ صبح آٹھ بجے جب وہ کھول کا تال کھول رہی ہوتی تو دفتر آنے جانے والے جوان ادھیڑ تیزی سے بھاگ کر سیڑھیوں سے اتر رہے ہوتے۔ ٹرین رکتی تو پلوں میں ہی بھیڑ کا ریلہ ٹرین کے روشنی دار ڈبوں میں سما جاتا۔ کبھی کبھی دھکی میں آٹو میٹک دروازوں میں کسی کا اورکوٹ پھنس جاتا تو کسی کا سکارف۔ گڈو کو کالج کے دنوں کی یاد آئی' نیویارک کی ٹرینوں کی حالت تو اسے بہتر نہیں لگی۔ دس گیارہ بجے کے قریب جانے والوں کی چال کچھ مدھم ہوتی۔ اس وقت ٹرینوں کے آنے میں بھی

دیری لگتی اور انتظار کرتے ہوئے بھی اکثر اس کی کھولی کے آگے رک کر اخبار کی سرخیاں پڑھتے یا کوئی میگزین الٹنے پلٹنے لگتے۔ کبھی کوئی بچہ مچل جاتا تو مائیں چاکلیٹ خرید کر پکڑا دیتیں۔ چاکلیٹ یوں بڑے بھی اتنی ہی خریدتے کھاتے دکھتے' جتنے بچے۔

کھولی کا مالک پرکاش پٹیل خاصا سوجھ بوجھ والا بنیا تھا۔ اکثر بنا بتائے کچھ جانچنے آ جاتا تھا۔ شہر کے کچھ اور حصوں میں بھی اس نے ایسے سٹال کھول رکھے تھے۔ ایسے ہی کسی دوست یا دور کے رشتے کے لوتوں کو نوکری دے دیتا۔ گڈو کے پاس تا گرین کارڈ تھا' ورنہ سٹال پر زیادہ تر بنا ورک پرمٹ کے نوکری کرنے والے ہندوستانی تھے۔ گڈو کے ساتھ دوسری شفٹ پر کام کرنے والے ایک لڑکے نے بتایا کہ بنا پرمٹ والوں کو بہت کم پیسوں پر نوکری دیتا ہے۔ کھولی میں کھڑے کھڑے گڈو کی ٹانگیں دکھنے لگتی تھیں۔۔۔ باتھ روم جانے کیلئے گھنٹوں روکے رکھتی خود کو۔۔ سب وے کے باتھ روم میں جاتے اسے ڈر لگتا تھا۔ یوں ڈر تو باہر بھی لگتا تھا۔ ٹرین گزر جانے کے بعد ایک دم سناٹا چھا جاتا تو بہت گھبرا جاتی تھی گڈو۔ پھر سیڑھی سے اترتی آوازا سے سہم سی لگتی تو دم آتا۔ پھر پبلک باتھ روم میں اس نے پنکی سے سن رکھا تھا کہ اکثر چور اچکے چھپے رہتے ہیں جو ایک دم سے حملہ کر کے سب کچھ چھین لیتے ہیں۔ سکندر کے ایک دوست کے سو ڈالر اور کلائی گھڑی اسی طرح ایک سرکاری بلڈنگ کے باتھ روم میں پستول کی نوک پر چھینے گئے تھے۔ پٹیل کو اس کی تکلیف سے جیسے کوئی سروکار نہیں تھا۔۔ بڑا عجیب سا طریقہ تھا اس کا۔۔۔۔۔ '' کام کرنا ہے تو کرو ورنہ راستہ ناپو' یہاں کون سی کمی ہے بھاڑے کے نوکروں کی۔'' گڈو کو عادت تھی ایک نرمی گرمائی بھرے انداز کی۔ پٹیل Polite تو تھا' پر ایک دم سیدھا سچا اور Bossy۔ ایک دوری ہمیشہ بنائے رکھی۔ گڈو کو چڑ اور غصہ آتا تھا۔ اس پر۔ ایسے آدمی تو اس کے خاوند کے نیچے کلرکی کرتے پھرتے تھے۔ یہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے'

چار پیسے کیا بنا لئے۔ ہے تو اخبار بیچنے کا دھندا۔ خیر اس نے کونسا ہمیشہ ٹکے رہنا ہے۔۔ پنکی سے جلدی بات کرے گی۔''

زمین کے نیچے ہونے سے سب وے کے پلیٹ فارم کے سٹال میں کھڑی گڈو کو ٹھنڈ بھی بہت لگتی تھی۔ سارا وقت کوٹ لادے ویسے ہی اس کے کندھے دکھنے لگتے تھے۔ کوئی ڈھنگ کے سٹور میں دیکھنی پڑے گی اسے نوکری۔

''پاکستان سے ہیں آپ؟'' کھڑکی سے جھانکتا ایک گورا امریکی بوڑھا اس سے پوچھ رہا تاھ۔ وہ کافی دیر سے وہاں کھڑا پلے بوائے کی ایک کاپی الٹ پلٹ رہا تھا۔ گڈو کی نظر پہلے رسالے کے کھلے پنے پر لڑکی کی ننگی تصویر پر پڑی تو جواب دینے میں جھجک سی محسوس ہوئی۔ پھر آنکھ دوسری طرف رکھتے ہوئے ان ملے ڈھنگ سے بولی ''جی نہیں ہندوستان سے''

''ہم بھی لڑائی کے دنوں میں وہیں تھے۔۔ کلکتہ میں۔۔ تم کو ادھر کیسا لگتا؟''

ایک امریکی کے منہ سے اپنی زبان سن کر گڈو کو اچھا سا لگا۔ بات چیت کرتے کرتے ایک ناطہ سا بن گیا دونوں میں۔ اکثر بوڑھا اب اس کے سٹال پر آ جاتا اور حال چال پوچھنے رک جاتا۔ جب گاہک رہتے تو خود ہی پیچھے ہٹ جاتا' ان کے جاتے ہی پھر حاضر ہو جاتا۔

ایک دن گڈو سے اس نے کہا ''تم اتنا خوبصورت ہے تم کو یہ کام شوبھا نہیں دیتا۔ ''مسکرائی گڈو ایک کھوکھلی مسکان کے ساتھ۔

بوڑھا ریٹائر ہو کر اکیلا رہتا تھا۔۔ اس کا ایک لڑکا اور لڑکی تھی' دونوں کیلیفورنیا میں آباد تھے۔ تین سال پہلے اس کی بیوی کی وفات ہو چکی تھی۔ تب سے وہ بہت اکیلا ہو گیا تھا۔ دن بھر ادھر ادھر گھومتا' شاپنگ اور روزمرہ کے چھوٹے موٹے کاموں کو دھیرے دھیرے نپٹانے میں اس کا پورا دن نکل جاتا۔ جب دھوپ رہتی تو وہ گھر میں بیٹھتا نہیں تاھ۔ کہتا تھا' اکیلے اس کا جی بہت گھبراتا ہے۔ بیٹی کرسمس یا جنم

دن پر سال میں ایک بار ملنے آجاتی تھی' بیٹا بالکل بھول گیا تھا اس کو۔

شروع شروع میں گڈو بڑی دلچسپی سے بوڑھے کی باتیں سنتی رہتی۔ پھر اسے لگنے لگا کہ جیسے بوڑھا انہی باتوں کو دہراتا رہتا ہے۔ گڈو نے محسوس کیا کہ وہ اس سے بیزار ہو رہی تھی۔ بوڑھا آتا تو وہ حساب کتاب دیکھنے میں خود کو مشغول کر لیتی یا گاہکوں کے ہاتھ ہل ہل کر بے چینی ظاہر کرنے لگتے۔ چہرہ تو اس بوڑھے کا ہی دیکھا تھا اس نے۔ باقی تو پیسہ لیتے دیتے ہاتھ ہی دیکھتی تھی وہ۔ حساب سے فارغ ہو کر آنکھیں چیزوں کی طرف اٹھنے سے پہلے ہی وہ انسانی بر غائب ہو جاتے تھے۔

ٹرین ابھی ابھی گزری تھی۔۔ پھر سے وہی ڈراونا سناٹا چھا گیا تھا۔ کچھ قدموں کی آواز کبھی ڈر کو بڑھا دیتی' کبھی کم کر دیتی۔ کچھ حرکت سی ہوئی تو گڈو نے کھڑکی کی طرف آنکھ اٹھائی۔۔ کھڑکی پر بڑھے ہاتھ میں پستول ٹھیک گڈو کی طرف ہی تنی ہوئی تھی۔ گڈو نے دیکھا ایک لمبا سا کالا آدمی۔ کانوں میں اس نے جو لفظ بولے وہ بڑے جان لیوا اور سخت تھے۔۔

"Put all your money in the window"

گڈو کا جسم اور دماغ ایک دم سن۔ سکتے کی حالت میں اس نے دراز کھولی اور جو کچھ بھی تھا کھڑکی پر نکال کر رکھا دیا۔

کوٹ کی بڑی بڑی جیبوں میں پلوں میں ہی سب کچھ بھرتے وہ چیونشکل آدمی سیڑھیوں کے اوپر بڑھا اور غائب ہو گیا۔ پلیٹ فارم پر اکے دکے آدمی ابھی بھی تھے۔۔ ان کی نگاہ ریل کی پٹری پر تھی۔ کسی کو پتہ تک نہیں لگا اور اس کے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا۔۔ اگر اسے مار ہی ڈالتا اس پشتول سے تو۔۔ گڈو اس سے آگے نہیں سوچ پائی۔ گھبرائی' ایک دم سن' وہ چلا بھی نہیں سکی۔ کچھ پل کیلئے ایک دم گم سم کھڑی رہی۔

گاہک پھر سے آنے جانے لگے۔۔ کسی نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ دہشت سے گڈو

کا جسم کانپ رہا تھا۔۔ ہر پیسہ دینے کیلئے بڑھے ہاتھ میں اسے پستول نظر آنے لگی۔ سٹال اور کھلا رکھنا مشکل ہو گیا تھا گڈو کیلئے۔سٹال کو تالا لگا کر بھاگتی ہوئی گھر آئی۔ پنکی کے سامنے پڑتے ہی اس کی ساری دہشت رونے میں پھوٹ پڑی۔گھبرا گئی پنکی بھی۔

کیا ہوا بہن جی بولو تو سہی۔۔ بتاؤ نا

آج بس مر چلی تھی میں۔

یہ کیسی بات کر رہی ہو بہن جی۔

پتہ نہیں کیا کرنا چاہتا ہے بھگوان میرے ساتھ پہلے کچھ کم دکھ دیئے ہیں کیا۔؟

ہو کیا' کچھ بولو تو سہی۔

بس اب نہیں کام کروں گی اس سٹال میں۔ساری کہانی گڈو نے سنائی تو پنکی نے پٹیل کو اسی وقت فون کر کے اطلاع دی۔

پر پٹیل بولا ''پولیس کو اطلاع کی آپ نے؟''

''بہن جی تو سیدھے میرے پاس بھاگی آئی ہیں' پہلے آپ کو نہیں بتانا تھا؟'' اب دیکھئے ناں اس وقت پولیس کو بلاتی پھر گواہ کون سے تھے ڈاکے کے''

گواہ سچ مچ کوئی نہیں تھا۔

گڈو کی نوکری تو چھوٹی اور ساتھ ہی اس ہفتے کی تنخواہ بھی۔

پولیس میں رپٹ تو لکھوا دی گئی پر ہوا ہوایا کچھ بھی نہیں۔پنکی نے بتایا گڈو کو ''بہن جی یہاں تو آئے دن ایسے چوری ڈاکے ہوتے رہتے ہیں۔۔جان وان چلی جائے تو تحقیقات کرتے ہیں یہ لوگ ان چھوٹی چھوٹی چوریوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔رہی پٹیل سے بقایا تنخواہ کی بات۔تو اسے بھی اب بھول ہی جایئے۔جتنے پیسے لینے ہیں' اس سے زیادہ تو وکیلوں کے لگ جائیں گے۔بس اب یہ سب چھوڑو اور کوئی ڈھنگ کی نوکری کھوجو۔''

اس رات پستول والا ہاتھ بار بار گڈو کی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا تھا۔ کانپتے ہونٹوں سے وہ منتر دہرانے لگتی۔۔ ''اے بھگوان' ہمارے دکھ غور کرو۔۔ کبھی ہونٹ اس کی خواہشوں کے منتروں کو پھر پھر سے بولنے لگتے۔۔ ہماری ساری خواہشیں پوری ہوں۔۔'' مہینے بھر میں ہی گڈو کو پنکی کے گھر سے کافی دور ایک سیل گرل کی نوکری مل گئی۔ نئی جگہ کا ماحول بہتر تھا۔ قرینے سے سجا رسوئی اور گھر کا دوسرا سامان بکتا تھا یہاں۔ اسے دیکھ گڈو سوچتی رہتی کہ جب اپنا گھر بنے گا تو ایسے ہی ایک ہی سائز کی شیشیاں اور ڈبے خریدے گی' مسالے اور دالیں رکھنے کیلئے۔ پیاز آلو کا تار سے بنا ہوا خوبصورت سا چھینکا' طرح طرح کے اینمل کیے برتن۔۔ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رسوئی بھی اتنی خوبصورت بنائی جا سکتی ہے۔

جب سے نوکری شروع ہوئی' گھر کے فرنٹ پر کوئی اور ہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ گڈو نے آتے ہی گھر کے کاموں کی ذمہ داری اپنے اوپر لے کر پنکی کو کافی حد تک اس بوجھ سے فارغ کیا ہوا تھا۔ نوکری سے لوٹنے پر گڈو جب تھکن محسوس کرتی تو کھانا تیار کرنا یا گھر کا کوئی دوسرا کام اسے بہت بوجھ لگتا۔ ساتھ ہی ساتھ اسے محسوس ہوا کہ جیجا جی کی نوکرانی والی بات میں شاید سچ بھی تھا۔ پنکی کیوں نہیں دیکھ پاتی کہ گڈو بھی تو کام سے تھکی ہاری آتی ہے۔ گڈو نے گھر کے کاموں میں ڈھیل دے دی۔ راجو کو پیزا کھانے لے لئے پیسے دے دیتی' خود بھی کام پر ہی کچھ کھا لیتی یا سینڈوچ بنا کر لے جاتی۔ دو دن لگاتار گڈو جان بوجھ کر گھومتی ونڈو شاپنگ کرتی' گھر دیر سے آئی تو پنکی نے کھانا بنا رکھا تھا۔ تیسرے دن وقت پر آ کر بھی راجو کے سکول کے کام میں ہاتھ بٹانے کا ناٹک کرتی رہی۔ اس رات پنکی نے رات ساڑھے دس بجے جا کر کا کھانا تیار کیا' کچھ دیر شید گڈو کے رسوئی یں جانے کا انتظار ہی کرتی رہی ہو گی۔

دھیرے دھیرے گھر کا بندھا بندھایا سلسلہ برہم ہونے لگا۔

ستیندر کہہ رہا تھا ایک بھی بنیان دھلی نہیں۔ باتھ روم میں اتنے کپڑے اکٹھے ہوئے پڑے ہیں۔ کب صاف ہوں گے یہ؟

پنکی سٹپٹا کر بولی تھی ''اتنے ڈھیر ہو جاتے ہیں کام' میں کہاں تک اکیلی مرتی پھروں؟''

''اکیلی'' لفظ پر زور تھا یہاں۔ پنکی پر ان دنوں دفتر کے کام کا بھی زیادہ بوجھ تھا۔ گڈو کے من میں بات آ چکی تھی' کہ پنکی اسے Exploit کر رہی ہے۔ اتنی بھولی نہیں ہے گڈو کہ کوئی اسے چرا جائے۔۔ ہے بھی بڑی بہن۔۔ پنکی جب ہندوستان میں اس کے گھر آتی تھی تو وہی اس کے سارے آرام کا خیال رکھتی' کبھی چھونے دیا ایک برتن بھی اس نے پنکی کو۔۔! اب پنکی کیوں نہیں کر سکتی اس کیلئے۔۔

پنکی کو گڈو کا خرچہ بھی چبھنے لگا تھا۔ وہ محسوس کرتی کہ بہن جی کو اب کتنے مہینوں سے نوکری ملی ہوئی ہے' سوانہیں اپنے آپ ہی تو چلے گئے تھے۔ گڈو بہن جی تو اتنے اشاروں کے بعد بھی الگ اپارٹمنٹ لینے کا نام ہی نہیں لیتی۔ پیسہ تو جمع ہو ہی گیا ہو گا' میں کچھ خرچہ تو لیتی نہیں۔ تب کیوں بوجھ بنی بیٹھی ہیں۔ بی جی چاچا ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ ''گڈو بچپن سے ہی سب لیتی رہی ہے جب تک کہ دینے والا ہاتھ ہی تھک کر پیچھے نہیں کھینچ لیتا۔'' گڈو کی جنم راشی بھی تو بچھو ہے نا۔۔ کہتے ہیں بچھو راشی میں پیدا ہونے والے لوگ دوسروں سے فائدہ اٹھا کر انہیں دودھ سے مکھی کی طرح نکال دیتے ہیں۔ گیتا بھی تو کہتی تھی۔ کہنے کو تو بیوہ ہے پر کون سی کمی رہی ہے گڈو کو۔ ہم سے بہتر ہی کھاتے پیتے ہیں' اس کے بچے اچھے سکولوں میں پڑھتے ہیں اور کیا چاہیے اسے۔ اب دیکھنا تیرا مکان بنا ہے نہ میرا۔ گڈو کا تو ادھر ادھر سے پیسہ لے کر بن ہی گیا ناں۔ کسی نے نوکری دلوا دی' کسی نے ٹکٹیں بھیج دیں۔ بس بیوہ پن سے ہمدردی پیدا کر کے سارے کام نکلوا لیتی ہے۔ تیرے جیجا جی کے آگے بھی تو رو دھو کر ماہوار خرچہ لیتی رہی ہے ہم سے اب تو یاد نہیں ہو گا اسے۔''

ستیندر کی دریا دلی اور سہنے کی طاقت بھی اپنی آخری حد پر پہنچنے لگی تھی۔اس دن کہہ رہا تھا کسی بات کے سلسلے میں؛

"Why Should I Keep On Suffering for Your Family" بہت کرلیا۔اب جب نوکری مل گئی ہے تو کوئی الگ جگہ لے کر کیوں نہیں رہتی؟ ٹونی بھی آنا چاہ رہا ہے۔اس کا بھی تو انتظام کرنا ہے۔

ٹونی ستیندر کا چھوٹا بھائی تھا۔

اس دن غصے میں ستیندر نے راجو کو تھپڑ جما دیا تھا۔راجو کا رویہ اسے یوں بھی پسند نہیں تھا۔کہتا تھا''بہت بگاڑ رکھا ہے بہن جی نے راجو کو اپنے آپ اٹھ کر پانی کا گلاس تک نہیں لے سکتا۔ میں کہتا ہوں یہاں پر Survive نہیں کر سکتا ہے یہ۔ یہاں کے بچے تو اپنا کھانا تک خود بنا کر کھا لیتے ہیں۔اس سے ہاتھ تک نہیں ہلایا جات۔کیا ارجن سکول سے آ کر خود ناشتہ نہیں کرتا ہے؟ تب راجو کیوں انتظار کرتا رہتا ہے کہ اس کی ماں یا ہم میں سے کوئی آ کر ہی اسے پروسے۔''

راجو سے اس نے ایک بار کہہ بھی دیا تھا''تیری ماں تجھے ایک دم آلکسی بنا رہی ہے۔اس ملک میں آ کر ایسا رہا تو پیچھے رہ جائے گا۔''

راجو کو جانے کیا ہوتا جا رہا تھا۔اس کی اچھلتی کودتی زندگی کو جیسے اس اپارٹمنٹ کے بندھے بندھائے دائرے میں قید کر دی گیا ہو۔کبھی چپ چاپ گم سم بیٹھا رہتا تو کبھی بات بات پر غصہ کرتا چڑتا اور چلاتا۔سکول سے آتے ہوئے بے بات لڑکوں کے ایک گروپ نے اسے پیٹ دیا تھا۔ بہت چوٹ کھائی تھی فاجو نے۔اس کے اندر ڈر ایسا سمایا تھا کہ باہر کھیلنے بھی نہیں جاتا تھا۔اپنے آس پاس کا سارا ماحول اسے بہت کمپلیکس لگتا تھا۔۔ایک دم پکڑ کے باہر۔ایک اجنبی سی دنیا میں آ گیا تھا فاجو۔ ارجن اس سے شار سال چھوٹا تھا۔اس کا بچوں کا اپنا گروپ تھا۔راجو وہاں بڑے بھائی کی حیثیت رکھتا تھا۔بارہ برس کے راجو کی بچپن والی اچھل کود کی ضرورت ابھی

مٹی نہیں تھی۔ اچانک اتنی بڑی تبدیلی اسے سہائے دے رہی تھی۔ اندر ابال اٹھ اٹھ کر بجھ جاتے۔ ماں سے کوئی شکایت کر کے اسے کوئی دکھ بھی نہیں پہنچانا چاہتا تھا اور کوئی شکایت اسے تھی بھی نہیں۔ کچھ بھی تو ایسا گھٹ نہیں رہا تھا جسے وہ صحیح صاف لفظوں میں ماں تک پہنچا سکتا۔ گھر سے سکول،سکول سے سیدھا گھر۔ گھر پر ہوم ورک ٹیلیویژن دیکھنا کومک پڑھنا بس یہی روٹین تھی۔ اس دن جب ارجن نے اسے ''آلکسی'' کہہ کر چھیڑا تو راجو نے اسے پیٹ دیا۔ پنکی نے ارجن کا رونا سنا تو کس کر تین چار تھپڑ جما دیئے راجو کو۔ بولی ''تم لوگوں نے اس گھر کی ساری شانتی کو چھین لیا ہے ہر وقت کوئی نہ کوئی وبال مچائے رکھتے ہو'' بہت تڑپا تھا راجو۔ گڈو سے شکایت تک بھی نہیں کر پایا تھا۔ صرف اتنا کہا تھا ''ممی، مجھے لگتا ہے چنڈی گڑھ والا گھر اور سکول زیادہ اچھے تھے۔''

گڈو کو محسوس ہونے لگ گیا تھا اب زیادہ دن پنکی کے ہاں ٹکے رہنا مشکل ہے۔ سیل گرل کی تنخواہ میں کوئی اچھی جگہ ملنا مشکل تھا۔ گڈو کچھ دیر کیلئے ٹالنا چاہتی تھی پر راجو نے کہہ ہی دیا۔ ''ممی آپ تو کہتی تھیں امریکہ جا کر امیر ہو جاتے ہیں،ہم لوگ تو یہاں اور بھی غریب اور بے گھر ہو گئے ہیں، انکل غصہ کرتے رہے ہیں۔ ارجن بھی اپنے آپ کو Superior سمجھتا ہے۔۔ مجھے تو بڑا عجیب سا لگتا تھا یہاں۔''

گڈو لوٹ نہیں سکتی تھی۔ تینما کے میڈیکل کی پانچ ہزار روپے کی فیس اس کی ٹیچر کی تنخواہ میں سے تو نکل نہیں سکتی تھی یہاں چاہے جیسے بھی ہو ہندوستانی روپوں میں تو ایک دم امیر تو ہو ہی جاتی ہے۔ اوور ٹائم کر کے کچھ زیادہ بھی کما لیتی ہے۔ کڑا کر لیا من گڈو نے۔ چاہے کچھ ڈھیٹ ہو کر بھی رہنا پڑے۔ گڈو گھر میں سودا سلف بھی خرید کر لانے لگی تکہ پنکی کو اس کا بوجھ اتنا زیادہ محسوس نہ ہو۔ یوں ایک ایک ڈالر بہت سوچ سمجھ کر خرچتی تھی۔ روز روز کی ضرورتوں اور کرائے بھاڑے میں ہی کتنا تو

نکل جاتا تھا۔ گھنٹے کے ملتے تین ڈالر ہی تھے۔ ڈھنگ کے سٹور میں کام کرو تو ڈھنگ کے کپڑے بھی بنوانے ہوتے ہیں۔ شروع میں تو وہ پنکی کی سکرٹ جیکٹ پہن لیتی تھی۔ بہت شرم آتی تھی اسے سکرٹ پہننے میں۔ پر یہ بات اسنک پہنچادی گئی تھی کہ صحیح لباس مین ہی وہ کاونٹر پر کھڑی ہوسکتی ہے۔ ساڑھیاں شلوار قمیض گھر میں پہننے کے ہی کام آتی تھی' بڑھیا زری والی ساڑھیاں زیادہ تر بکسوں میں ہی بند رہتی تھی' تہوار' پارٹیوں مین ہی باہر نکلتی تھیں۔ راجو کے کپڑے گرم جیکٹس سبھی کچھ تو چاہئے تھا۔ تبھی تو نئی جگہ کا خیال ملتوی کر رکھا تھا۔ یوں کچھ ایک گھر دیکھے تو والے تھے پر سبھی کسی نہ کسی وجہ سے رد کر دیئے گئے تھے۔ نیو یارک میں اپارٹمنٹوں کے کرائے اتنے اونچے ہیں کہ وہ ان کا کے دام سن کر چپ مار جاتی تھی۔

اس دن جب گڈو کو تنخواہ کا چیک ملا تو لنچ بریک میں چیک بھنا کر اس نے ارجن اور راجو کیلئے ایک ایک کھلونا خرید لیا۔ لوٹے ہوئے لنچ ٹائم کی بھاگ دوڑ کی وجہ سے زیادہ تھکی ہوتے ہوئے بھی من ہلکا تھا۔ سوچ رہی تھی گھر مین اتنا تناو رہتا ہے۔ کھلونا پا کر ارجن خوش ہوگا تو شاید ماحول میں کچھ فرق پڑے۔

پر آج گڈو کے منصوبوں پر گاج گر پڑی۔ گھر کا دروازہ کھول کر سیڑھیاں چڑھ رہی تھی تو من مین کچھ کھٹکا ہوا۔ پر ادھر دھیان نہ دیتے ہوئے سیدھے اپارٹمنٹ کے سامنے پہنچ کر چابی لگاتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا۔ دھیان ہاتھ کے پیکٹوں پر تھا۔ آنکھ اوپر اٹھائی تو ایس انظارہ سامنے تھا کہ اسے اپنے آپ پر بھروسہ نہیں ہوسکا۔ اس کا سوٹ کیس دروازے سے تھوڑی دور پرے پڑا تھا۔ راجو سہا سا سوٹ لیس کے پاس ہی ایک مونڈھے پر بیٹھا تھا' آنکھیں سوٹ کیس پر ہی چپکی تھیں۔ اس کے کچھ ایک کپڑے ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے' شاید کھونٹیوں سے اتار کر پھینکے گئے تھے۔ ابھی حالات کا کچھ ٹھیک اندازہ گڈو کو نہیں ہو پایا تھا کہ کچن سے آئی ہوئی پنکی اسے وہاں دیکھتے ہی چلا کر بولی ''پلیز بہن جی' "Have Mercy On Me.

Let me live in peace. ہماری بھی تو زندگی ہے۔ اب اور بوجھ نہیں اٹھا سکتے ہم۔ یہ روز روز کے جھگڑوں میں ستیندر کی ٹینشن ۔۔ I Can't take it ۔ پھر اپنی بھرائی ہوئی آواز کو کچھ سنبھال کر بولی۔

" I am sorry, I have to be rude to you"

''پر آپ نے بھی تو حد کردی۔ آپ کتنی دیر سے تو کمارہی ہیں اب پلیز کہیں اور نہیں کرسکتیں اپنا انتظام؟''

گڈو حیران تھی۔ اس طرح کا سلوک تو اس کی سوچ کے دائرے سے بھی دور تھا۔ پستول آج اس کی اپنی بہن نے اس کی طرف تانی تھی۔ دہشت کی ایک گولی اس کے اندر تک اتر گئی تھی۔ مشکل سے بس اتنا منہ سے نکلا۔

''ہوا کیا ہے؟''

اور سامنے سے آتے ستیندر کے الفاظ ہتھوڑے جیسے ان کے کانوں میں پڑے۔

''ہم لوگ تو خون پسینے کی کمائی سے ان لوگوں کو یہاں بلائیں اور ان کو ہمارا کچھ لحاظ تک نہیں۔ یا تھا۔ اگر میں نے راجو کو بازار سے سودا لانے کیلئے کہہ دیا' اٹھا تک نہیں بستر سے۔ میں کہتا ہوں ہمیں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان کے پیچھے مارے مارے پھرتے رہیں۔ ان کو سیٹل کرنے کیلئے بھاگ دوڑ کرتے پھریں۔ کہو ان کو' جہاں کہیں بھی جائیں' یہاں نہیں رہ سکتیں۔۔''

"I just cant't stand them in this house"

گڈو ہکی بکی کھڑی تھی۔۔ کیا کرے۔۔ کہاں جائے گی اب اندھیرے میں۔۔ ہلکی سہمی آواز میں بولی'' دیکھ پنکی' سڑک پر تو نہ کھڑا کر۔۔ کل سے گھر دیکھنا شروع کردوں گی۔ جو کچھ بھی اچھا برا ملا' منتقل ہو جاؤں گی۔۔ اب اس وقت کہاں جاؤں گی؟''

اس علاقے میں پہچان کا چہرہ اسی امریکی بوڑھا کا تھا۔۔ گڈو نے تو اس کا نام

پتہ نہیں پوچھا تھا۔ اگر دلچسپی لیتی تو آج وہ کام آسکتا تھا۔ سکندر کی موجودگی میں پنکی اعر بھی غصے سے بولی" گھر تو آپ کب سے دیکھ رہی ہیں پر کوئی ناک تلے چڑھے ناں!! جب اس گجراتی لڑکی کے ساتھ Share کرکے۔"

آخری واقعہ ابال لے آیا تھا پنکی میں۔ گڈو تو سیدھے یہی کہنا چاہتی تھی کہ بچے کی پڑھائی یا آزادی کیلئے اسے الگ سے ہی رہنا چاہئے پر منہ سے چوٹ کرنے والا ہی فقرہ نکلا۔

چوٹ تو گڈو کو لگی ہی تھی اور پنکی بولی Share کرنا آپ کو آتا ہو تب ناں۔ مجھے سب پہلے ہی سے لہتے تھے کہ ہندوستانیوں کو یہاں رہنے کا شعور ہی نہیں۔ اتنا گندا کر رکھا ہے آپ لوگوں نے یہ گھر کہ گھسنے کہ من نہیں کرتا۔ کسی چیز کا سلیقہ ہی نہیں۔ یہاں ہندوستان جیسے نہیں رکھ سکتے گھر۔ یہاں کے صفئی کے سٹینڈرز کچھ اور ہی ہیں۔

یہ چوٹ تو گدو کی تہذیب پر تھی۔ صلح صفائی والا رخ چھوڑ کر اچانک وہ بھی ایک دم حملہ کرنے والی ہو اٹھی۔ بولی" واہ رے صفائی کے فرشتے۔ بڑی امریکن بننے چلی ہے۔۔ یہیں پیدا ہوئی تھی ناں جیسے! دیکھ لی' تیری بھی صفائی میں نے۔۔ بستروں کے نیچے رکھے گندے کپڑے چھپا کر۔ الماریوں' درازوں میں سارا گند بند کر کے اور خوشگوئیں چھڑک چھڑک کر ہوتی ہے نا صفائی۔۔ بڑا سمجھنا نہ خود کو۔۔ وہیں سے نکلی ہے جہاں سے میں۔۔ اب چار پیسے کیا ہو گئے بڑا گھمنڈ ہو گیا ہے تجھے۔۔ اب گھر سے نکالتی ہے مجھے۔۔ تیری یا جرات ہوئی کیسے؟ آج میرا مرد زندہ ہوتا تو دیکھتی کیسے تو بڑی بہن کی بے عزتی کرتی۔ اپنے ہاتھوں سے پالا ہے تجھے' پوتڑے دھوئے ہیں میں نے تیرے۔ کرنے چلی ہے صفائی کی بات۔ ٹیوں میں لبڑی رہتی تھی' ناک صاف کرنے کی تیز نہیں تھی تجھے۔

"گڈو نے خال بولے چلی جا رہی تھی۔۔ بھڑ کے چھتے کو چھیڑ دیا تھا کسی نے۔"

''تھو۔تھوکتی ہوں تیرے گھر پر۔۔بھگوان یہ بدلہ لے گا جو سلوک تو نے کیا ہے میرے ساتھ۔۔تو کیا نکالے گی مجھے' میں ہی خود جاتی ہوں۔جو لایا ہے وہی ٹھکانا بھی بنائے گا۔تو کچھ نہیں کر سکتی کسی کا۔بھگوان ہے اصلی کرنے والا۔میں فالتو میں احسان مانتی رہی تیرا۔تو کون ہوتی ہے مجھے بلانے والی یا نکالنے والی؟''

گڈو کا پورا بدن جیسے جل رہا تھا۔ہاتھ جذبات سے کانپ رہے تھے۔راجو نے ماں کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔بہت گھبرا گیا تھا۔دونوں بانہوں سے گڈو کو گھیرتے ہوئے بولا''سٹاپ اٹ پلیز سٹاپ اٹ ممی'' "Please, Stop it Now"

پھر تھوڑی دیر کے بعد ڈرتے ڈرتے بولا "Can we go to Gita Mosi ji House" اچانک گڈو کو اپنی لاچار حالت پر رلائی پھوٹ پڑی ''بس قسمت ہی خراب تھی میری ورنہ یہاں کیوں آتے۔اب تو سڑکوں پر رلنے کی بھی نوبت آ گئی۔ایسی بے قدری کرنی تھی تو بلایا ہی کیوں تھا یہاں۔اب ہم گندے لیچڑ ہو گئے۔جب ہمارے گھر آ آ کر مہینوں پڑی رہتی تھی تب؟تب کیا تھا؟ظالم یہ جو کفر ڈھا رہی ہے مجھ پر۔۔بھگوان ہی بدلہ لے گا۔

آخری فقرہ کہتے کہتے گڈو اپنے آپ کو پاک آتما سا محسوس کر رہی تھی جس کی بد دعا ضرور پوری ہوتی ہے۔پنکی ستیندر ایک دم خاموش تھے۔من میں بڑا ہی پچھتاوا تھا پر روکنے کو تیار ہو کر بھی روکنے کی بات کہہ نہیں پا رہے تھے۔ڈر تھا کہ پھر سے وہی سلسلہ دوبارہ نہ شروع ہو جائے۔گڈو کے چلے جانے میں ہی سب کی بھلائی تھی۔وہ یہ چپ چاپ دیکھتے رہے کہ گڈو کی اگلی حرکت کیا ہو گی' اس کا انتظار کرتے رہے۔

ٹیکسی میں گیتا کے گھر جاتے ہوئے گڈو من کو سکون دینے کیلئے منتر پڑھنے لگی۔۔ہون کے رٹے رٹائے منتر۔۔''خواہش سے کیا مطلب ہے اس رشی کا۔سارا ویدوں کا فلسفہ اور سارے منتر اس دنیاوی زندگی کو ہی تو آخری سچ بنانے کی بات

کرتے ہیں۔۔ یہی راستہ ہی تو ہے اس خدا تک پہنچنے کا۔ انہی کاموں کو کرتے ہوئے ہی تو خدا تک پہنچنا ہے ناں۔ پر کیا سچ میں زندگی کی حقیقت اپنی ہی بھلائی اور اپنے کو ہی ترقی دینا ہے؟ پر اپنی ترقی خودغرضی بھی تو ہے۔ چھوٹا پن اور کمزوری بھی تو" تب کیا صحیح ہے گڈو کیلئے۔ کیا وہ جو کر رہی ہے وہ صحیح ہے؟ پر اب پیچھے بھی تو نہیں ہٹ سکتی۔ سات سو روپے والی ٹیچری اسے کہاں تک لے جائے گی۔ نہیں' اب تو وہی کرنا ہے۔ یہیں اس کے کام کا فیلڈ ہے۔ یہی اس کا مقدر ہے۔ گیتا کا اپارٹمنٹ پنکی کے یہاں سے قریب 20 میل فلیشنگ نامی علاقے میں تھا۔ یہاں مینہٹن کے مقابلے میں مکانوں کے کرائے کچھ سستے تھے۔ نیو یارک میں آنے والے کئی ہندوستانی اس حصے میں آ کر بس گئے تھے۔ ہندوستانی ساڑھیوں گروسری اور دوسو بیس 220 واٹ کے بجلی سے چلنے والی مشینوں والی دوکانیں یہاں ہندوستان اور پاکستان سے آنے والوں کی بڑھتی تعداد کے ساتھ ساتھ ہی بڑھ رہی تھیں۔

گیتا کا اپارٹمنٹ ایک دس منزلہ عمارت کی ساتویں منزل پر تھا۔ اوپر جانے کیلئے لفٹ تھی۔ دو بیڈروم کے اس اپارٹمنٹ مین یوں کسی باہر کے آدمی کیلئے جگہ تھی نہیں۔ ایک بید روم مین گیتا کے تینوں بچے کینیکا' رادھیکا اور اشوک رہتے تھے دوسرے میں گیتا اور جیجا جی۔ گڈو کا انتظار Living Room میں کیا گیا تھا وہ روز رات کو بستر فرش پر ہی گدا ڈال کر بچھا دیتے تھے۔ صبح صبح گڈو راجو دونوں کو ہی کام پر جانا ہوتا اور یوں کمرہ پھر سے بیٹھک بن جاتا۔ یوں دن بھر بیٹھک کا استعمال کرنے والے جیجا جی کو چھوڑ اور کوئی گھر پر نہیں ہوتا تھا۔ جیجا جی کی ڈیوٹی کبھی شام 4 بجے سے رات 12 بجے تک یا رات بارہ بجے سے صبح آٹھ بجے تک ہوتی' دن میں وہ اپنی نیند پوری کرتے۔ اشوک اور رادھیکا کے ساڑھے تین بجے کے قریب سکول سے گھر لوٹنے پر جیجا جی کبھی ڈیوٹی ک حساب سے کبھی ملتے' کبھی نہیں۔ یوں رادھیکا نے تیرھویں مین قدم رکھا تھا اور اشوک نے گیارھویں میں۔ کینیکا ہائی سکول اور 16 کی

ہو چکی تھی ۔ وہ چام تک ہی گھر آتی تھی ۔ صبح صبح اور شام کو اس گھر میں بھیڑ ہو جاتی ۔۔ شور' کٹ پٹ' لڑائیاں ۔ٹیلیویژن پر کوئی کچھ پروگرام دیکھنا چاہتا اور کوئی کچھ' اسی بات پر بچوں میں بہت جھگڑا ہوتا رہتا۔ رادھیکا اسی بات پر بڑے غصے سے بات کرتی ۔ رادھیکا اور اشوک ایک دوسرے کو امریکی زبان میں گالیاں دیتے ۔ ساری شام ٹیلیفون کی گھنٹیاں بجتی رہتیں ۔ رادھیکا گھنٹوں ٹیلیفون پر لگی رہتی ۔ زیادہ تر فون اسی کی سہیلیوں کے ہوتے تھے ۔ باقی اکا دکا کسی اور کا۔ رادھیکا ڈانٹ بھی کھاتی رہتی اور کرتی وہی جو اسے بھاتا۔

☆

کینکا کی جگہ الگ سی تھی اس گھر میں اس کا کہا تو اس کے ماں باپ تک مانتے تھے۔ گیتا بتائی تھی کہ کینکا بہت لائق ہے۔ کینکا نے بھی جیسے اس اہمیت کو اوڑھا ہوا تھا۔۔اس بڑے پن کو وہ گھر میں کسی سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی اسے ہر شام پڑھائی کا بڑا کام' کوئی Term Paper وغیرہ نپٹانا ہوتا تھا۔وہ آتے ہی پاپا' ممی کا کمرہ بند کر کے وہیں پڑھتی رہتی تھی۔

گڈو کو یہاں سے کام پر جانے کیلئے سوا ڈیڑھ گھنٹہ انڈر گراونڈ ٹرین پر لگ جاتا تھا۔راجو کا بھی یہی حال تھا۔گڈو راجو کے اکیلے ٹرین میں سفر کرنے سے گھبراتی بھی تھی' پر کوئی اور چارہ نہ تھا۔اس دن دوبارہ اس کے ساتھ حادثہ ہو گیا۔ٹرین میں سامنے کی سیٹ پر بیٹھے تین جوان لڑکے اچانک ریوالور تان کھڑے ہو گئے۔ڈبے کے مسافروں سے مخاطب ہو کر بولے ''جس کے پاس جو کچھ ہے نکال دے'' ایک آدمی نے ہلکی سی حیل وحجت کی تھی انہوں نے اس پر گولی چلا دی۔گڈو نے اپنے گلے کی چین' گھڑی اور ڈالر کے نوٹ سبھی کچھ اس کے حوالے کر دیا۔ٹرین رکتے ہی وہ لڑکے وہ سامان ایک تھیلے میں بھر بھگ کھڑے ہوئے۔۔شور مچا۔۔ٹرین بہت دیر تک سٹیشن پر ہی رکی رہی۔۔زخمی آدمی پولیس کے سپاہیوں نے اتارا جنہیں تبھی بلایا گیا تھا۔لٹے جانے کا یہ تجربہ پہلے تجربے کی دہشت سے کچھ کم نہ تھا۔گڈو کا ڈر اور بھی بڑھ گیا۔یہاں تو کچھ بھی ہو سکتا تھا۔۔جس آدمی کو گولی لگی کیا وہ بچ جائے گا؟ گھبراہٹ سے اس کا منہ سوکھ رہا تھا۔اس کا راجو بھی تو ٹرین سے آتا جاتا ہے اور وہ لڑکے تو ہائی سکول میں ہی پڑھتے جیسے نظر آتے تھے۔اس نے سپروائزر سے عرض کیا کہ وہ شام تک نہیں رک سکتی۔شام چار بجے تک لوٹنا ہے اسے۔راجو کو پاس کے ہی کسی سکول مین بھیجنا ہوگا۔راجو کو روز ہدایتیں دیتی رہتی۔۔اکثر وہ اسے سٹور کے پاس مل جاتا اور وہ دونوں ساتھ ہی گھر آتے۔ٹرین مین گھستے

ہی اسے وہی نظارہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا۔اور وہ راجو اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کیلئے من ہی من میں منتر بولنے لگی۔

اس نے اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا کہ جب بھی منتر پڑھ کر کوئی بھی کام کرے گی' خواہ وہ ٹرین میں چڑھنا ہی ہو' تو ہو کامیاب ہی ہو گی۔اسی طرح اس نے اپنے ڈر کے ساتھ ایک سمجھوتہ کر لیا تھا۔

گیتا نے گڈو سے گھر کے خرچ کو لے کر سیدھا سادھا حساب کر لیا تھا۔ یہاں سب کی آمدنی پوری پوری ہے' مہنگائی اتنی زیادہ ہے کہ اور دو لوگوں کے کھانے کہ خرچہ گیتا کا خاندان نہیں اٹھا سکے گا۔سو' گڈو اسے تین سو ڈالر مہینے کا دیتی رہے۔۔پانچ چھ سو مہینے کا کماتی ہی ہے وہ۔اس طرح اسے کسی کے احسان کے نیچے آنے کی ضرورت نہیں۔گڈو کو دھکا سا لگا تھا کہ بہن اس کے سر پر کمانا چاہتی ہے' پر یہ جیجا جی کی ہی سوجھ بوجھ ہو گی' اور کوئی بزنس چلا جو نہیں' یہی سہی۔پر گڈو بھی تو پنکی کے گھر بیٹھے پیسے جوڑ رہی تھی۔جس کا جب داؤ لگے۔

جیجا جی بیچارے کون سے سکھی ہیں۔۔دورین کی نوکری ہے تو چپڑاسی گیری ہی۔۔چوٹ تو انہوں نے گڈو سے بھی زیادہ بڑی کھائی ہے۔اب بھی ویک اینڈ پر پٹڑی بازار میں سامان لے جا کر بیچتے ہیں' سارے خاندان کا ویک اینڈ منانے کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔۔سامان پہنچانا' بیچنا' پھیلانا' سمیٹنا۔بکری کا حساب۔۔پر زیادہ بکری ہوتی نہیں تھی۔پیتل کی ایش ٹرے' کینڈل سٹینڈ' نٹ راج اور دوسری مورتیاں بڑی عام سی ہو گئی ہیں۔نیا پن کھوجنے والا یہ سماج لگاتار نئے ملکوں سے الگ طرح کا مال برآمد کرتا رہتا۔گڈو کو افریقی دیشوں کے انہی بازاروں میں رکھے مکھوٹے بہت پسند تھے۔۔جب گھر بنے گا تو لے گی۔جیجا جی کہتے تھے۔۔یہ بچا مال ختم ہو جائے گا تو دوبارہ نیا مال نہیں خریدیں گے۔جو کام بھاتا نہیں وہ کیوں کریں۔یہ کیا چپڑاسی گیری بھاتی ہو گی انہیں؟ پر اس سے تو روٹی چلتی تھی۔جیجا جی

اوپر سے بڑ غیر جذباتی رکھتے تھے چہرہ پر جیجاجی کے اندر بہت طنز اور شکایت تھی جوان کے بولنے سے ظاہر ہو جاتی۔ Insecurity بھی اتنی زیادہ تھی جو بزنس والی پروتی میں گھل مل کر عجیب طرح کی کنجوسی کی عادت بن گئی تھی۔ پائی پائی کا حساب کرتے اور بہت سوچ سمجھ کر پیسہ خرچ کرتے۔ یوں کھلی آمدنی تو تھی بھی نہیں اوپر سے پڑھنے والے بچوں کا خرچہ۔ کینکا کو سکالرشپ مل رہی تھی ورنہ اس کی سال بھر کی فیس تو گیتا جیجاجی کی تنخواہ ملک کر پوری پڑتی۔ ہو پڑھائی کے ساتھ ایک گھنٹے لائبریری میں کام کر کے کچھ نہ کچھ کما لیتی تھی۔ گڈو کو جیجاجی کی باتیں اور ان کا برتاؤ بہت بدلے ہوئے لگتے یا اس نے اب تک ان کو جانا ہی نہیں تھا۔ اس نے جیجاجی سے کہا ''آپ کے کام والی جگہ پر سنا ہے بادام پستہ بہت سستا ملتا ہے۔ کوئی ہندوستان جا رہا ہے انیا۔ تینما کیلئے بھیجنا چاہتی ہوں ان کے ہاتھ۔ مجھے چھ سات پونڈ کے قریب لا دیں گے؟ چھوٹتے ہی جیجاجی نے کہا تھا ''ٹھیک ہے ڈیڑھ ڈالر اس میں آنے جانے کا کر یہ مال کر دے دو جتنا بھی منگانا ہو''

سالوں پہلے جب گڈو کے خاوند کی موت ہوئی تھی اور تبھی خریدی پلنگوں کا جوڑا بیچنا چاہتی تھی تو انہی جیجاجی نے پانچ سو روپے نکال کر کہا تھا ''یہ لو پلنگ مت بیچنا یہ تو پریم جی کی نشانی ہے'' اب کہاں چلی گئی وہ دریا دلی۔ ایک ایک ڈالر کو مانو آنکھ پر اٹھاتے ہیں جیجاجی۔

گیتا کے ہاں گڈو کو چین آرام قطعی نہ تھا۔ مہمانوں جیسی ہی پڑی تھی۔ راجو کو پڑھنے کی بھی سہولت نہیں تھی۔ کوئی بندھا ہوا کونا تو ان کے پاس تھا نہیں۔ گڈو سوچنے لگی تین سو ڈالر تو دیتی ہے پھر بھی اپنے گھر جیسا نہیں۔ گڈو نے مکان دیکھنا شروع کر دیا۔

گیتا کے گھر کے تھوڑی دور ہی ایک پانچ منزلہ عمارت میں بڑا سا کمرہ خالی تھا کرایہ 175 ڈالر۔ بیسمنٹ میں سیلن اور اندھیرا سا تھا۔ پر گڈو کو تو خلوت اور سکون

کی بے حد ضرورت تھی۔۔راجو بھی تو کتنا پریشان ہو گیا تھا اس کے ساتھ ساتھ۔

گیتا کو پتہ لگا تو حیران رہ گئی تھی۔ چپکے چپکے مکان بھی ڈھونڈ لیا گڈو نے۔ جیجا جی کو آدھی کمائی کے رک جانے کا برا لگا تھا۔ ورنہ گڈو اور جیجا جی میں ادھر کافی تکرار چلتی رہتی تھی۔ جیجا جی کے عاشق مزاج والی چھیڑ چھاڑ اب اسے بالکل نہیں بھاتی تھی۔ ان کا گڈو کے کندھوں پر سر رکھنا' جب بھی گھر پر سونا' یہی اصرار کرنا کہ گڈو زمین پر گدا کیوں بچھاتی ہے انہی کے بستر میں کیوں نہیں آ جاتی۔ گڈو ان کی ایسی کوششوں کو بے دردی سے دھتکار دیتی۔ جیجا جی کو اگر یہ یقین ہو جاتا کہ گڈو انہیں پسند کرتی ہے تو گڈو کا اس گھر میں سواگت ہی سواگت تھا۔ پر گڈو نے اپنی کسی حرکت سے ایسا کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ گڈو تو پہیلی بنی ہوئی تھی جیجا جی کیلئے۔۔ خاوند کی موت کے بعد جب ایک مرتبہ گڈو کے گھر اکیلے ٹھہرے ہوئے تھے تو ایک شام بہت زور دیا تھا کو گڈو ان کے ساتھ فلم دیکھنے چلے۔ تب گڈو نے یہی کہہ کر انکار کر دیا تھا' کہ جب لوگ انہیں ساتھ ساتھ گھومتے دیکھیں گے تو جانے کیا باتیں بنائیں گے۔ پر اب تو لوگ بھی نہیں تھے۔۔ گڈو کو جیجا جی کے ''سالی آدھی گھر والی'' کے مذاقوں سے بھی کوفت ہوتی تھی۔

جیجا جی کی شکل نے اسے کبھی کھینچا تو نہیں تھا اور اب تو ویسے بھی وہ اپنے مقام سے گرے ہوئے تھے۔ گڈو بھی ان عورتوں ین سے تھی جن کیلئے آدمی کی شخصیت اس کے عہدے سے بنتی ہے۔ اپنے بیوہ ہونے پر اسے دکھ تو اس بات کا تھا کہ وہ اونچے افسر کی پتنی نہیں کہلائی جائے گی۔ اپنے بچوں کو بھی بڑھیا شکھشا دینے میں وہ اپنی اوقات سے زیادہ خرچتی رہی تھی کہ وہ بھی اپنے سٹینڈرڈ کو پا سکیں۔ یہاں اپنے بارے مین بھی اس نے سوچ رکھا تھا کہ کچھ نہ کچھ پڑھائی کر کیا آمدنی کا ذریعہ بڑھانا ہی ہے۔ جب بیٹیاں آئیں گی تو سیلز گرل کی تنخواہ مین گزارا تھوڑے ہو سکے گا؟

کچھ کھوج مین کے بعد گڈو کو پتہ لگ گیا کہ غریب شہری اور یہاں رہنے والے گرین کارڈ ہولڈر کیلئے فیڈرل سرکار نے چائنہ ٹاؤن میں ٹرینگ کی ایک سکیم بنائی ہے۔ اس کے تحت ٹرینگ کا بھی الگ پرگرام تاھ جس میں پڑھائی کے ساتھ سو ڈالر ہفتہ ک اوظفہ بھی ملتا تھا۔ گڈو کے پاس انگریزی میں ایم اے کی ڈگری تو تھی ہی۔۔ داخلے میں مشکل نہیں ہوگی۔ بس ٹھیس صرف اس بات کی تھی کہ امیر افسر کی بیوی ہو کر غریب طبقے کے لوگوں میں اپنا نام شامل کروانا تھا۔

کافی دیکھ پرکھ کے بعد گڈو راجو کے ساتھ بیسمنٹ والے اپارٹمنٹ میں شفٹ کر گئی اور کوئی ایک کمرے کا اپارٹمنٹ تین چار سو سے کم میں نہیں ملتا تھا۔ اس وقت گڈو کی ضرورت تھی اپنا ایک گھر جہاں راجو اور وہ سکون سے رہ سکیں۔ وہ بجھا بجھا سا بیسمنٹ والا گھر اس کیلئے راحت کی سانس تھا۔

فرنیچر جمع کرنے میں اتنی مشکل نہیں پڑی۔ پلنگ اس نے نئے خریدے۔ باقی چھوٹا موٹا سامن کچھ سیکنڈ ہینڈ لے کر اور کچھ کوڑے کے ڈھیروں سے مفت میں بل گیا۔ ایک بار اسے میز کرسی اور صوفہ چیئر بھی باہر پھینکے ہوئے مل گئے تھے۔ بس گزارہ چل گیا۔

اب گڈو کو بیٹیوں کی فکر کرنی تھی۔ بڑی لڑکی ایم۔ ایس۔ سی کر رہی تھی اس کو پی ایچ ڈی پروگرام مین داخل کروانا تھا۔ ہوسٹل میں جواں لڑکیوں کو چھوڑ کر فکر مند رہتی تھی۔ گڈو گھبرا کر اکثر آدھی رات کو اٹھ جاتی اور سوچنے لگتی کہ سب کیسے پار لگے گا' اکیلی جان کے بل بوتے پر۔

جب سے بیسمنٹ میں آئی تھی' مکتی کی چاہ دھیرے دھیرے اکیلا پن بن رہی تھی۔ بہنوں کے گھر میں لاکھ جھگڑے ہوں' ایک محفوظ ہونے کا احساس تو تھا ہی۔ اب اسے ہردم ڈر رہتا تھا۔ راجو یا اسے کچھ ہو جائے تو کون کرے گا دیکھ بھال۔ کیسے سنبھالے گی اکیلے۔ راجو تو ابھی بچہ ہے۔۔ اور سب کو اپنے کاموں ہی سے

فرصت نہیں۔

اس اتوار کو اداس اکیلی گڈو کی آنکھوں سے دن بھر آنسو بہتے رہے۔ نہ پڑھا گیا نہ کچھ کام ہوا۔ راجو سکول سے ایک ٹرپ پر گیا ہوا تھا۔ گیتا کا فون آیا تھا۔ گیتا نے کہا ''مجھے ابھی ابھی پتہ لگا آج تو کرشن جنم اشٹمی ہے' مندر جانا ہے۔ ہاں ضرور میں تو ویسے خالی بیٹھی ہوں پر مندر ہے کہاں؟''

گیتا بولی' ہو سب مجھے معلوم ہے''

گڈو کو اس دن مندر جا کر اچھا لگا۔ سوچنے لگی تھی ہر اتوار کو جایا کرے گی پر کتنے ہی اتوار گزر گئے۔ پانچ دن لگاتار انڈر گراونڈ ٹرین کے دھاڑتے شور کو کر پھر سے چھٹی والے دن اس میں جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ گھپ اندھیرے کو چیرتی ہوئی سب وے ٹریک اپنی دھاڑوں سے زمین کے اندر کی خاموشی کو بھی دھاڑ میں بدل دیتی تھی۔ ایک بار دو سٹیشنوں کے بیچ 45 منٹ اندھیرے میں کھڑی رہی تھی ٹرین۔ بہت گھبراہٹ ہوئی گڈو کو۔ اس دوران دوسرے مسافر خاموش کھڑے یا بیٹھنے والے بیٹھے رہے تھے' کسی نے کسی سے کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھا۔ بس کتاب یا اخبار پر نظر لگائے انتظار کرتے رہے تھے سب۔ ڈرائیور تھوڑی تھوڑی دیر پر مائیک پر اناؤنسمنٹ کر دیتا کہ کسی گڑبڑی کی وجہ سے رکے ہیں ٹرین کے ٹھیک ٹھاک ہوتے ہی چل پڑیں گے کسی گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں ہے۔ لوگ نظر اٹھاتے تو کسی سے نظر ٹکراتے ہی پھر سے کسی اخبار یا رسالے میں ٹکا دیتے۔

جو دھکم دھکی گڈو اپنی اخبار والی جگہ پر کھڑی دیکھا کرتی تھی اب ہو خود اس بھیڑ کا حصہ بن گئی تھی۔ وہ بھی وقت پر پہنچنے کے دباؤ میں موقع لگے تو دھکا دے دیتی تھی تب کچھ شکایتی آوازیں سن پڑتیں کالا آدمی "Don't push " کہتا گورا امریکی کہتا "Please, Excuse Me"۔ گڈو کو ہر صبح ہونے والی یہ نٹک بڑا ہی عجیب لگتا تھا یہاں رہنے والوں کی حالت دیکھ کر۔

جیسا امریکہ میں پہلے سے بسے ہوئے لوگ نئے آنے والوں سے کہہ رہے ہوں ''دیکھئے وہیں باہر ٹھہریئے۔اتنی رنگ نسلوں کے لوگ یہاں آ بسے ہیں کہ ٹرین کے ڈبوں میں نظر گھماتی گڈو ایک ساتھ پندرہ دیسوں کے نمونے دیکھ سکتی تھی۔سب کی الگ سے ایک ایک کی پہچان مشکل تھی کیونکہ پہناوا تو سب امریکی ہی پہنتے ہیں۔ صرف سٹائل میں فرق تھا۔کوئی تو بڑے ہی سلیقے سے سوٹ پینٹ ٹائی میں لیس اور کوئی پیوند لگی جین میں جبکہ ضروری نہیں کہ جین والا کم امیر ہے۔کچھ لڑکیوں کا میک اپ اتنا بولڈ کہ چہرہ بناوٹی ماسک اوڑھے سا لگتا تھا اور کچھ ایک دم بے پرواہ الجھے بالوں میں' اپنے سے بے خبر۔نسلوں اور الگ الگ دلچسپیوں کے Contrast سپینش یا لاطینی امریکی سمجھتے تھے۔ایک بار ایک آدمی نے ہسپانوی زبان میں سوال بھی پوچھا تھا۔دوبار سن کر بھی جب سمجھ نہیں آیا تو گڈو کو اندازہ ہوا۔تب وہ جھٹ بولی' " Indian, not Spanish"

اس اتوار ہمت کر کے چلی ہی گئی مندر۔راجو سے پوچھا اس نے کہا کہ ہوم ورک بہت سارا کرنا ہے۔جب ہو مندر کی گھنٹیاں بجا رہی تھی کہ اس کا ہاتھ کسی اور ہاتھ سے ٹکرایا "Excuse me, Please"۔گڈو کو یہ آواز پہچانی سی لگی۔ ہوسکتا ہے یہ آواز کا پنجابی پن ہو۔آنکھیں ملیں تو ویسا ہی پہچانا سا چہرہ تھا۔

وہ رک نہیں پائی بولی ''نیو یارک میں رہنے والے ہیں یا ہندوستان سے گھومنے آئے ہیں''

''نہیں یہیں پر رہتی ہوں'' اور اسی پل سے بات چیت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔وہ ڈاکٹر ہیں نیو یارک کے ایک ہسپتال کے پیڈ رائیٹک ڈیپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر ہیں۔بیوی بھی ڈاکٹر تھی۔ان کے دو بچے ہیں' ماں بھی ساتھ رہتی تھیں۔یہ لوگ مندر ہی میں آئے ہوئے تھے۔ان کی ماں گڈو کی بی جی سے واقف تھیں۔وہ ایک ہی طرف کے تھے دہلی میں آریا سماج مندر میں بھی ملتے تھے۔ان کی ماں نے بتایا

کہ اس جنوبی ہندوستانی مندر میں وہ کم ہی آتی ہیں۔ شمالی ہندوستانیوں کا یک گیتا مندر ہے جہاں زیادہ گجراتی جاتے ہیں۔ وہ خود زیادہ تر نیویارک کے آریہ سماج میں جاتی ہیں۔ وہاں ہون بھجن کرتی ہیں۔ واپسی پر انہوں نے گڈو کو گھر چھوڑ دیا ڈاکٹر جو نیجا نے گڈو کو اپنا کارڈ دیا ایک دوسرے کارڈ کے پیچھے گڈو کا ٹیلیفون نمبر لکھ لیا۔

نیویارک میں پہلی بار گڈو کو ایس آدمی ملا تھا جس سے انجانے میں ہی دوستی کے تار جیسے بندھ گئے تھے۔ کھلی بات چیت ہوئی جیسے بہت پہلے سے جانتے ہیں۔ بہت خوش تھی گڈو۔

پھر ایک لمبی چپ۔ گڈو نے دو ایک بار گھر پر فون کیا تو شریمتی جی نے اٹھایا۔ ان کی آواز میں کوئی احساس ظاہر نہیں ہوا۔ عام حال چال پوچھنے کی بات چیت ہوئی۔

پھر سے روز کے دھندوں میں کھو گئی گڈو۔ اس کی اکاؤنٹنگ کی پڑھائی شروع ہو گئی تھی۔ صبح نو بجے سے شام پانچ بجے تک سکول میں کام چلتا۔ اس کے بعد ہوم ورک، کھانا، صفائی وغیرہ۔

پینتالیس سال کی عمر میں پھر سے پڑھائی شروع کرنا آسان نہیں تھا، ہندوستانی سسٹم کی وہ عادی تھی۔ سو خاوند کی موت کے بعد بی۔ ٹی، ایم۔ اے اس سے آسانی سے ہو گیا تھا۔ اکاؤنٹنگ اس کیلئے ایک دم نیا موضوع تھا۔ گڈو کو بہت محنت کرنی پڑتی۔ پر خاوند کے جانے کے بعد گڈو میں بھیڑ میں جینے کی خواہش کا نجانے کون سا دیو پیدا ہو گیا تھا۔ جو مار کھا کھا کر بھی لڑنے کیلئے پھر سے اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ اکثر رو دیتی تھی بے بسی پر۔ قسمت کو، رشتہ داروں کو گالیاں دے ڈالتی تھی اور پھر نکل پڑتی تھی اپنی جنگ میں۔ وہاں بھی اب اکیلی تھی یہاں تو اور بھی اکیلی تھی۔ وہاں آڑے وقت میں خاوند کے دوستوں اور بہن بھائیوں کا سہارا تو تھا۔ یہاں بہنیں بھی پرائی ہو گئی تھیں۔۔

اسے یاد آیا، پنشن پراویڈنٹ فنڈ پانے کیلئے سارے کاغذاتی کام اس کے پڑوسی

وکیل بترا نے ہی سنبھال لئے تھے۔ احسان جتانے کی بجائے الٹے وہ کہتے تھے ''ہماری تو خوش قسمتی ہے کہ آپ نے ہمیں کسی کام کے لائق سمجھا''

مسز بترا تو ان سے ناراض ہی رہتی تھی کہ وہ مسز چڈھا ہی کی سیوا میں لگے رہتے ہیں۔ ایک بار انہوں نے گڈو کو سناتے ہوئے کہا تھا ''مہینے بھر سے کہہ رہی ہوں کہ رسوئی کی چھت ٹپک رہی ہے، کسی کو بلا کر لائیں، پر اوروں کے کام سے فرصت ہو تب ناں!

گڈو چپ رہ گئی تھی۔ ایسی باتیں پہلے بھی بہت سن چکی تھی۔ اب وہ پرواہ نہیں کرتی تھی، اب کرتی بھی تو کیا؟۔۔ وکیل صاحب کی اسے بار بار ضرورت پڑتی تھی۔ وہ گڈو سے فیس بھی نہیں لیتے تھے۔ گڈو کو احساس تو تھا کہ وکیل صاحب اس کی طرف کھنچے ہوئے ہیں اور وہ اس کا پورا فائدہ اٹھاتی۔ وکیل صاحب تو یہاں تک کہہ دیتے ''دیکھئے مسز چڈھا امریکہ جا کر ہمیں بھول نہ جائیے گا۔ آپ کہیں تو میں وہاں بھی پہنچ جاؤں گا، آپ کی خدمت کرنے کو۔ پر آپ کیوں بلائیں گی ہمیں وہاں؟''۔

گڈو ہنس کر ایسی باتیں ٹال دیتی تب تو اس کا اپنا یہاں آنے کا پکا نہیں تھا۔ باہر آنے کی امید کی بات کرتے ہی کچھ خاص ہو جاتی تھی۔ وکیل صاحب کی بیوی بھی اسے کہہ لیتی تھی تب۔ امریکہ آ جانے کے بعد انیا، نیما بھی کبھی کبھی چھٹی ہونے پر ان کے ہاں جا کر ٹھہر جاتی تھیں۔

جن دنوں مکان بنوا رہی تھی ان دنوں لائسنس، گیس، مکان کے لئے سیمنٹ کر پرمٹ بنوانے کے سارے کام بترا نے ہی کرائے تھے۔ اور پھر سکول میں پڑھائی کی نوکری کیلئے بی بترا نے ہی اپنے آئی سی ایس آفیسر دوست سے سفارش لگوائی تھی۔ گڈو نے اس سارے رشتے کو کسی طرح کے جسمانی رشتے سے پرے رکھا تھا۔ ایسی نہیں کہ گڈو میں خواہش نہیں اٹھتی تھی۔۔ پر گڈو کے اپنے ورجنا کے سنسکار رہی

اسے راضی نہیں ہونے دیتے تھے۔ گڈو کی آریہ سماجی سنسکاروں والی ماں نے بچپن میں ہی بیٹیوں کو یہ سکھا دیا تھا کہ اپنی جسمانی خواہشوں پر جیت پانا زندگی کی ساری کامیابی ہے۔ اس سے آدمی قابو میں رہتے ہیں اور عزت بھی کرتے ہیں۔ بیٹیاں کسی ان چاہے رستے پر نہ بہک جائیں اس کا ڈر گھر کے چال چلن پر خاصا حاوی تھا۔

شروع ہی سے ویسے انہیں اس مصیبت سے مقابلہ کرنے کیلئے تیار کیا جاتا رہا تھا۔ ہر اتوار گھر پر ہونے والے ہون پر جنس، غصے، لالچ پر قابو پانے کی پرارتھنا کی جاتی تھی۔ جنسی خواہش کے کیچڑ سے بچنے کا نوروودھ ہوتا تھا۔

بی جی کہا کرتی تھیں "یہ دیکھ آدمی بڑے کامی ہوتے ہیں ان کو تو بس ایک ہی چیز چاہئے روز۔ تیرے باپ کا بس چلے تو بڑھاپے میں ہی بچے پیدا کرتا رہے۔ سات تو جن لئے اب دو نہیں رہے تو میرا کیا قصور۔ میری صحت تو انہیں ختم ہو گئی۔ پتہ نہیں کتنی بیماریوں نے جکڑ لیا ہے اس جسم کو۔ تم اپنی صحت کا خیال کرنا۔"

ایک دو عجیب سے ڈر دینے والے حادثے گڈو کے ساتھ پہلے ہی ہو چکے تھے جو وہ بی جی کو بھی بتلا نہیں سکتی تھی۔ بہت بری تھیں وہ باتیں، بی جی پتہ نہیں کیا سوچتیں۔ پتہ نہیں کتنی بڑی تھی تب، شاید سات آٹھ برس کی سارے بچے کوکلا چھپا کی کا کھیل رہے تھے۔ ایک سہیلی کے پتا کا کام تھا ایک بچے کی تب تک آنکھیں بند کر کے رکھنا جب تک دوسرے بچے اپنی اپنی چھپنے کی جگہ ڈھونڈ کر آواز نہیں دیتے تھے۔ چام کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ پچھواڑے والے باغیچے میں گڈو بھی اپنی باری پر آنکھیں بند کروانے اس انکل کی گودی میں بیٹھ گئی۔ انکل نے ایک ہاتھ کو اس کی آنکھوں میں پھیلاتے ہوئے دوسرا اس کے جانگیے میں ڈال دیا تھا۔ وہ ہاتھ جانگیے میں کچھ محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گڈو اٹھنے کو ہوئی تھی پر ہاتھ کے بوجھ نے اسے واپس بٹھا دیا تھا۔ دوسری کوشش میں اس نے پوری طاقت لگائی اور بھاگ کھڑی

ہوئی۔ شام کا دھندلکا کالے اندھیرے جیسا ڈراونا لگا۔ وہ کسی کو ڈھونڈنے نہیں گئی۔ وہ بھول ہی گئی کہ کوئی کھیل چل رہا تھا۔ گھر پہنچ کر کچھ دیر گم سم دہلیز پر بیٹھی رہی تھی۔ بس اتنا ہی یاد تھا اسے۔۔

پھر دو تین سال بعد کی بات ہے۔ پڑوسیوں کا لڑکا بلو اور وہ ایک ساتھ پینگ جھولا کرتے تھے۔ ایک بار اسے جانگئے کے اوپر سے کچھ موٹا نرم سا دباؤ محسوس ہوا تھا۔

جھٹ سے پیر زمین سے ٹکرایا' پینگ روک لی تھی اور اتر پڑی تھی وہ جھولے سے اور بولی تھی ''مجھے نہیں کھیلنا تیرے ساتھ' تو گندا ہے۔''

ڈری بھی تھی کہ کچھ بیماری تو نہیں ہو جائے گی۔ اسے جب ماہواری شروع ہوئی تھی تو پہلا شک کسی خطرناک بیماری کا ہوا تھا۔ خون سے بھیگے چیتھڑے اس نے ایک دو بار غسل خانے میں دیکھے تھے اور سوچا کرتی تھی ماں کو کوئی خطرناک بیماری لگی ہوئی ہے۔

جوان ہو رہی گڈو نے اپنی ہر طرح کی خواہشوں کو رسوں سے کس کر باندھ رکھا تھا۔ شادی کے بعد اس کا وہی رخ تھا۔۔ اپنی سہیلیوں میں اس نے دیکھا بھی تھا کہ شادی کے کچھ سالوں کے بعد انہیں کوئی نہ کوئی روگ کی شکایت رہتی تھی۔ موٹی تھلتھلی تو وہ ہو رہی تھیں۔ گڈو کو شادی کے بعد کمر میں بھی درد ہوتا تو وہ سوچتی اس نے ایسی کوئی زیادتی کر لی ہے اپنے جسم کے ساتھ۔ اپنے خاوند سے کہتی ''آج ہاتھ مت لگانا' روز روز ایک ہی بات' تم تو مجھے بیمار کر کے چھوڑو گے۔''

خاوند نے کبھی لاڈ۔ چاؤ اور کبھی زور زبردستی سے گڈو کا ایسا رخ کچھ نرما دیا تھا۔ جسمانی رشتے کا سکھ لینا گڈو نے اپنے خاوند سے ہی سیکھا تھا۔ اس کی خواہش دھیرے دھیرے خود بخود پگھلتی جا رہی تھیں۔ بعد مین کبھی وہ خود بھی خواہش ظاہر کرتی تو وہ چھیڑتے ''کیا سے کیا ہو جاتے ہیں لوگ۔ مجھے نہیں پسند گندا کام ہے اور

اب؟ تم پنجابی لڑکیاں جتنی رومانٹک ہوتی ہو اتنی ہی گرم بھی۔ ایک بار بھاکڑا بند ٹوٹے تو دیکھو کیسے سیلاب باہر نکلتا ہے۔''

ایک بار اس کی ٹانگوں کو سہلاتے ہوئے بول پڑے تھے ''کہیں سنا تھا کہ لڑکیوں کی ٹانگوں پر بالوں کا رشتہ ان کے اندام نہانی سے ہوتا ہے۔ تبھی تم میں کوٹ کوٹ کر بھرا رس جتنا کستی ہو اتنا ہی اڈتا ہے۔

چ کے بعد پھر سے جکڑ لی تھی ساری اڈن۔ من یونہی الجھا رہتا تھا۔ من کے ڈر اور سماج کے ڈروں نے سیمنٹ کی پکی دیواروں سے دھار کو روکا ہوا تھا۔ ایک بار بترا کے ساتھ کار میں جاتے ہوئے جب گڈو کی جانگ پر ہاتھ رکھا تو گڈو نے انہیں روکتے ہوئے کہا تھا ''پلیز مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا''۔

تب بترا نے کہا تھا ''ٹھیک ہے جب تک تم نہیں چاہو گی چھوؤں گا بھی نہیں'' یہ کہنے کے باوجود ان کا ہاتھ کبھی کبھار ادھر ادھر لگ ہی جاتا۔ کبھی جانگ، کبھی کندھوں اور کبھی کندھوں سے پھسل کر چھاتیوں پر۔

جب وہ امریکہ کیلئے چلنے والی تھی، ان دنوں بھی ایک ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔ بترا کے ساتھ ایک ریستوران میں بیٹھے کافی پیتے باتیں ہو رہی تھیں۔ بترا کا بہت من تھا گڈو کو بانہوں میں بھرنے کا۔ وہ گڈو کو وچن دے چکے تھے۔ ہاتھ تک نہ لگانے کا۔ اس لئے ہمت نہیں جتا پائے۔ گڈو اس بات سے ناراض ہو گئی تو ہمیشہ کیلئے رشتہ ٹوٹ بھی تو سکتا تھا، بے چین اپنے پر قابو پائے بیٹھے رہے تھے۔ پھر دھیرے سے بولے ''تم مجھے وہاں کا بس ایک بال دے دو گی؟''

گڈو کے پورے جسم میں جیسے سانپ سرسرا کر نکل گیا تھا۔ چپ چاپ بیٹھے بس محسوس کرتی رہی تھی۔ اس کے بعد وہ بترا سے مل نہیں پائی۔ اگلے دن دہلی کے لئے روانہ ہونا تھا۔

اس دن گڈو بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ راجو کو ایک سو تین بخار تھا۔ وہ کسی طرح سے

جونیجا سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔ گڈو کے گھر سے کچھ دور ہسپتال بھی تھا۔ پر اسے لگتا تھا کہ ڈاکٹر جونیجا سے بات کر کے ہی تسلی ہو گی۔ فون ملایا اس بار ڈاکٹر جونیجا نے ہی اٹھایا تھا۔ ادھر سے آواز آئی۔ ''ڈاکٹر جونیجا سپیکنگ''

گڈو بولی ''معاف کیجئے گا' بہت پریشانی کی حالت میں فون کر رہی ہوں' میرا بیٹا راجو۔۔'' بیچ میں ہی کاٹ دیا گیا تھا آواز کو۔

''کون مسز چڈھا بول رہی ہیں' آپ تو غائب ہی ہو گئیں''

پہچان لیا ڈاکٹر جونیجا نے۔ گڈو کی آنکھیں اس الجھی حالت میں بھی چمک گئیں۔ ڈاکٹر جونیجا نے فون پر ہی راجو کا حال سن کر دوائی بتا دی تھی'' اتنے بخار میں اس کو یہاں لانا مناسب نہیں۔'' اگر اس دوائی سے بخار نیچے نہیں ہوا تو بتانا ہو گا۔ راجو ٹھیک ہو گیا تو دوبارہ فون کی اتھا گڈو نے۔ ''ڈھیر سارا شکریہ آپ کا۔ آپ نے فون سے ہی درست کر دیا اسے'' جونیجا بولے ''نہیں یہ کوئی بڑی بات نہیں ساری علامتیں فلو کی تھیں۔ اس لئے اسے یہاں بلانا ٹھیک نہیں سمجھا۔ فلو تو اپنا وقت لے کر ٹھیک ہو ہی جاتا ہے۔ داد تو آپ کو دینی چاہئے جو راجو کی تکلیف اچھی طرح سے بیان کر دی''

''تب تو ڈاکٹر مجھی کو ہی ہونا چاہئے تھا''

''ڈاکٹر یا مریض؟''

دونوں ہنس پڑے تھے ''اچھا اب آپ ضرور کبھی ہمارے گھر آیئے گا۔ راجو بھی اپنے ڈاکٹر سے ملنا چاہتا ہے''

''ضرور آپ حکم کیجئے بندہ حاضر ہو جائے گا''

پر گڈو ابھی کہاں کسی کو بلانے کا دم رکھتی تھی۔ اس پرانے سیلی بیسمنٹ میں اس کے اپنے رہنے کو ہو جائے' یہی بہت تھا۔

کچھ دن بعد ڈاکٹر جونیجا کا ہی فون آیا تھا۔ کھل گئی تھی گڈو۔ تو ڈاکٹر جونیجا بھی

اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ ابھی بھی وہ کھینچ سکتی ہے اور وہ بھی ڈاکٹر جونیجا جیسے آدمی جس کے پاس عہدہ تھا' پیسہ تھا جس سے ہزار طرح کے کام نکل سکتے تھے' خاص طور پر ڈاکٹری پڑھنے والی اس کی لڑکی کو اس پیشے میں آگے بڑھنے کیلئے جونیجا مددگار ہوسکتا ہے۔

گڈو کا وشواس پھر سے لوٹ رہا تھا' ورنہ جب سے نیویارک آئی تھی ایک بوڑھے کے سوا اس کی شخصیت میں دلچسپی لینے والا کوئی اور آدمی اسے نہیں ملا تھا۔۔ گدو سوچتی کہ ایسا شاید اس کے امریکی لباس کی وجہ سے تھا۔ سکرٹ یا پینٹ میں اس کا بھرا بھرا سا جسم اتنا اچھا نہیں تھا۔ اگر اپنے سپروائزر کا ڈر نہ ہوتا تو چاہے ساڑھی پہن کر ہی درتر جاتی۔ اسے معلوم تھا' کہ وہ سب سے زیادہ ساڑھی میں ہی جچتی ہے۔ جونیجا نے اسے ساڑھی میں ہی دیکھا تھا۔ اس دن اس نے سفون کی ایمرلڈ گرین ساڑھی پہن رکھی تھی۔ یہ رنگ اس کے جسم پر خوب کھلتا تھا۔ جونیجا کو وہ ضرور بھائی ہوگی۔ ''آپ ہفتہ کو گھر آیئے جونیجا کہہ رہا تھا۔

''ارے یہ بڑھیا بات ہے لیکن میں اکیلی رات کو تو''

''بس آجایئے واپس چھوڑنا میرا کام ہے۔''

جونیجا نے شہر سے دور ہریالی سے گھری امیروں کی ایک بستی میں گھر لیا تھا۔ گڈو بس سے گئی تھی۔ سٹیشن سے جونیجا کا بیٹا کار سے اسے لے گیا تھا۔ گھر کی ہر چیز میں نیا پن تھا۔ لونگ میں ہلکے سلیٹی رنگ کی وال ٹو وال کارپیٹنگ تھی۔ وائن رنگ ویلوٹ کے صوفے۔ وائن اور ہلکے سلیٹی رنگ کا کنٹراسٹ بھلا لگا تھا گڈو کو۔ بیچوں بیچ شیشے کی میز پر جانوروں کی شکل کے قیمتی کرسٹل' دیواروں پر کمرے کے کلر سے میل کھاتی پینٹنگز' شیلف پر سپینش فگرین' شیشے کی کھڑکیوں کے پاس رکھے اونچے اونچے پام کے پودے چکا چوند کر رہے تھے گڈو کو۔ تو یہی ہے اس دیش میں کامیابی کا سکھ سپنا۔

مہمانوں کی باتوں سے گڈو کو اندازہ لگ گیا تھا کہ جونیجا خاندان ابھی ابھی اس گھر میں آیا تھا۔ پہلا گھر اس گھر سے کچھ چھوٹا اور معمولی تھا۔ جونیجا کی پتنی بڑے چاؤ سے مہمانوں کو پورا گھر دکھا رہی تھیں۔

ہر بیڈ روم الگ الگ رنگ کا تھا۔ بیٹا کے سارے فرنیچر' دیواروں اور پردوں کا رنگ گلابی تھا' بستر پر تنا چھتر ایک دم پریوں کے دیس میں پہنچا دیتا تھا۔ بیٹے کا کمرہ ہلکا نیلا' نیلی دھاریوں والے پردے' ساگر کا نیلا پن لئے پورسیلین سیپا کا ٹیبل لیمپ اور نیلا ہی قالین بھی تھا۔ جونیجا کی دھرم پتنی کے کمرے میں سبھی کچھ لیونڈر رنگ۔ ڈریسنگ ٹیبل پر جامنی اور موو رنگوں کے پھولوں کا گلدستہ بھی سجا تھا۔ گڈو نے ایسے صرف تصویروں میں ہی دیکھے تھے۔ باتھ روم میں بھی بڑا سا موو رنگ کا ٹب اور ٹائلز ایک شاہی غسل خانے جیسا نظر آ رہا تھا۔

گڈو بت چھوٹ محسوس کر رہی تھی اس پرائی امارت کے سامنے۔ جونیجا کی بیوی کی آنکھوں میں تکبر اسے چبھ رہا تھا۔ گھر دکھانے کی رسم کے پوری ہونے پر وہ لیونگ روم میں آ کر صوفے کے کونے میں دبک گئی۔ سارے آدمی ایک گروپ سا بنائے بار کے پاس شراب پی رہے تھے۔ عورتوں کا ایک ایک گروپ بنا ہوا تھا۔ ہاں سبھی نئی سے نئی خرید وفروخت کی چرچا کر رہی تھیں۔ گڈو کے پاس کچھ بھی نہیں تھا دکھانے کو نہ گھر نہ نوکری۔ تھا ماضی جواب ایک بوجھ تھا' جس کو ڈھوئے کسی طرح گھسیٹ رہی تھی اور شرمناک حالت بنی ہوئی تھی۔ وہ جی رہی تھی تو مستقبل میں جہاں وہ اپنے بچوں کو ایسے ہی کسی سکھ کی دنیا میں دیکھنا چاہتی تھی اور اس کیلئے خواہش کرتی تھی۔ مستقبل کی جنت ماضی کی جنت سے زیادہ دلفریب تھی۔۔ ''وہ بھی ہوں گے دلکش اور حسین زندگی کے مالک' ایسے ہی ہوں گے محل جیسے گھر'' پل بھر میں سارے مہمان غائب ہو گئے تھے اور گڈو رہی تھی انیا تینما کو۔ کوئی ان جان سے چہرے والی راجو کی بہو تھی۔

واپسی پر جونیجا ہی گڈو کو چھوڑنے آئے تھے' گھر دور تھا پر اتنی رات گئے گڈو کو اکیلا بس سے بھیجنے پر راضی نہیں تھے۔

''پارٹی کیسی لگی؟'' جونیجا کے اتنے سے سوال کا جواب دینے کیلئے گڈو کو ساری چوٹیں' محرومیاں اور زندگی کے شکوے اس کی زبان پر آ گئے۔ ٹھاٹھ دار بنگلوں سے اکثر خاوند سے گزرا ہوا وقت اور خاوند کی موت کے بعد کی اکیلی زندگی' امریکہ آنا' سبھی کچھ بتاتی چلی گئی۔ بیسمنٹ کے اپارٹمنٹ میں رہنے کی بات پھر بھی نہیں کہہ سکی تھی۔۔

پچھلی بار کی طرح گڈو اب بھی گھر آنے سے پہلے موڑ پر اترنا چاہتی تھی مگر مروت کیلئے گھر آنے کو کہنا ہی پڑتا۔ پر گدو ایسے کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ پر جونیجا نہیں مانے۔

''آج تو آپ کو ڈور ٹو ڈور سروس دینی ہے۔ رات کا ایک بجا ہے' موڑ پر کیسے چھوڑ دیں؟'' گاڑی گھر پر رکی تو ہلکے سے گڈو کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے بولے

" Hope to see you soon"

گڈو کے سارے جسم میں کپکپی دوڑ گئی۔ سالوں بعد کسی چاہے ہوئے شخص کا لمس ملا تھا' کچھ پل کیلئے وہ یونہی بیٹھی رہ گئی۔ ہوش آتے ہی جھٹ سے گاڑی کا درواہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ ہڑبڑاہٹ میں دروازے کا کنڈا ہی اس کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ کبھی گاڑی کا شیشہ کھل جاتا تو کبھی صحیح کنڈے پر ہاتھ بھی جاتا' تو اسے چلانے نہیں آتا تھا اور نروس ہوتی ہوئی بولی ''یہاں ہر کار کا دروازہ کھولنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے؟''۔

''لایئے میں کھولتا ہوں''

جونیجا نے اپنی سیٹ پر بیٹھے ہی اپنا ہاتھ گڈو کی طرف کے دروازے کی طرف بڑھایا۔ جونیجا کے جسم کا اوپر والا حصہ گڈو کے جسم سے ٹکرایا۔ آفٹر شیو کی بھینی سی خوشبو

گڈو کے نتھنوں نے محسوس کی۔'' ''لیجئے کھل گیا''

سن ہوئی گڈو ہلکے سے شکریہ کہہ کر گاڑی سے باہر ہوگئی۔ جو نیجا نے ہاتھ ہلایا تو اس نے بھی ہلا دیا اور تب تک پٹری پر ہی کھڑی رہی جب تک گاڑی اوجھل نہیں ہو گئی۔

اس نے آس پاس دیکھا کہ سب ایکدم سویا تھا۔ سڑک پر بتیاں چپ چاپ ٹمٹما رہی تھیں۔ سامنے ہائی وے پر ابھی بھی سراٹے سے نکلتی گاڑیوں شور تھا۔ راجو کہیں جاگ نہ جائے اس ڈر سے گھنٹی نہیں بجائی تھی۔ چابی سے دروازہ کھول کر اندر گھسی تو دیکھا راجو ابھی بھی ٹیلیویژن کے سامنے ادھ سویا' سا بیٹھا تھا۔ کمرے میں آتے ہی ہو گڈو کے پاس آیا ''اتنا لیٹ کیوں کر دیا ممی۔''

راجو کی شکایت میں اس کی گھبراہٹ اور فکر گڈو سے چھپی نہیں رہی۔ اسے افسوس ہوا۔ پہلے کبھی راجو کو اتنی رات گئے تک اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ تو بے حد ڈر رہا ہو گا۔ راجو بارہ برس کا تو ہو چکا تھا' اس لئے بے بی سیٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے بھی گڈو کی مالی حالت بے بی سیٹر رکھنے کے قابل نہیں تھی۔ گڈو کو اچانک بندش کا جیسے نیا احساس ہوا۔ اس کی زندگی صرف اسی کی نہیں ہے۔ اس نے جونیجا کے خیالات کو دماغ سے زور سے جھٹکا ''اونہہ' ایک پارٹی کیلئے راجو کا رسک۔ کچھ ہو جاتا تو؟ ایسا کبھی نہیں کرے گی وہ۔ راجو کو ساتھ ہی کیوں نہیں لے گئی؟ انہوں نے نہیں کہا تھا تو وہ خود پوچھ لیتی۔ راجو کا یوں بھی گھر پر کھیلنے والا کوئی دوست نہیں۔ گھر سے سکول اور سکول سے گھر۔ بس یہی روٹین ہے۔ گھر پر یا پڑھتا رہتا ہے یا ٹیلیویژن دیکھتا ہے۔ ٹیلیویژن بھی تو پرانا سڑا سا پڑوسیوں کا پھینکا ہوا تھا۔ تصویر بھی تو صاف نہی آتی تھی۔ ایک نارمل بچے کی طرح تھوڑا ہی پل رہا ہے راجو۔ آس پاس کھیلنے کی جگہ نہیں اور گھر بھی تو گھر جیسا نہیں۔ وہاں چنڈی گڑھ میں گھر آتے ہی بستہ پھینک دوستوں کے ساتھ کھیلنے کو نکل جایا کرتا تھا۔ ناشتے کیلئے رکنے کو بھی تیار نہیں ہوتا تھا۔

لیکن یہاں آتے ہی ٹیلیویژن کھول کر بیٹھ جاتا ہے اور اس دوران ساتھ ساتھ اس کا ہوم سوک اور پڑھائی چلتی رہتی ہے۔ درمیان میں اسے گیند کھیلنے کا شوق پڑا تھا ایک دن جب بلب پر گیند لگی اور فرش پر شیشے کے ٹکڑے بکھر گئے تو گڈو ناراض ہوئی تھی ''گھر پر تھوڑا ہی گیند سے کھیلا جاتا ہے باہر جا کر کھیلو'' باہر تو نہ گیا اور راجو نے نہ جانا تھا۔ اس کا یہ کھیل بھی بند ہو گیا۔ راجو کی اپنی نرالی دنیا بنتی جا رہی تھی۔ ٹیلیویژن اور کتابیں یہی دو اس کی ساتھی رہ گئے تھے۔ گڈو خود سکول' سوداگیری' صفائی' کھانا اور دیگر کاموں کے سلسلے میں اتنا پھنسی ہوئی تھی کہ وہ خود بھی راجو کو اتنا وقت نہیں دے پاتی تھی۔ راجو کبھی کبھی موڈ میں آ کر گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹا دیتا تھا۔ اکثر گڈو جب تھکن اور سستی محسوس کر رہی ہوتی تو فاجو ماں کو چائے پلاتا۔ گڈو کو ٹی بیگ کی چائے قطعی پسند نہیں تھی۔ روز صبح صبح ڈھنگ کی کیتلی میں بنی چائے پیے بغیر اس سے کوئی کام شروع نہیں ہو پایا تھا۔ برسوں کی لت تھی۔۔ کیتلی والی چائے کا رواج ہی نہیں تھا۔ یہاں ٹی۔ بیگ اور گرم پانی اور وہ بھی لیموں کے ساتھ۔ یہ بھی کوئی چائے ہے!

اس ساری رات گڈو ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی۔ گھر یاد آتا رہا تھا۔ گھر جواب کہیں نہیں تھا۔ بیٹیاں ہاسٹل میں' راجو اور وہ پردیس میں' پتی کسی اور دنیا میں اور مکان کرائے پر۔

تینما کا خط آیا تھا۔۔ پچھلے دو مہینوں سے کرایہ داروں نے کرایہ نہیں بھیجا۔ اس سال کالج کی فیس ابھی تک نہیں دی۔ یا تو ممی منی آرڈر کر دو یا کرایہ داروں کو خط لکھ دو۔ انیا پچھلے اتوار ملنے آئی تھی۔ اس نے بھی بترا انکل سے ادھار لیا ہے۔ خط کے آخر تک پہنچتے پہنچتے گڈو کو اس میں ہلکی سی اداسی کی جھلک ملی تھی۔۔ ممی' میڈیکل کی پڑھائی' بس صبح سے شام تک لگی رہتی

ہے ۔۔ پر جونہی فارغ ہوتی ہوں آپ کی اور راجو کی بہت یاد آتی ہے ۔ انیما‘ بڑے ماما جی اور رجترا انکل جب ملنے آتے ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے ۔ ممی میرا بہت جی چاہتا ہے آپ کے پاس آنے کو ۔ پوری پڑھائی ختم ہونے میں تو ابھی تین سال اور سال اور لگ جائیں ۔۔ کیا میں ایک بار آپ سے ملنے نہیں آسکوں گی؟ کیا آپ میرا ٹکٹ بھیج سکیں گی؟ انیم اکے ساتھ بھی تو آسکتی ہوں ۔۔ ‘‘

گڈو کا من بہت آگے دوڑنے لگا تھا ۔ اگلے سال گرمیوں تک اس کی اکاؤنٹنگ کی پڑھائی ختم ہو جائے گی ۔ تب وہ تینما کو بلا سکے گی ۔ اس ک دل بیٹیوں کیلئے ڈھیر سارے پیار سے اُمڈ آیا تھا ۔

اگلے دن اتوار تھا ۔ رات بھر ٹھیک سے نہ سونے کی وجہ سے دن میں بھی سستی سی رہی تھی ۔ گڈو کو اتوار کو لانڈری کرنی ہوتی ہے ۔ سامنے کی عمارت کے بیسمنٹ میں کپڑے دھونے کی مشینیں لگی ہوئیں ہیں‘ وہیں سکے ڈال کر مشینیں چلائی جاتی ہیں ۔ بڑی مشکل سے ٹوکریوں میں کپڑے بھرے اور مشینوں میں ڈال کر وہیں اس عمارت کے بیسمنٹ میں ہی بیٹھ کر ان کے دھلنے کا انتظار کرتی رہی ۔ چالیس پینتالیس منٹ ہاتھ پر ہاتھ دھرے سوچتی رہی‘ کبھی بیٹیاں‘ کبھی راجو اور کبھی جو نیجا کے بارے میں ۔ ڈرائر میں کپڑے سکھا کر جب دو دھائی گھنٹے کے بعد گھر کے اند آئی تو دیکھا راجو ٹیلیویژن دیکھ رہا تھا ۔ وہ اس رو کنے لگی ۔ کپڑوں کا گٹھڑ بستر پر رکھ کر وہ ٹی ۔ وی بند کرنے کو ہوئی کہ رک گئی ۔ اس وقت وہ راجو کو ٹی وی بند کرنے کے عوض کیا دے سکتی ہے ۔ وہ خود کپڑے دھو کر لوٹی ہے اب وہ چائے پیئے گی اور کھانا بنائے گی راجو کا ٹی وی بند کر دے گی تو اس کا بدل کیا ہے؟ وہ کھیلے گا بھی تو ٹی وی گیم اور اونچا سے اونچا سکور بنانے کیلئے بار بار کھیلے گا ۔ جس گیم میں وہ اونچا سکور

پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر دوبارہ اسے نہیں کھیلتا۔تب وہ کہنے لگتا ہے ممی''

" Bored With This game" ایک نئی گیم آئی ہے' ڈنگی کانگ۔''ٹی وی کے اشتہارات میں بڑا دلچسپ لگتا ہے'لا دو گی؟

اور گڈو اپنی کسی نجی ضرورت میں کٹوتی کر کے راجو کی ضرورت پوری کرتی ہے۔

''ممی میں بتانا بھول ہی گیا۔''

''کیا؟''

''انکل جونیجا کا فون آیا تھا۔''

''دیکھا ناں تم ٹی وی کے چکر میں ضروری پیغام بھی بھول گئے ہو''

''ایسا کوئی خاص پیغام نہیں تھا''

''پھر بھی۔۔کچھ تو ہوگا؟۔''

''ٹھیک ہے'' کہہ کر گڈو نے من میں آتی ہوئی لہر کو دبا دیا۔ٹھیک ہے ابھی نہیں کرے گی فون۔شاید وہی دوبارہ کریں۔

گڈو کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ گھنٹے بھر بعد جونیجا کا پھر فون آیا۔ ''آپ اپنا سکارف رات میری گاڑی میں ہی بھول گئی تھیں۔اب یا تو مجھے پہنچانے آنا ہوگا یا آپ آئیں گی'' گڈو چاہتے ہوئے بھی اتنی جلدی دوبارہ نہیں ملنا چاہتی تھی''اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ جب بھی ملیں گے لے لوں گی''

''جیسے آپ کی مرضی۔ورنہ کہتے تو میں پہنچا دیتا ہوں''

''نہیں'نہیں بالکل تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں''

''چلئے پھر جیسا آپ کہیں'' جو نیجا کے دل میں ہلکی سی نا امیدی جھلکی تھی۔ گڈو کو اچھا لگا۔

گیتا کا فون تھا۔'' اگلے ہفتے دیوالی پڑ رہی ہے۔ اتوار کو سب کو چھٹی ہو تی۔تبھی منانے کا سوچ رہے ہیں۔ تیرے اور پنکی کے علاوہ کچھ دوستوں کو بھی بلایا ہے۔ سب ایک ایک چیز بنا کر لا رہے ہیں''

''میں بھی کچھ بنا کر لے آؤں؟ جلیبیاں یاد آ گئیں مجھے دیوالی کے نام سے''

''آتی ہیں جلیبیاں بنانیں؟''

''ہاں سیکھی تو ہوئی ہیں۔ پر برسوں سے بنائی نہیں۔ اب اسی بہانے کوشش کروں گی۔''

''ذرا وقت لے کر آنا۔ کھانے کے بعد یہ لوگ جوا کھیلنے کا سوچ رہے ہیں۔''

گڈو اتوار کو ہی اصلی دیوالی مان کر دن بھر گھر کی صفائی کرتی رہی، لکشمی کو بلانے کیلئے۔ خوب محنت سے اس نے ڈھیر ساری جلیبیاں بنائیں۔ شکل سے تھوڑی سی ٹیڑھی میڑھی ہو گئی تھیں، پر سواد میں برصیا تھیں۔ گیتا کے گھر جانے سے پہلے اس نے اپنے گھر میں پوجا کی تھی۔ لکشمی کی تصویر ہمیشہ ہی اپنے پاس رکھتی تھی۔ مگر گھر کے اند دیئے جلانے کیلئے جگہ نہیں تھی، نہ ہی کوئی چاردیواری اور نہ ہی تلسی چورا۔ کھڑکیاں بھی نہیں تھی۔ پوجا کی تھالی میں ہی اس نے ساری موم بتیاں اور آٹے کا دیا رکھ دیا ایک موم بتی سینک میں نل کے پاس رکھ دی تھی۔

گیتا کے گھر جانے کیلئے راجو اور گڈو جب باہر نکلے تو انہیں بہت سونا سا لگ رہا تھا۔ روز کی طرح نیون بتیوں کی روشنی کے کھمبے جوں کے توں کھڑے تھے۔ نہ دیئے، نہ مٹھائیوں کی سجی دکانیں، نہ پھلجھڑیاں، نہ آتش بازی۔ یہ دیوالی گڈو کو

بہت اداس کر گئی۔

ایسا تو نہیں کہ دیوالی یہاں ہوتی ہی نہ ہو۔ 4 جولائی کو جب آزادی کا دن منایا جاتا ہے تو پٹاخوں کے دھماکوں سے سارا شہر گونج اٹھتا ہے۔ شام کے جھٹپٹے اندھیرے میں جب آسمان مین رنگ برنگے گلدستے بناتی اور سونے کی کنیوں کی بوچھاڑ کرتی آتش بازی وہاں چھوڑی جاتی ہے تو پورا شہر جیسے کھلکھلاتا سا دکھائی دیتا ہے۔ سارے لوگ گھروں سے باہر نکل کر بس وہیں جمع ہو جاتے ہیں جہاں روشنیوں کا یہ میلہ لگتا ہے۔ وہ بھی گئی تھی بیٹری پارک۔ اٹلانٹک سمندر میں بنے ''سٹیچو آف لبرٹی'' کے آس پاس تیرتی ناؤں میں سے یہ آتش بازیاں چھوڑی جاتی ہیں۔ پر کسی طرح کی اندرونی خوشی گڈو کو اپنے اندر محسوس نہیں ہوئی۔ اندر کچھ نہیں ہوتا بس وہ ایک نمائش بین بنی رہتی تھی۔

گیتا کے اپارٹمنٹ میں خوب رونق لگی ہوئی تھی۔ زری کے چوڑے کنارے والی نیلی بنارسی ساڑھی میں گیتا کھلی کھلی سی لگ رہی تھی۔ چہرے کا بناؤ سنگھار بھی بڑے چاؤ سے کیا گیا تھا۔ کانوں میں فیروزے سے جڑے سونے کے جھمکے' نیلی ساڑھی کے ساتھ خوب پھب رہے تھے۔ من ہی من میں گڈو نے سوچا' گیتا خوبصورت لگتی ہے۔ ابھی بھی جسم ویسا ہی دبلا ہے جیسا کہ شادی سے پہلے تھا۔ آنکھوں کے نیچے گڑھے اور چہرے پر ہلکی ہلکی سی لکیریں نظر آنے لگی تھیں۔ جو آج میک اپ کی تہوں میں کم نظر آ رہی تھیں۔

رادھیکا اور کینکا بھی سلک کے کرتے پاجامے میں خوب پھب رہی تھیں۔ کینکا کا سکول کا آخری سال تھا۔ رادھیکا ابھی نویں میں ہی تھی۔ پر دونوں خوب جوان لگ رہی تھیں۔ پنکی سے نظر ملتے ہی گڈو نے آنکھیں دوسری طرف گھما لی تھیں۔ گڈو کے کان گرم ہو رہے تھے اور پیٹ میں عجیب طرح کی کھلبلی مچ گئی تھی۔ اس دوران دونوں نے ایک دوسرے سے فون پر بھی بات چیت نہیں

کی تھی۔ جو کچھ ایک دوسرے تک پہنچانا بھی ہوتا تو وہ گیتا کے ذریعے پہنچا دیا جاتا تھا۔ کاموں میں لگی گیتا نے پہلے دھیان ہی نہیں دیا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے آنکھ بچا رہی تھیں۔ پر جب دونوں کے چہرے کا تناؤ اس نے بھانپا تا الگ الگ دونوں کو کمرے میں آنے کو کہا۔ پنکی اور گڈو کو اپنی بانہوں میں سمیٹ ایک دوسرے کے قریب لا کر گیتا بولی ''دیوالی والے دن سب گلے شکوے ختم۔''

دونوں بہنیں گلے مل کر رو پڑی تھیں۔ کتنا پیار تھا دونوں میں۔ اب ایک ہی شہر میں رہ کر بھی ایک دوسرے سے بات تک نہیں کی تھی۔ گڈو کو ایسا لگا جیسے اس کی چھاتی پر سے چٹان اٹھا لی گئی ہے۔ بڑا ہلکا اور تندرست محسوس کیا اس نے۔ پھر باتوں کا لمبا سلسلہ چل پڑا پچھلے دو ڈھائی برسوں کا حساب بھی چکانا تھا۔ باقی مہمان Living میں تھے۔ گیتا کو اب دونوں کو الگ الگ کرنا تھا۔ ''اتنے اور لوگ بھی آئے ہیں' ان سے بھی بات کرو۔ چلو باہر آ جاؤ جلدی سے پوجا کر لیں ورنہ کھانے میں بہت دیر ہو جائے گی۔''

بیٹھک کے ایک سرے میں ہی چادر بچھا کر لکشمی' گنیش' رام لکشمن' سیتا کی تصویریں اور بت رکھ دیئے گئے تھے۔ ایک بڑے تھال میں پھلیاں' بھٹے' گنا' پھل' ناریل اور مٹھائی سجا کر بتوں کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ ایک چھوٹی سی چاندی کی تھالی میں گیتا نے آٹے کا دیا' اور چاندی کے بی جی کے دیئے ہوئے دس دس سکے دیوالی پر لکشمی پوجا کے لئے رکھے تھے۔ بی جی نے تینوں بہنوں کو برٹش راج کے چاندی کے دس دس سکے دیوالی پر لکشمی کی پوجا کیلئے دیئے تھے وہ خود ہر دیوالی پر دیوار پر گنیش اور گائتری منتر لکھ کر دودھ اور کیسر کے امرت سے لکشمی کی پوجا کرتی تھیں۔۔ یہ چاندی کے روپے خود ہی لکشمی تھے۔ رات بھر یہ چاندی کے روپے پوجا کی تھالی میں پڑے رہتے۔ اگلی صبح کو انہیں پونچھ' پوٹلی میں باندھ بڑے سے کالے ٹرنک میں

کپڑوں کی تہہ میں چھپا دیتی تھیں ۔ اس ٹرنک پر ہمیشہ تالا پڑا رہتا تھا۔ ماں کا یہ ٹرنک گڈو کو کوئی طلسم یا خزانہ معلوم ہوتا تھا۔ جب کبھی انہیں کھولتا دیکھتی تو پاس جا کر اکڑوں بیٹھ جاتی تھی ۔ ریشمی سوتوں اور ساڑھیوں کی تہوں میں سے جھانکتی کتنی ہی پوٹلیاں گڈو کی لالچ بھری آنکھوں کو نچانے لگتی ۔ بی جی ہاتھ لگانے پر تو ڈانٹ ہی دیتی تھیں ۔ پھر اپنے آپ سے کوئی پوٹلی کھول کر اسے دکھانے لگتیں ۔

''سچے موتی ہیں یہ مدارس سے لائے تھے تیرے باپو ۔ تیری شادی میں اس کی مالا بنوا کر دوں گی''

اس کے بعد تو پوٹلیاں کھلتی جاتی تھیں ۔ بی جی کو بھی بڑا مزہ آتا اپنی بھان متی کا پٹرا کھلنے اور سمیٹنے میں ۔ انہوں نے کتنی ہی چیزیں بیٹیوں کے جہیز کیلئے سنبھال کر رکھی تھیں ۔ دریاں تھیں' کڑھائی والے میز پوش' چادریں' بیڈ کور' چاندی کی تھالیاں' سونے کے گہنے ۔ جب جیسا موقعہ لگتا ۔

گڈو نے کئی بار پتا جی کو کہتے سنا تھا ''گھر میں چاہے کچھ ہو نہ ہو بیٹیوں کیلئے سنبھال کر رکھ دیتی ہو ۔ جب تک یہ بڑی ہوں گی تب تک تو فیشن بھی کچھ اور ہی ہو جائیں گے''

''رہنے دو ۔ تین تین بیٹیاں بیاہنی ہیں ۔ کہاں سے تب آئے گا ایک دم اتنا پیسہ''

گڈو کے پتا ایک درمیانے درجہ کے سرکاری آفیسر تھے۔ دونوں بیٹیوں کو اپنے اسے اونچا آفیسر بنانا شاہتے تھے اور بیٹیوں کی شادیاں ایسے لڑکوں سے کرنا چاہتے تھے جو آگے جا کر اونچے عہدوں تک پہنچیں۔ فکران کو رہتی ہی تھی پر بی جی سے وہ کہتے "رانی تجھے کس بات کی فکر ہے تیری تینوں بیٹیاں سندر ہیں مانگ کر لے جائیں گے ان کو لڑکے والے۔"

گیتا نے گائتری منتر پاٹھ شروع کیا تو باقی سب نے ساتھ گایا۔ پنکی اور گڈو ساتھ ساتھ ہی بیٹھی تھیں پوجا پر۔ گڈو خوشی سے بھری خود سے کہہ رہی تھی "اپنے تہواروں میں ہی تہوار کا سچا سکھ ملتا ہے۔"

کھانے کے بعد تین پتی شروع ہوئی تو رات دیر تک چلتی رہی۔ اگلے دن اتوار تھا۔ کسی کو بھی جلدی سو کر اٹھنے دوڑ نہیں کرنی تھی۔ پردیس میں جی بنا دیپوں کی دیوالی کو سب اپنے ماضی کی میٹھی یادوں کے دیئے جلا کر منا رہے تھے۔

گیتا کا ایک جوان آدمی سے تعارف کراتی ہوئی بولی "گڈو ارون ہمارا اچھا دوست ہے اس سے میں نے کہا کہ تم کو تمہارے ہاں ڈراپ کرتا ہوا جائے گا۔"

"اوہ شکریہ"

ارون راجو اور گڈو کو لے کر جب گیتا کے اپارٹمنٹ کی عمارت کے باہر نکل کر ایک پیلی ٹیکسی کے پاس آ کر رکا اور گڈو، راجو کو اس میں بیٹھنے کو کہا تو حیران رہ گئی گڈو۔ راجو سے نہیں رہا گیا بولا "انکل یہ تو ٹیکسی ہے"

"ہے تو پر آپ سے ٹیکس نہیں لیں گے"

"آپ کی ہے؟"

"سو فیصد میری ہے۔ کیا میں اس کا مالک نہیں لگتا؟"

ارون دیکھنے میں ایسا سوٹ بوٹ پہنے اور مہذب لگتا تھا کہ گڈو سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور کیسے ہو سکتا ہے پوچھ ہی بیٹھی "آپ ویسے کیا کرتے ہیں؟"

''ویسے کا مطلب آپ دیکھ نہیں رہیں ٹیکسی چلاتا ہوں''

''میرا مطلب۔'' آپ نئی نئی ہندوستان سے آئی ہیں تبھی آپ کو میرے سے بات کرنے میں اتنی پریشانی ہو رہی ہے۔ بہر حال' "I am used to it"

گڈو کو ایس لگا جیسے اس نے ارون کو چوٹ پہنچائی ہے ''پریشانی کی بات نہیں۔ صرف حیرانی تھی آپ دیکھنے میں تو۔۔''

''دیوالی تھی ناں کپڑے تو اچھے پہننے ہی تھے۔ ویسے آپ کا اندازہ بھی ٹھیک ہی ہے۔ مین انجینئرنگ ختم کرکے یہاں تین مہینے کیلئے وزیٹر ویزے پر آیا تھا۔ پھر جی میں آئی کہ کوئی نوکری ڈھونڈ لوں۔ ہندستان میں بھی مجھے کوئی ڈھنگ کی نوکری تو ملی نہیں تھی۔ یہاں بھی جہاں جہاں پتہ چلایا انہوں نے بغیر پرمٹ کے نوکری دینے سے انکار کر دیا۔ جس رشتہ دار کے ہاں ٹکا ہوا تھا' ان کی سفارش پر ایک ہندوستانی ریستوران مین ویٹر کی نوکری مل گئی۔ کچھ دن تو مزہ آیا۔ پیسے بھی ملتے تھے اور کھانا بھی ریستوران میں مفت ہی ہو جاتا تھا۔ کام تو تقریباً دس بارہ گھنٹے ہی کرنا ہوتا تھا مگر ایک دن کے پچیس ڈالر مل جاتے تھے۔ ایک دو اور ہندوستانی ویٹر اور باورچی تھے سو دل بھی لگ گیا۔ وہ بھی وہاں غیر قانونی طور پر ٹکے تھے۔ پھر ایک دن امیگریشن والوں نے ریستوران میں چھاپا مارا اور ہم سب کو پکڑ کر جیلوں میں ڈال دیا گیا۔''

راجو اور گڈو دونوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

میں تو سوچتی تھی میری زندگی ہی مشکل ہے یہاں پر کم سے کم ورک پرمٹ کا مسئلہ تو مجھے نہیں کرنا پڑا تھا۔

ارون بولا ''اب تو سوچتا ہوں کہ اتنی جدوجہد کس کام کی' پیسہ تو خوب کما لیتا ہوں ڈرائیوری سے ہی۔ انجینئرنگ کی نوکری میں سروع میں اتنا پیسہ ملے گا بھی نہیں۔ یو جب تک میرا چانس بنے گا تب تک ساری پڑھائی ویسے ہی بھول چکی ہوگی۔ بھول تو ابھی بھی گیا ہوں۔''

راجو کا دماغ ابھی تک جیل والی بات پر ہی تھا بولا ''انکل آپ جیل سے کیسے چھوٹے'' ارون مسکرایا۔

وہ تیرے جاننے کے لائق بات نہیں کتنے برس کا ہے تو''

''چودہ برس پورے ہو گئے؟''

''گرل فرینڈ ہے کوئی؟''

راجو شرما گیا۔

''کوئی با نہیں'' پھر خود بتاتا گیا ''ارون کی ایک گرل فرینڈ تھی جوڈی۔ایک دوست نے مشورہ دیا کہ اگر وہ کسی امریکی لڑکی سے شادی کر لے تو اسے گرین کارڈ مل جائے گا۔ارون نے فی الحال اس مشورے پر دھیان نہیں دیا تھا اور نہ ہی جوڈی سے کوئی ذکر کیا تھا۔صرف اس وجہ سے شادی کرنا بھی اسے غلط بات لگتی تھی۔مگر جج کے سامنے جب اس کی اپیل ہوئی تو اس نے کہا کہ اس کی یہاں ایک منگیتر ہے جس سے شادی کرنے کیلئے امریکہ رکا ہوا ہے۔

جوڈی کو بلا کر پوچھا گیا تو جوڈی نے اس بات کو صحیح کہا۔ارون جوڈی کے اس برتاؤ سے اندر تک اس کی مہربانی سے بھر گیا۔ان ہی دنوں دونوں نے شادی کا فیصلہ کیا اور ارون شادی کر کے یہیں ٹک گیا۔سب کچھ اتنا جلدی میں ہوا کہ ارون اپنے ماں باپ سے شادی کی بار نہیں کر سکا۔ماں باپ ابھی بھی زور دے رہے تھے کہ وہ ہندوستان آ کر شادی کروائے۔انہوں نے بہت سی لڑکیاں سیکھ رکھی ہیں۔ارون اس دوران ماں باپ سے ملنے ہندوستان گیا تھا۔لڑکیاں ناپسند کر دیں مگر ماں باپ کو احساس نہیں ہونے دیا کہ اس نے وہاں شادی کر رکھی ہے۔وہ پوچھتے بھی تو صاف مکر جاتا۔مگر عجیب سی کشمکش میں رہتا ہے۔ماں باپ کا اکلوتا بیٹا' نہ ان کے سپنوں کو توڑ سکتا ہے نہ جوڈی کو چوٹ پہنچا سکتا ہے۔

راجو کہہ رہا تھا ''انکل ٹیکسی کب لی آپ نے؟''

''بس شادی کے بعد ایک دم جوڈی نے ہی قرض کیلئے درخواست دے دی تھی۔ نوکری ابھی ملی نہیں تھی سوچا کیوں نہ اپنی ٹرانسپورٹیشن کمپنی کھول لی جائے۔ راجو جناب' میں ٹیکسی ڈرائیور نہیں اے اینڈ جے ٹرانسپورٹیشن کمپنی کا مالک ہوں۔ ہندوستان مین مین ن سبھی کو یہی بتایا ہے' تبھی تو لڑکیوں کے رشتے بھی آتے ہین۔ ویسے اس یں سچ نہیں تو جھوٹ بھی نہیں۔ میں کرائے کی ٹیکسی تو چلاتا نہیں۔ مالک تو ہون ہی۔ ہاں زیادہ پیسہ اکٹھا ہو جائے گا تو اور ٹیکسیاں خرید لوں گا۔ ڈرائیور رکھ لون گا تب تو کمپنی کا مالک ہوں گا ناں۔ پر سچ کہوں کہ شاید یہ دھندا مجھ سے زیادہ دن نہیں ہو پائے گا۔''

گڈو حیران پریشان ارون کی باتیں سن رہی تھی۔ اتنی جلدی کیسے ارون ان کے ساتھ کھل گیا تھا۔ گڈو کے من میں ارون کیلئے انس سا ہو گا۔ اسے راجو اور ارون کی گفتگو کا ہونا بھی اچھا لگ رہا تاھ۔ گڈو کا گھر بہت زیادہ دور نہیں تھا۔ مگر بات کرتے کرتے ارون بہت دھیمے گاڑی چلا رہا تھا۔

''جوڈی یا کرتی ہے؟''

''ایک چھوٹی سی فرم میں سٹینو ٹائپسٹ ہے''

''ایک پرسنل سا سوال پوچھوں؟''

''جی اتنا سب کچھ پرسنل نہیں تھا' پتہ نہین اتنا سب کچھ کیسے بتا دیا؟''

''نہیں یہ اور بھی پرسنل سوال ہے یہ پوچھ ہی لیتی ہوں کیا تم سچ مچ جوڈی سے پیار کرتے ہے''

'' پیار معلوم نہیں' پر اتنا معلوم ہے کہ جوڈی اچھی لڑکی ہے اس کا مجھ پر بڑا احسان ہے''

''ایک پردیسی سے شادی کرنا کیسا لگتا ہے؟''

''بہت مشکل ہے جواب دینا۔ کبھی بہت اوپرا اوپرا سا لگتا ہے۔ اپنے ہی

اپارٹمنٹ میں ہر چیز جوڈی کی مرضی کے مطابق ہے میں جیسے جوڈی کی مرضی کی ایک چیز ہوں۔ جانتا ہوں میری اس گھر میں ثانوی جگہ ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ میں اس گھر کا مالک ہوں' جیسا کہ عام طور پر آدمی اپنے گھر میں محسوس کرتا ہے۔ لگتا ہے گھر جوڈی کا ہے اور جیسے میں وہاں مہمان کی طرح ٹھہرا ہوں۔ میں اپنی مرضی سے جیسے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ ابھی بھی سوچتا ہوں کہ کسی ہندوستانی لڑکی سے شادی کر کے صحیح ڈھنگ سے گھر بسا لوں۔ اسی لئے ماں باپ کو میں نے لڑکیاں دیکھنے سے روکا نہیں۔

گڈو کو پھر اسے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

ٹیکسی گڈو کے گھر کے سامنے رکی تو اچانک ارون نے پوچھا ''مسز چڈھا' گیتا کہتی تھیں کہ آپ چندی گڑھ میں سکول میں پڑھایا کرتی تھیں۔ کیا آپ جوڈی کو تھوڑی سی ہندی سکھا دیں گی۔''

گڈو چونکی اگر ارون جوڈی کے ساتھ رشتہ بنا کر نہیں رہنا چاہتا اور یک دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو دوسری طرف ماں باپ کیلئے اسے قابل قبول بنانے کیلئے ہندوستانیوں جیسا بنانا چاہتا ہے۔

صاف طرح سے گڈو نے اتنا کہا ''تم جوڈی سے کہنا مجھ سے ملے یا فون پر بات کرے۔ ہم آپس میں وقت طے کر لیں گے۔''

برف پڑنے لگ گئی تھی۔ گڈو کو چندی گڑھ کی سردیوں کی دوپہر خوب یاد آئی۔ باہر لان میں چارپائی ڈلوا کر لیٹ رہنے کا بھی اپنا ہی مزہ تھا۔ پھر کسی پھیری والے کی آواز سن کر اسے بلانا اور بھنی مونگ پھلی' مرمرے اور گجک خرید کر چباتے رہنا یا سنگترے والے سے سنگترے خرید نمک لگا کر ایک ایک پھاری کا رس لینا۔ کبھی دانتوں سے چھیل چھیل کر گنا چوسنا یا رس والے کو روک کر لیموں اور کالا نمک ملا کر گنے کا رس پینا۔ یہ سب معمول کی باتیں بڑے میٹھے سے خیال بن کر اس کی یادوں کے کمرے

کے کینوس پر آ جاتیں۔ کبھی کوئی پڑوسن آ کر بیٹھ جاتی یا اپنے ہی لان سے اونچی آواز سے حال چال پوچھا جاتا۔ کبھی کوئی دور دراز کا رشتہ دار آن ٹپکتا۔ روز ہی کوئی نہ کوئی بنا انتظار مہمان آ جاتا۔

یہاں کوئی بھی کبھی بغیر اطلاع کے کسی کے گھر تھوڑے ہی جا سکتا ہے۔ باقاعدہ فون کر کے وقت لے کر جانا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ بہنوں کے گھر بھی نہیں۔ گڈو کو رشتوں میں کھلا پن اور مروت کی بہت کمی محسوس ہوتی تھی۔

ہفتے بھر میں نیا سال شروع ہونے والا تھا۔ پورا شہر سج دھج کر کرسمس اور نئے سال کی خوشیاں بٹور رہا تھا۔ اصلی دیوالی تو اب منا رہا ہے یہ شہر اور وہ بھی کئی کئی دن۔ پیڑوں کی شاخیں ہزاروں ننھے ننھے رنگ برنگے بجلی کے جلتے بلبوں سے اٹی ہوئی اور سڑکوں پر میلوں تک ایسی ہی جگمگاتے تاروں کے گچھوں سے اٹی پیڑوں کی قطاریں آنکھوں کو بے حد بھلی لگتی تھیں۔ دوکانوں کی Show Windows بڑے بڑے لال پتوں والے پھول۔ لال، ہرے چمکیلے کاغذوں میں لپٹے تحفوں کے ڈبے گڈو کو بہت خوبصورت لگتے تھے۔

پاتک اور ہریالی والی جگہوں پر برف کی سفیدی چڑھی ہوئی تھی۔ برف کی تہوں کے بیچ سے جھانکتی پائن کی سوئیون کی ہریالی اس سفیدی کو اور ابھار دیتی تھی۔ سارے ماحول میں بس یہی تین رنگ تھے۔ وردی کے موسم کی بے رنگینی کی کمی کو پورا کرتے ہوئے لال، ہرا اور ان کو ابھارنے کیلئے برف، سفیدی کے ایک کینوس کا کام دیتا ہے۔

جونہی موسم کچھ کھلتا، پٹریوں پر گرم موزے، اونی ٹوپیاں، مفلر، دستانے بیچنے والے اپنا سامان پھیلا دیتے۔ ہر جگہ بھیڑ دوکانیں، پٹریاں گاہکوں سے بھری ہوتی تھیں۔ کرسمس کے گفٹ کی نئی سے نئی سکیموں کے اشتہارات دوکانوں سے باہر چپکے، ریڈیو سے گونجتے اور ٹیلی وژن پر بار بار دکھائی دیتے تھے۔ اس ٹھنڈ میں بھی Hot

Dog گرم پیجل اور بھنے چیسٹ نٹ بیچنے والے دن بھر پٹڑیوں پر کھڑے رہتے۔ سردی کی دھند بھرے بے رنگ ماحول کو رنگ دار بنانے میں جیسے سارے شہر والے لگے ہوئے تھے۔ ورنہ کیسے کٹیں گی اتنی لمبی سردیاں۔ زندگی کو بہتر اور حسین تر بنانے کیلئے یہ سماج ہر عمل اختیاری کو اکٹھا کر رہا ہے اور مصنوعی ذرائع کو اکٹھا کرنے کی کوشش میں ہے۔ اور ساری عمر سکھ کے ذرائع کو حاصل کرنے میں خرچ وہوتی ہے۔ ہر کام کو آسان بنانے کیلئے نئی سے نئی مشینیں ایجاد کی جاتی ہیں اور پھر اس مشین کو حاصل کرنے کیلئے پیسے کی مشین میں پسنا پڑتا ہے۔ پھر ایک مشین سے دوسری مشین کے دورے گزرنے میں زندگی کی مشین فیل ہو جاتی ہے۔

گڈو بھی اسی مشین میں جٹ رہی تھی۔ اس وقت جلدی سے پڑھائی ختم کر ڈالنے اور گزارا لائق پیسہ کما ڈالنے اور بچوں کو یہاں سیٹل کرنے کو چکر میں ایسی الجھی ہے کہ اپنی ذات کے جٹنے کا احساس ہی نہیں رہتا۔

جونیجا کا فون تھا ''کیا کر رہی ہیں آپ۔ نئے سال کی عید پر''

''کچھ سوچا نہیں شاید کچھ بھی نہیں کر رہی''

''تب تو ہمارے ساتھ ہی بتائیے گا وہ شام۔ کچھ اور مت فکس کیجئے گا' میں دفتر سے آپ کو پک اپ کر لوں گا۔''

باہر سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک دم طوفانی موسم تھا ایک دم تیز ہوائیں جیسے برف کے پھاہوں کو دھنتی جاتی تھیں۔ گڈو کے بیسمنٹ میں بے حد ٹھنڈ ہو رہی ہے۔ ہاتھ پیر رضائی میں بھی ٹھٹھرے جا رہے ہیں۔ برف کے گرنے یا سنٹرل ہیٹنگ سسٹم میں کوئی خرابی ہو گئی ہے۔ مالک مکان نے گزارے کیلئے ہیٹر تو لا دیا ہے۔ مگر ہیٹر سے ہی جڑے بیٹھے رہو بس ذرا سا کسی کام کیلئے اٹھنے سے اور بھی ٹھنڈ لگتی رہتی تھی۔ خاص کر دن میں۔ باہر دھوپ میں ایک دم آدمی گرم ہو جاتا ہے۔ اندر آتے ہی پھر ایک دم ٹھنڈ۔ پر اس ٹھنڈ کا تاثر یہاں کا کے بسنت جیسا تو ضرور ہوتا ہو گا۔ فون پھر

سے گونج اٹھا ہے۔

''پروگرام کچھ بدل گیا ہے۔ رمان کو بھارت جانا پڑ رہا ہے۔ میری ماں بھی میرے بھائی کے پاس مشی گن گئی ہوئی ہیں، سو گھر پر پارٹی کینسل کرنی پڑ گئی ہے''

"I am sorry"

''ایسی کوئی بات نہیں' But if you don't mind

''تم ہم لوگ کہیں باہر چلیں گے گڈو'' گڈو شش و پنج میں تھی بولی ''آپ کینسل ہی کر دیں تو۔۔''

''نہیں نہیں آپ گھر پر بیٹھ کر بور ہوں گی۔ نئے سال پر بور ہوئے تو سارا سال بور گزرے گا۔ اس لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔ آپ تیار رہئے گا کہیں باہر چل کر کھانا کھائیں گے''

نیسلا کی عید پر گڈو نے کانجی ورم کے نیلے اور دیسی گلابی رنگ کی کنٹراسٹنگ باڈر والی ساڑھی پہنی تی۔ یہ ساڑھی اس کی سب سے پیاری ساڑھیوں میں سے تھی۔ ہلکے میک اپ کے بعد ماتھے پر نیلی بندی لگائی تھی۔ ہونٹوں پر ساڑھی کے گلابی کناروں سی میچ کرتی لپ اسٹک اور ہلکا سا عطر دونوں کانوں کے پیچھے۔ بغلوں میں اور اپنی چھاتیوں کے بیچوں بیچ چھڑک دیا تھا۔ بال لمبے تھے۔ اس لئے جوڑا بڑی صفائی سے گوندھا گیا تھا۔ جونیجا نے دیکھتے ہی کہا تھا ''آپ تو بہت خوبصورت لگ رہی ہیں آج''

گڈو کے چہرے پر ڈھیروں کلیاں پھوٹ ئی تھیں۔ عمر کا یک لمبا حصہ کہیں دور چھٹک کر چلا گیا۔ آنکھوں میں چلبلاہٹ سی بھر گئی۔ س شام جونیجا کے ساتھ میں بھی گڈو کو ایک نئی طرح کا کھلا پن اور بے تکلفی محسوس ہوئی۔

''بتایئے کہاں جانا چاہیں گی آپ؟ فرنچ، اٹالین، چائنیز یا ہندوستانی ریسٹورنٹ ؟''

''ڈاکٹر جو نیجا' مجھے تو کچھ خاص معلوم نہیں یہاں کا' جہاں بھی آپ لے چلیں۔۔''

''پہلے تو آپ مجھے ڈاکٹر جو نیجا کہنا چھوڑیئے میرا نام ہے چندر۔ یوں ہسپتال والوں نے اسے چیٹ بنا دیا ہے۔ پھر آپ سے تو صحیح تلفظ کی امید ہے۔''

''میں بھی چیٹ ہی بلاؤں تو'' چھیڑ رہی تھی گڈو۔

''بلا لیجئے گا پر کل کو یہ مت کہیے گا کہ یہ آدمی تو دوغلا ہے'' گڈو کا ماتھا ٹھنکا۔ جو نیجا نے دوغلا لفظ کا استعمال کیوں کیا ہے اپنے لئے۔ اس آدمی کے من میں بھی گانٹھ ہو گی۔ کتنے ہی ہندوستانی دوسروں کی سہولت کیلئے اپنے ہندوستانی نام کا ایک پردیسی روپ مان لیتے ہیں۔ پر من میں ایک اور بے آرامی بنی رہتی ہے۔

گڈو ان لمحوں کو ہلکا اور پرسکون بنائے رکھنا چاہتی تھی بات کو طول نہ دیتے ہوئے بولی ''پھر آپ بھی مجھے او ما بلایئے گا''

''ضرور ضرور اس میں کوئی دوغلا پن بھی نہیں ایک دم Pure اور Original پل بھر ٹھٹکی گڈو۔ جو نیجا بڑے موڈ میں ہیں آج۔ گڈو بھی بہک رہی تھی۔ دیواریں ٹوٹ رہی تھیں اور کچھ بھی انہیں روک نہیں رہا تھا۔ پر من کی دیواریں خاص مضبوط ہیں ابھی بھی پتہ نہیں کب کس نے فیصلہ کی مگر گڈو نے کچھ دیر بعد خود کو ایک فرنچ ریسٹورنٹ میں ٹھیک جو نیجا کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھا پایا۔ گڈو نے فرنچ کھانے کا صرف نام ہی سن رکھا تھا۔ مینو میں اسے کچھ دسمجھ نہیں آرہا تھا۔ نام تھے بھی فرنچ زبان میں۔ بہت دیر تک جب وہ الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی' تب جو نیجا اس کی مدد کو خود آ گیا۔ یہاں آڈور اور پہلے کورس میں اسپریگس سوپ اور اصل کورس میں سالمن بہت اچھی ہوتی ہے۔ ٹرائی کریں گی؟ گڈو کو راحت ملی ''ہاں آپ کا چناؤ مجھے اچھا لگا'' تب تو وائن بھی اپنی مرضی کی منگاؤں گا۔'' میں تو پیتی نہیں''

''او بس اتنا بتا دیجئے کہ ریڈ یا وائٹ''

''میرے مذہب میں شراب پینا پاپ ہے''

''مذہب کونسا ہے آپ کا''

''کوئی نہیں میرا مطلب کسی بھی مذہب میں چوری' شراب یہ سب باتیں بری سمجھی جاتی ہیں''

''وائن تو شراب نہیں بائبل کے حساب سے تو یہ دنیا کا سب سا پاک مشروب ہے''

''کسی مقدس کتاب کی کوٹیشن دینے کی ضرورت نہیں میں لینے کو لے بھی سکتی ہوں ایسی کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے''

گڈو کو کچھ پتہ نہیں لگ رہا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے کھانا وائن اور جونیجا کے ساتھ کتھے ہی سوا ایک ساتھ اسے چکرائے دے رہے تھے پھر بھی گڈو ایک نئے تجربے کو اپنے اندر بھر لینے کیلئے تیار بیٹھی تھی۔

ریستوران سے باہر نکلے تو جونیجا نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''ابھی تو صرف نو ہی بجے ہیں' بار میں چلئے گا اور کچھ پی نہیں سکتیں تو بتایئے کیا کرنا چاہتی ہیں''

گڈو چپ تھی تب جونیجا نے کہا ''گھر چلتے ہیں وہاں آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے'' گڈو کے پیر زمین پر نہیں ٹھہر رہے تھے اڑی اڑی جا رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا میں ھولتا روئی کا پھاہا ہو یا سطح پر تھرتھراتا پانی کا بلبلا ہو ایک پل کیلئے ڈگمگا دی گئی۔ جونیجا کی باہوں نے جھٹ سے تھام لیا تھا۔ گڈو کے کندھے جونیجا کی باہوں کے گھیرے میں تھے اور اسی کے سہارے چل رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھے تو جونیجا نے اس کا اپنی طرف کا ہاتھ دھیرے سے اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ دباتے گڈو مسکرا دی۔ ایک بہت نرم سی گرماہٹ اس کے اندر دھیرے دھیرے گھلتی جا رہی تھی۔ آوش ہو رہی تھی گڈو۔

جونیجا کا مینہٹن میں بھی ایک اپارٹمنٹ تھا۔ہسپتال میں زیادہ کام ہونے سے وہ وہیں رک جایا کرتا تھا۔جونیجا کی بانہوں میں تھی گڈو جب ایلیویٹر سے اوپر اپارٹمنٹ میں پہنچی تو ایک دم صوفے پر لڑھک گئی۔

رنگین مدہوشی کی حالت میں لیمپ کی مدھم نیلی روشنی میں گڈو نے خود کو جونیجا کی گرفت میں محسوس کیا۔گڈو کا جسم تھرتھرا رہا تھا۔جونیجا کا ہاتھ بہت دھیمے دھیمے اس کی پیٹھ' اس کی چھاتیوں اور اس کی رانوں پر جیسے پھول کاڑھ رہا تھا۔گڈو کی پور پور سے جیسے کلیاں پھوٹ رہی تھیں۔جونیجا کے ہونٹ اس کے ہونٹوں میں پیوست تھے۔

سن بیہوش گڈو صرف محسوس کرتی رہی تھی اس کے جسم کی ہر حرکت کو اپنے جسم پر۔ان انگلیوں کی ایک ایک لمس اس جسم کے ہر دباؤ کو۔

گڈو کسی اور ہی دنیا میں تھی اس کی بند آنکھوں میں یہ احساس یہ خوشبو یہ سواد ایک سپنے کے سنسار کی طرح تیر رہا تھا۔جس میں کتنی نئی تصویریں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔اس کے خاوند کے جسم کا جیتا ہوا لمس اور مرے ہوئے پتی کی لاش کا ادراک۔۔'

بترا کے ادھورے عکس۔پھر تصویریں اوجھل ہو جاتیں اور ایک پچھتاوا' حال کا احساس بچ جاتا ایک چاہے ہوئے شخص کی کومل گرفت کا احساس۔گڈو کے آس پاس سب کچھ نیا نیا اور بھرا بھرا سا تھا۔اس کے برسوں کے بھٹکنے میں جیسے ایک ٹھہراؤ آ گیا تھا۔جھنکار ہوتی زندگی میں ملاء کونپلیں اٹھنے لگی تھی۔

اس رات بیسمنٹ میں گڈو اکیلی تھی۔راجو گپتا کے بچوں کے ساتھ نیا سال منانے گیا تھا۔رات بھر گڈو کا جسم کپکپاتا رہا۔بیتی باتیں اس کی آج میں مٹی پھیلتیں رہیں اور جیت کی ان بھوتی میں ایک افسوس سا محسوس ہوتا رہا۔کھو دینے اور پا لینے کا دکھ سکھ ایک ساتھ محسوس ہو رہا تھا۔من اڑتا کوئی کہتا'' کہاں جا رہی ہے کہاں

پہنچے گی؟ راستہ آسان نہیں اور شاید صحیح بھی نہیں۔۔اپنی لگی بندھی بے مرد کی زندگی مین گڈو نے عجیب طرح کی طاقت سمو لی تھی جس کے بل بوتے پر آج تک وہ لڑتی رہی۔سنبھالتی رہی تھی خود کو۔اب اچانک کمزور پڑنے لگی تھی۔جی چاہتا تھا کوئی اور سنبھال لے' کسی اور پر ڈال دے اپنا تن من اور سارے بوجھ۔پر یا یہ سوچنا بھی کتنا مشکل تھا کہ شادی شدہ جونیجا کے ساتھ کیا کسی طرح کا رشتہ ممکن بھی ہے۔یہ کچھ لمحوں کا ساتھ کسی بڑے رشتے اور سکھ کی بنیاد نہیں ہو سکتا تھا۔کیا جیسے وہ سوچ رہی ہے جونیجا بھی کسی سنجیدگی کے ساتھ سوچ رہا ہوگا۔۔؟ گھنٹوں انہی سوالوں سے الجھتی رہی گڈو۔لوٹ آؤ گڈو' لوٹ آؤ اپنے آپ میں۔زندگی کا سچ ہے۔۔ٹھنڈا بیسمنٹ کا کمرا اور ڈھیروں کاموں' فکروں اور الجھنوں کا نہ ختم ہونے والا جیسا سلسلہ۔

اکاؤنٹنگ کورس کے آخری مہینوں ہی میں گڈو کی انسٹرکٹر نے اسے ایک دو نوکری کے انٹرویو دلا دیئے تھے۔انہی دنوں Personality اور Presentation کی کچھ کلاسیں بھی دی جا رہی تھیں۔شخصیت کی خامیوں کو دور کرنے کیلئے مشورے دیئے جاتے تھے۔گڈو کی انسٹرکٹر نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ بال چھوٹے کٹوا کر اور بزنس سوٹ پہن کر اگر انٹرویو میں جائے گی تو زیادہ پروفیشنل لگے گا۔گڈو محنتی ہے اور سیانی ہے' ہر اچھی نوکری کیلئے پرسنیلٹی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔گڈو پہلے گھبرائی۔دونوں بیٹیاں بیاہنی ہیں' لوگ یا کہیں گے؟ بال کٹوا کر وہ لوگوں کیلئے مذاق بھی تو بن سکتی ہے۔ہندوستان کے سب لوگ کہیں گے ''ہوا لگ گئی ہے امریکہ جا کے' چھتے بنا لئے ہیں بال'' پر انسٹرکٹر بھی تو اپنے تجربے سے ہی ایسا کہہ رہی تھی۔بہت کشمکش کے بعد ایک دن ہیئر ڈریسر سے وقت لے ہی لیا۔کندھے تک کٹے بال سیٹ کروا کے گڈو کو اپنا چہرا خود بھی اچھا لگا تھا۔کلاس میں جب سبھی کلاس فیلوز نے مبارکباد کی شکل میں تعریف کی تو من میں خود اعتمادی بڑھ گی۔

نوکری کیلئے گڈو کو بہت ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ جس قسم کی تنخواہ کی اسے امید تھی ویسی نوکری کیلئے ہر دفتر میں نامنظوری ہی ملی۔ ایک دو دفتر میں اسے محسوس ہوا کہ انگریزی کا ہندوستانی پن بھی شاید انہیں چبھتا ہے کیونکہ ایک دو جگہ پر انٹرویو لینے والوں نے اس سے بار بار فقرے دہروائے۔ پر جب گڈو امریکنیوں کی طرح لفظوں کو کھینچ کھینچ کر ''آ'' کو ''اے'' جیسے کہ کانٹ Can't کو ''کینٹ'' کہتی تو اسے اپنی آواز پرائی اور مضحکہ خیز لگتی تھی۔ دل میں زنا کا یہ دوغلا پن اسے جیسے کچوکے لگاتا کیوں کہ دوسروں کی نقل اپنی ہی بول چال کیوں برقرار نہیں رکھ سکتی۔ گڈو پڑھی لکھی تھی۔ آریا سماج سکولوں میں اس کی تعلیم مکمل ہوئی تھی۔ مگر اس نے انگریزی میں ایم اے کیا تھا۔ اس کی زبان کی سمجھ بوجھ اور الفاظ پر کنٹرول کتنے ہی امریکیوں سے بھی بہتر تھا مگر بولنے کا اتنا ریاض نہ ہونے سے فراٹے سے انگریزی نہیں بول پاتی تھی۔ فقروں کی بناوٹ سے ہندی کا اثر نمایاں تھا۔ الفاظ کا استعمال اور تلفظ برطانوی انگریزی والے تھے۔ انسٹرکٹر کے بتانے پر گڈو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر امریکی طریقے سے انگریزی بولنے کا ریاض کرنے لگی۔ امریکی حرکات وسکنات اور کندھے اچکا کر جواب سوال کرتی۔ پر تھوڑی دیر میں ہی بور ہو جاتی' اور کندھے گرا کر کہتی To Hell With It (یہ امریکی محاورہ اپنے سہہ پارٹیوں سے پایا تھا) پنکی کے امریکی Accent کا گڈو مذاق اڑایا کرتی تھی مگر اب خود بھی اسے یہی کرنا پڑ رہا تھا راجو کیلئے گڈو کا ریاض خاصا من بہلانے والا ہوتا تھا۔ راجو کچی عمر کا تھا' پڑھا بھی انگریزی سکول میں تھا۔ اس کے تلفظ کا فرق پکڑنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ ممی سے مذاق کرتا ''ممی یہ شیڈول کیا ہوتا ہے سکیجول کہو ناں''

ایک سے لفظوں کے معنی ہندوستان سے الگ معنوں مین استعمال ہوتے اور بعد میں گڈو کو اپنے اس اگیان پر ہنسی بھی آتی۔ راجو کیلئے جب پینٹ کے ساتھ پہننے والا کوٹ لینے گئی تو کوٹ کے نام پر سلیز گرل نے انہیں اوورکوٹ دکھانا شروع کر

دیا۔ گڈو نے کہا 'Short Coat' تو اس نے ہاف اوور کوٹ دکھا دیئے۔ گڈو سوچنے لگی کہ شاید ویسے کوٹ یہاں ملتے ہی نہیں ہوں گے۔ تب بعد میں پنکی نے بتایا کہ اسے جیکٹ کہتے ہیں۔

گڈو کو دوڑ دھوپ کے بعد ایک بنک میں اکاؤنٹنگ کلرک کی معمولی سی نوکری مل گئی۔ گڈو کی خوش قسمتی تھی کہ بیس لوگوں کی کلاس میں صرف پانچ لوگوں کو ہی کام ملا تھا۔ اس کی سہہ پارٹن جارجینا نام کی کالی لڑکی جس کی ضرورت گڈو سے بھی زیادہ تھی، پر اسے ابھی تک نوکری نہیں ملی تھی۔ بائیس سال کی جارجینا کے چار بچے تھے باپ نہ تو ساتھ رہتا تھا اور نہ بچوں کی سی قسم کی ذمہ داری سمجھتا تھا۔ یوں دونوں کی باقاعدہ شادی تو ہوئی نہیں تھی اس لئے اس پر کوئی قانونی زور نہیں چل سکتا تھا۔ گڈو کو تب پتہ لگا تھا کہ جارجیا جیسی اس دیس میں ہزاروں ایسی کالی لڑکیاں ہیں جو ہائی سکول میں اسی طرح ماں بن کر پڑھائی چھوڑ دیتی ہیں۔ پھر ایک کے بعد ایک پیدا ہونے لگتا ہے بچہ۔ ان کے بچے ویلفیئر کی رقم سے پالے جاتے ہیں۔ ویلفیئر کی ناکافی رقم سے یہ بچے نہ تو ٹھیک سے پلتے تھے اور نہ ہی ماں کی زندگی میں کچھ بچ رہنا تھا۔ گلیوں اور سڑکوں پر پلنے والے یہی آوارہ بچے ہو کر مجرم لٹیرے اور ہتھیارے بن جاتے ہیں، کیونکہ ان کی سماج میں کوئی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ کسی کو تعلیم کے بغیر نوکری بھی نہیں مل پاتی تھی۔ گڈو کو جارجینا سے ہمدردی تھی۔ آئے دن بچے کی بیماری اور ہسپتال کے چکروں میں اسے کلاس چھوڑنی پڑتی۔ گڈو خود اس کلاس میں سب سے آگے تھی۔ جارجینا اس سے نوٹس مانگ لیتی یا مدد لے لیتی۔ ایک بار جب گڈو دیر تک سکول کے ریڈنگ روم میں کام کر کے لوٹ رہی تھی تو دیکھا سکول سے باہر سڑک پر جارجینا کسی کو زور زور سے گالیاں دے رہی تھی۔ ایسے جھگڑے ہندوستان میں تو سڑک پر دیکھے تھے پر یہاں پنجابی گالیوں سے بھی زبردست گالیاں تھیں۔ باسٹرا اور جانے کیا کیا۔ شاید جارجینا خود بھی کسی کی شاید گیر قانونی اولاد تھی۔ اگلے

دن جار جینا خود بھی بتا رہی تھی کہ اس کا بوائے فرینڈ ہے جو اسے کچھ پیسہ نہیں دیتا۔ آج کل بیمار ہے تو الٹا اس سے پیسے مانگنے آیا تھا وظیفے کی رقم سے ڈھنگ سے بچوں کو کھانا تک نہیں کھلا سکتی۔ اسے کہاں سے پیسے دے گی۔۔ اس نے یوں بھی شراب میں سب اڑا دینا ہے۔

گڈو کی کلاس میں زیادہ تر کالے ایشیائی اور ہسپانوی نسلوں کے لوگ ہی تھے۔ گورا کوئی نہیں تھا۔ عمر بھی بیس سے لے کر پچاس کے درمیان تھی۔ شکل سے آسانی سے کسی کی عمر کا اندازہ نہیں ہو پاتا تھا۔ ایک کالی لڑکی کو چکنے اور بغیر شکن کے چہرے کی وجہ سے صرف پچیس چھبیس برس کا سمجھتی تھی مگر جب اس نے اپنی عمر کا اندازہ کوئی نہیں لگا پاتا تھا۔ ایک بار ایک ایمپلائمنٹ ایجنسی میں نوکری ڈھونڈنے کیلئے خوب سج دھج کر ساڑھی پہن کر گئی تھی۔ بات چیت کے دوران وہاں کی سکیرٹری نے اس سے کہا تھا ''اس پہناوے میں آپ سندر لگ رہی ہیں لیکن امریکی دفتر میں اگر آپ نوکری کرنا چاہتی ہیں تو یہ پہناوا صحیح نہیں ہوگا۔''

پینٹ شرٹ میں گڈو خود کو اور ہی طرح کا انسان لگتی تھی۔ دوغلی بھاشا اور دوغلا پہناوا۔ گڈو کا جسم امریکی پہناوے کے کپڑوں میں سجتا ہی نہیں تھا جسم کی بناوٹ ایسی تھی کہ جہاں ساڑھی کرتوں میں جسم ٹھیک ٹھاک لگتا تو پینٹ شرٹ میں پیٹ باہر کو نکلا رہتا۔ یوں چینی جاپانی اور ویت نامی اور بھی دیسوں کے لوگ یہاں امریکی کپڑے ہی پہن لیتے تھے۔ خواہ جسم جیسے بھی ہوں۔ پر دکھشن ایشیائی عورتیں اپنی ہی ساڑیاں کرتے پاجامے کو زیادہ موزوں سمجھتی ہیں اور انہی کو ہی پہننا چاہتی ہیں۔ یو پینٹ شرٹ کا پہناوا اسے ایک طرح سے بچاتا بھی تھا۔ خاص طور پر سیلز گرل کی نوکری میں جب کسی ہندوستانی کے ہاتھوں پہچانی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ تب یہی پینٹ کوٹ اس کی مدد کرتا تھا۔

امریکی اسے اس ڈریس میں زیادہ تر ہسپانوی سمجھتے تھے۔ ہسپانویوں کا رنگ بھی

ہندوستانیوں جیسا گیہوں سا ہی ہوتا ہے۔اگر کوئی ہندوستانی پوچھ لیتا تو گول سا جواب دیتی کہ پاکستان سے یا افریقہ سے ہے' اپنا صحیح تعارف نہیں دیتی تھی۔

گڈو ی پہچان' اس کی شناخت اس کے ساڑھی پہننے سے ہی بنتی ۔دفتر سے گھر لوٹتے ہی وہ کپڑے بدل کر سیٹ ہو جاتی تھی پنکی اس بات سے خوش تھی کہ لائبریری میں پہناوے سے کوئی خاص سروکار نہیں تھا۔ پر ساڑی وہ خود ہی نہیں لگتے ۔یہاں بڑے بچوں کو ہندوستانی کپڑے پہننے میں تکلیف ہوتی ہے۔رادھیکا نے تو گیتا سے خوب جھگڑا کیا تھا۔جب ایک مرتبہ سکول کے فنکشن میں گیتا نے اپنے دیور کے بھیجے ہوئے نئے کرتے پاجامے کو پہننے پر مجبور کر دیا تھا۔گھر لوٹ کر آ رہی تھی۔

Mummy by the way, I felt very uncomfortable in this out fit but.

But کیا۔۔''

''میں نے کہا تھا ناں۔کچھ لوگوں نے شکایت بھی کی تھی۔اپنی چیز کا کم مول مت کرو۔ہندوستانی تہذیب کو تم جتنا جاننے کی کوشش کرو گی اتنا ہی اس کی اہمیت تمہارے سامنے کھلے گا۔اس دیس میں کیا ہے۔دو سو برس کا تو سارا اتہاس ہے۔تم کو تو اپنے ہندوستانی ہونے پر فخر ہونا چاہئے۔''

''لیکچر شروع کر دیا ناں مام''

''تم نے پھر مجھے مام کہنا شروع کر دیا ناں۔تم ممی کیوں نہیں کہتی''

''مجھے نہیں معلوم' وہ سب جو ہندوستان میں ہے وہی ہم پر لاگو ہوتا ہے' لیکن ممی

" But Mummy is not Indian, it is British. I think in India it is Biji, Am I right.

ممی از سویڈش''

رادھیکا کے اس جواب سے گڈو کو ہنسی بھی آ گئی تھی' ساتھ ہی یہ احساس ہوا تھا کہ

یہاں پڑھے ہوئے یہ بچے ہندوستانی طورطریقوں' ریت رواجوں سے کیسے انجان ہوتے جارہے ہیں۔

رادھیکا کا سب سے بڑا مسئلہ بنتا جارہا تھا اس کا ہندوستانی ہونا گھر اور گھر سے جڑے رشتہ داروں کی حد تک تو ٹھیک بات تھی۔ پر سہیلیوں کے تعلق میں اسے ہندوستانہ ہونے پر شرم آتی تھی۔ سکول میں لنچ کیلئے چیز' ھیم اور سلامی کا سینڈوچ تو لے جاتی تھی' مگر پراٹھا کبھی نہیں لے جاتی تھی' خواہ بھوکا ہی رہنا پڑے کینکا ایسی نہیں تھی۔ وہ اپنے ہندوستانی ہونے کو چھپاتی نہیں تھی۔ کینکا بڑی ہی سمجھدار'عقلمند اور پڑھائی لکھائی میں سب سے آگے تھی۔ کینکا کی سب تعریف کرتے تھے۔ کینکا کی زیادہ سہیلیاں بھی نہیں تھی۔ اچھے جانکار کافی تھے۔ کینکا میں اپنے آپ پر خود اعتمادی بھی تھی یا شاید والدسے ملے سنسکاروں کا مرتھا کہ ہندوستانی کے روپ میں خودکو منواتی تھی۔ اپنے ہندستانی ہونے کا دعویٰ کرتی تھی۔ چاہے یہ دعویٰ ہندوستانی وراثت کا تنا نہ ہی ہو جتنا اپنے کینکا ہونے کا تھا۔ اپنے کچھ خاص ہونے کا خیال کینکا کو ہمیشہ رہتا۔ گھر اور باہر دونوں نے ہی اس احساس کو پروان چڑھا دیا تھا۔

رادھیکا بھی تھی مگر گھر والوں کو کینکا کے سامنے بہت اوشط درجے کی لگتی تھی۔ رادھیکا گھر میں اپنی خاص جگہ نہ بنا پانے کی وجہ سے شروع ہی سے گھر باہر ہی اپنی جگہ تلاش کرتی رہتی تھی۔ اشوک لڑکا ہونے کی وجہ سے خاص تھا ہی۔ گھر مین کوئی دوست یا رشتہ دار آجاتا صرف کینکا کے متعلق ہی باتیں ہوتی تھیں بہت Bright ہے۔ فلاں پروفیسر نے یہ کہا' فلاں انعام ملا' فلاں مضمون پر ھ رہی ہے' ڈاکٹر بننے کا ارادہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ رادھیکا کی دنیا اس کی ڈھیر ساری سہیلیاں تھیں' کبھی وہ سہیلیوں کے گھر ہوی اور کبھی وہ ان کے گھر۔ یا پھر سب لڑکیاں سڑکوں کی پٹڑیوں پر یا پارک میں ہوتی تھیں۔ یہ لڑکیاں سکول میں اس کے ساتھ پڑھنے والی تھیں۔ ان میں کئی نسلیں شامل تھیں۔ یہودی' ہسپانوی اور چوتھی پانچویں پیڑھی کے بعض

امریکیوں کے امریکن بچے۔اس کی گیارہ خاص سہیلیوں مین سے نو کے ماں باپ طلاق شدہ تھے۔زیادہ تر کے ماں باپ یہیں اسی شہر میں رہتے تھے۔بچوں کا وقت ماں باپ کے درمیان بٹا ہوا تھا۔جیس اکہ ہفتے کے سکول جانے والے پانچ دنوں میں مان کے پاس رہتے تو ویک اینڈ باپ کے پاس۔

ٹوٹے خاندانوں کی یہ لڑکیاں عجیب طرح کی بے پرواہ اکھڑ اور کچھ اجڈ قسم کی تھیں اور چیخ چلا کر بولنا اور بات چیت میں تمام گالیوں کا استعمال اور تو تڑاک' ڈھیٹ پن سے جواب دینا ان کا مزاج بنا ہوا تھا۔ایک لڑکی کے پتا کی تبھی تبھی تیسری شادی ہوئی تھی۔ گیتا نے اس سے پوچھ لیا کہ نیا پتا اسے کیسا لگتا ہے۔تو جواب ملا I don't care۔۔باتوں میں ان کہی کی چوٹ ظاہر تھی۔یہی ارمانوں بھرا رخ تو اس لڑکی نے پورے سماج کیلئے اپنایا ہوا تھا۔

گیتا کو ہی ڈر سا رہتا تھا کہ رادھیکا بھی ان لڑکیوں کی رح گستاخ بے شعور اور ڈھیٹ نہ بن جائے۔مگر رادھیکا کو اس ی سہیلیوں سے الگ کرنا ممکن ہی نہیں ہو سکتا تھا۔اس کی جان تو وہیں بستی تھی۔سکول سے ہی سہیلیوں کے ساتھ کہیں نہ کہیں جانے کے پروگرام بن جاتے۔گھر پر ہوتی تو ٹیلیفون پر سہیلیوں سے باتیں کرتی رہتی۔اگر روکو تو جواب ملتا ہوم ورک ڈسکس (Discuss) کر رہی ہوں نہ کروں کیا؟ گیتا کو رادھیکا کے ایسے جواب چبھنے لگتے۔سمجھانے لگتی کہ کینکا کی طرح سے اسے بھی سمجھدار اور لائق ہونا چاہئے تو رادھیکا بھڑک اٹھتی' کہتی'

''I can't stand the training of this sister تم ہمیشہ اس کی تعریف کرتی رہتی ہو' اس کی طرف داری کرتی ہو' چاہے وہ کتنی ہو قصور وار کیوں نہ ہو کتنا ہی مجھے تنگ کرے۔

رادھیکا کینکا کیلئے Terror جیسے الفاظ کا استعمال کرتی۔گڈو جب گیتا کے ہاں تھی تو جیجا جی نے رادھیکا کو زور سے جھانپڑ دیا تھا۔بڑی لڑکیوں کا مارے جانا

گڈو نے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے پتا جی نے کسی لڑکی کو کبھی ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ بھائیوں کی پٹائی ضرور کبھی کبھی ہو جایا کرتی تھی۔ بیٹیوں کی پٹائی یا غصہ کرنے کا کام ماں کا ہی تھا۔ بات چھوٹی بھی تھی اور بڑی بھی۔ سوال نظریہ کا تھا۔ رادھیکا کی ایک سہیلی کے گھر Slumber پارٹی تھی۔ (پارٹی جس میں رات بھر وہیں سہیلی کے گھر سونا) گیتا نے اسے رات وہاں گزارنے کی اجازت دے دی تھی۔ پر جب جیجا جی سے بات ہوئی تو بولے ایسے ہی باہر رات گزارنے دیں گے تو کیا پتہ کب لڑکیوں سے ملے اور کب لڑکوں سے۔ ایسی Slumber پارٹیوں کی عادت ہی مت ڈالو۔ رادھیکا خوب چلائی تھی۔

I do not them days ago that I was going to come. What will they think. I can't ditch them.

رادھیکا کیلئے سب سے زیادہ اہمیت ان سہیلیوں کی تھی کہ انہیں ناراض کیسے کرے۔ وہ اس کا سماج تھا اور ان کی دوستی رادھیکا کیلئے سماجی طور پر شناخت رکھنے کا ثبوت تھی۔

سہیلیوں کے اشارے ہی اس کی زندگی کی دشائیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ممی ڈیڈی کو تو یہاں کا کچھ پتہ نہیں۔ ہمیشہ ہدائتیں ہی دیتے رہتے ہیں' کہ ایسا رہا کرو' ایسے کپڑے پہنو' یہاں مت جاؤ اپنے ہندوستانی رہن سہن' ریت رواج اس پر بھی لادنا چاہتے ہیں۔ وہ ان کے طور طریقوں پر چل کر کینکا کی طرح دوستوں کے بغیر نہیں رہنا چاہتی۔ کینکا کا اکیلے گھر بیٹھنا اچھا لگتا ہوگا۔ مگر وہ تو بیزار ہوتی ہے۔ جیجا جی کہہ رہے تھے۔ ''تیری سہیلیاں ہم سے زیادہ اہم ہیں جو تو ان کو ناراض نہیں کر سکتی اور ہماری بات کی کچھ اہمیت نہیں۔'' رادھیکا نے پیر پٹک کر کہا تھا'

"I can't care. I am going"

جیجا جی کو تب بہت ابال آیا تھا۔ لگاتار تھپڑ مارتے ہوئے بولے ''بے شرم تو مجھے

جواب دیتی ہے۔ نکالتا ہوں تیری ساری اکڑ۔ ہم نے اپنے باپ کے سامنے کبھی آنکھ تک نہیں اٹھائی اور تیری یہ ہمت جواب دیتی ہے۔ میرے سامنے کبھی ایک لفظ بھی نکال تو منہ سے ہڈی پسلی ایک کر کے رکھ دوں گا تیری۔ یہی کچھ سیکھ رہی ہو تم سکول میں۔ ماں باپ بھونکتے رہیں اور تم من مرضی کرو۔ کہے دیتا ہوں' مین تمہارا باپ ہوں اور تمہیں ہر برح یری بات کی پرواہ کرنی پڑے گی۔ چلی ہے میرے آگے زبان چلاتی ہے۔ ابھی تو تمہارا دیا نہیں کھاتا۔ جب بوڑھے ہو جائیں گے تو تب دیکھوں گا۔ پتہ نہیں کیا حال کرو گے ہمارا؟''

رادھیکا اس 'Slumber' پارٹی میں نہیں جا پائی تھی۔ اپنے غصے کے آوے کو ان نے اندر ہی اندر رہنے دیا تھا۔ دھماکہ اور بھی زیادہ نقصان کر سکتا تھا۔ پر دل میں کتنی بار اپنے آپ سے کہا تھا "I hate him, I hate him" جہاں تک ہو سکے وہ ڈیڈی ذنجھتی اور کم سے کم بات کرتی تھی۔ یوں بھی باپ بیٹی میں زیادہ ڈائیلاگ پہلے بھی نہیں تھا۔ ان کی ڈیوٹی کے اوقات ہی ایسے تھے کہ جب بچوں کے گھر آنے کا وقت ہوتا تو ان کے جانے کا۔ بچوں سے ملنا ایک طرح سے ویک اینڈ پر ہی ہوتا تھا۔ ضرورت ہونے پر کام سے فون کر لیتے تھے فون پر زیادہ تر بات کینز کا یا گیتا سے ہی ہوتی تھی۔ کینز کا کو جیجاجی بہت چاہتے تھے۔ ان کے کام پر اس کا اتنا اثر تھا کہ اپنے سے زیادہ کینز کا کے فیصلوں کو اہمیت دیتے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ اتنی بڑی عمر میں اس دیس میں آنے سے وہ وقت اور فیصلہ کی قوت کھو چکے ہیں اور اب نئے سرے سے یہاں کے طور طریقوں کو سمجھ کر کچھ کرنے کا دم اب ان میں نہیں رہا تھا۔ ڈورمین کی نوکری ایک کام چلاؤ انتظام تھا۔ مگر آہستہ آہستہ انہیں لگنے لگا تھا کہ یہاں اس سے بہت کچھ نہیں ہو سکے گا۔ بزنس شروع کرنے کیلئے دوڑ دھوپ کی تاپ نہیں رہی تھی۔ ایک طرح سے اپنے آپ کو کمزور اور نا کام مان کر اپنے آپ سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اب کینز کا ان کی دبی ہوئی خواہشات' امیدوں اور ممکنات کا مرکز تھی۔ اسی

لئے وہاں کی پڑھائی مین بے حد دلچسپی لیتے تھے۔ کینزکا کے ذریعے سے وہ خود اس لیول ی تعلیم پا رہے تھے۔ اسے ڈاکٹری پڑھنے کا بڑھاوا دیتے۔ ہر شخص محسوس کرتا ہے کہ ڈاکٹری کا پیشہ اس ملک میں ہر آدمی کو امیر بنا دیتا ہے۔ اس لئے خواہ کورین ہو یا جاپانی، ہندوستانی ہو یا پاکستانی، بچوں کو اسی رستے پر لگا کر وہ ان کی جون سدھار کر اپنی جون سدھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیجا جی کیلئے مستقبل کا سب سے زیادہ نفع کمانے وال سب سے زیادہ اچھی انوسٹمنٹ کینزکا جیسا ہونے کا ثبوت نہین دیا تھا۔ جیجا جی انہیں کینزکا جیسا بننے کو کہتے اور انعام واکرام حاصل کرنے پر ایک رول ماڈ کے روپ میں پیش کرتے۔ کینزکا پر یہ بوجھ بھی بن جاتا۔ ماں باپ کی امیدوں کے آکاش پر ٹکے رہنے کیلئے اسے بہت سی لڑکپن کی خواہشوں کو مارنا پڑتا۔ لگاتار ہر کلاس میں اول آنے کیلئے اسے زبردست محنت کرنی پڑتی۔ اس سے اس ی صحت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ پڑھائی کا فکر ہر وقت دماغ پر سوار رہتا۔ گیتا اس کے کھانے پینے کو لے کر خوب ہلا مچاتی ''کھائے گی نہیں تو پڑھے گی کیسے، جب کھانے کا وقت ہوتا ہے تبھی تیری بھوک مر جاتی ہے۔ آج میں نے کچھ نہیں سننا۔ آج تیری پسند ہی کی چیزیں بنائی ہیں میں نے۔ آلو بینگن کی سبزی اور پکوڑوں کی کھٹی کڑھی۔ کھائے گی نہیں تو تیرے ڈیڈی کو بھی برا لگے گا۔''

گیتا جتنا اصرار کرتی، کینزکا اتنی ہی بیزار ہوتی۔ کینزکا کو جتنی اہمیت اپنے گھر میں ملتی وہ خود کو اس سے زیادہ کا حقدار سمجھتی تھی۔ اسے ماں باپ اور بہن بھائی، کوئی بھی اپنے برابر کا حقدار نہیں لگتا تھا۔ گھر کے کسی بھی معاملے میں وہی جیسے سب کا چارج لے لیتی تھی۔ ملنے جلنے والوں کیلئے یہی اس کا رخ بن رہا تھا۔

گڈو کو لگتا کہ کینزکا بڑی گھمنڈی ہے۔ بات چیت میں بڑی ملائم اور باتمیز مگر رخ ایسا تھا جیسے اور سب فالتو لوگ ہوں۔ انگریزی زبان پر اچھا عبور ہونے کی وجہ سے وہ لفظوں کا ایسا استعمال کرتی کہ اوپر سے نبر نہیں آتا تھا اور بات بھی پہنچا دیتی

تھی۔ گڈو نے نوکری ڈھونڈ نے کے سلسلے میں اکثر ایسی زبان سنی تھی۔ یہاں کڑوی باتوں کو میٹھے ڈھنگ سے کرنے کے محاورے بن گئے تھے جیسا کہ ایمپلائمنٹ ایجنسی کی سیکرٹری کی بات کہ ساڑھی میں آپ بہت سندر لگتی ہیں مگر وہ کام کرنے کی پوشاک نہیں۔ گڈو نے ماں کو ساری عمر اسی لباس میں برتن چوکا کرتے دیکھا تھا' مگر دفتر کا کام کیوں نہیں ہوسکتا۔ یہ تو عادت کی بات ہے پر جن لوگوں سے نوکری لینی ہے ان سے خواہ مخواہ کی بحث کرنے سے کیا فائدہ۔

کینڈا کا گھر بھر میں اگر کوئی اختلاف کرتا ہے تو وہ صرف رادھیکا تھی۔ اسے کینڈا کی تانا شاہی قطعی منظور نہیں۔ وہ ایک کھلی' آزاد مقامی امریکی لڑکی طرح رہنا چاہتی ہے۔ ہندوستانی روایت اور رواجوں کی باتوں سے اس کا کوئی سروکار نہیں۔

گڈو اور گیتا جب ہون منتروں کو گاتی ہیں تو رادھیکا کیلئے وہاں بیٹھنا سزا سے کم نہیں ہوتا۔ جن باتوں کا اس کی روزمرہ کی زندگی سے واسطہ تک نہیں' جن کا مطلب تک نہیں سمجھتی ان باتوں کو کیوں زبردستی رادھیکا پر لادا جاتا ہے؟ ممی' ڈیڈی کا دل رکھنے کیلئے اس نے گائتری منتر بھی سیکھ لیا ہے۔ کچھ بھجنوں کی ایک آدھ لائنیں بھی آ گئی ہیں پر ان سب کا مطلب کیا ہے! اسے اچھی لگتی ہیں تو بس چٹکیلی چمکیلی ہون کی لپٹیں' سامگری ڈالنے سے جب وہ بھڑکتی ہیں تو رادھیکا کو اس کھلواڑ میں بڑا مزہ آتا ہے۔

اس کے ممی ڈیڈی اتنے دقیانوسی کیوں ہیں؟ وہ اسے سب کچھ کیوں نہیں کرنے دیتے جو وہ کرنا چاہتی ہے؟ دوسری لڑکیوں کے ماں باپ تو اتنی چھوٹ دیتے ہیں۔ تب رادھکا کے ساتھ بےوجہ پابندی کیوں لگائی جاتی ہے؟ ایک نیا سنسار گھڑنے لگتی ہے رادھیکا۔۔اس کا نام ہے سیلی۔۔نہیں، جینی یا لورا شاید سب سے سندر نام ہے۔ اس کی ممی اور ڈیڈی ہیں مسٹر اینڈ مسز جانسن ایک بار ممی ڈیڈی سے کہا تھا ”میں سکول میں اپنا نام بدل کر لورا رکھ لوں۔“

”یہ سب کہاں سے سیکھی ہے تو؟“

”نام بدلتے میں ایسا کیا ہے؟“ تڑاخ سے ایک طمانچہ پڑا تھا جیجا جی کا ”کوئی بات سمجھ میں آتی ہے تجھے۔ نام بدل لے گی تا بتا تیرا ہم سے رشتہ ہی کیا ہے؟ جاؤ جاؤ نام بدل لو اس کے بعد چمڑی بھی پر اپنی آتما کو کیسے بدلے گی۔“

”مگر آتما تو وہ پہلے ہی بدل چکی ہے“ یہ فقرہ گیتا نے کہا تھا۔ جیجا جی کو کہیں گہرا لگا تھا یہ فقرہ۔۔اور شاید اسی میں سچائی تھی۔

رادھیکا نے اپنی سہیلیوں کو اپنا نام لورا ہی بتانا شروع کر دیا تھا۔ جو پہلے سے جانتی تھیں انہیں بھی کہا تھا کہ اب لورا ہی بلائیں۔ رادھیکا کے ساتھ شاپنگ کرتے ہوئے سٹور میں ہی گیتا کو جب اس کی یک سہیلی ملی تو اس نے تعارف کراتے ہوئے گیتا کو مسز جانسن کے نام سے ہی بلایا۔ گیتا کہنے کو ہی تھی کہ آپ کو غلطی ہوئی ہے کہ تبھی رادھیکا نے درمیان میں ٹوٹی پھوٹی ہندی میں بولی۔۔”ممی وہ تو میں نے مذاق میں اپنا نام لورا جانسن بتا دیا تھا۔ آپ کے ہندوستانی نام کسی کی سمجھ میں نہیں آتے سب ’ریڈھیکا‘ بلاتے ہیں۔

اپنے نام کا تلفظ منہ بگاڑ کے کرتی رادھیکا کو دیکھ کر گیتا کو ہنسی بھی آ رہی تھی اور اس کا ماتھا بھی ٹھنکا تھا۔ گڈو کو لگتا کہ ایک طرح سے تو اچھا ہے کہ رادھیکا یہاں کی

زندگی میں گھل مل گئی ہے۔اب آگے چل کر Adjust کرنے میں آسانی رہے گی ورنہ راجو یہاں کی زندگی اور سماج سے کتنا کٹا کٹا سا اور اکیلا ہے۔راجو کے سب سے قریبی ملنے والے گیتا کے بچے ہی تھے۔ویک اینڈ وغیرہ پر اشوک سے مل لیتا تھا۔دونوں فٹ بال کھیل لیتے تھے۔سکول کے لڑکوں سے ملنا جلنا کھیلنا سکول تک ہی تھا۔ ڈر تھا کہ کہیں بیسمنٹ کی وجہ سے ہی راجو دوستوں کو گھر بلانے سے تو نہیں کتراتا۔ راجو نے ایسی کسی ممکنہ دعوت سے انکار کر دیا تھا۔شاید ماں کو دکھ نہ پہنچانا چاہتا ہو'اس لیئے نوکری ملتے ہی گڈو نے پہلا کام گھر ڈھونڈنے کا کیا تھا۔بڑی بیٹی انیما کے امتحان ختم ہو جانے تھے دو تین مہینوں میں۔اسے امریکہ آنے کے ٹکٹ بھیجنے تھے۔

نوکری کے کچھ ایک مہینوں میں ہی گڈو نے تین کمروں کا ایک اپارٹمنٹ لے لیا۔کرایہ تین سو ڈالر ہی تھا اور پانچ سو ڈالر مین انہون نے گڈو کو سارے کا سارا فرنیچر بھی بیچ ڈالا تھا۔سو دابر انہیں تھا'فرنیچر ٹھیک ٹھاک تاھ۔دھیان سے دیکھیں تو کچھ میل یا جھریاں یا چائے کا داغ نظر آجاتا تھا۔مگر دور دور سے دیکھنے پر صحیح لگتا تھا۔کھڑکیوں پر گرے پردے اور فرش پر بچھا والٹووال قالین'تازہ دھلے لگ رہے تھے۔پہلی جولائی سے وہ اپنے مکان میں چلی جائے گی۔۔یہ سوچ کر ہی رومان چھو آیا تھا اسے۔اب وہ کسی کو بھی گھر پر بلا سکتی ہے'ڈاکٹر جونیجا کو بھی۔ان کے جیسا محل نہ سہی مگر انسانوں کے گھر جیسا گھر تو لگے گا۔ورنہ وہاں رہتے ہوئے اسے یوں لگتا تھا کہ کسی اور جون میں بدل گئے ہوں۔اب راجو کیلئے الگ کمرہ تھا اور گڈو کیلئے الگ۔ایک تیسرے کمرے کو بیٹھک بنایا گیا تھا۔کھانے کی میز رسوئی میں ہی تھی۔چھوٹے کمرے تھے مگر راجو گڈو کیلئے کافی تھے۔انیما بھی آئے تو ٹھیک ہی رہے گا۔وہ راجو اور گڈو کسی کے ساتھ بھی کمرہ Share کر لے گی۔

پہلے پہل گڈو نے پنکی اور گیتا کے خاندانوں کو کھانے پر بلایا تھا۔رادھیکا

نہیں آئی تھی۔ گیتا نے بتایا تھا کہ اس نے اپنی سہیلیوں کے ساتھ کوئی پروگرام بنایا ہوا تھا۔ گیتا مجبوری محسوس کر رہی تھی۔ لگتا تھا بہت منتیں کی ہوں گی گیتا نے اس کی۔ اس کا یوں یہاں نہ آنے میں ایسی کوئی بڑی بات نہیں تھی مگر گڈو کو احساس ہوا کہ بٹن ایج کے ایسے مسئلے تینما انیما کی وجہ سے اسے نہیں جھیلنے پڑے تھے۔ وہ دونوں کھیلتے کھالتے ہی کالج جانے کی عمر کو پہنچ گئی تھیں۔ ہوسکتا ہے گڈو ہی اپنے روزمرہ کے کاموں میں بے خبر رہی ہو۔ لیکن خاوند کے مرنے کے بعد وہ بچوں کے بہت قریب ہوگئی تھی۔ اس کی دونوں بیٹیاں ہر چھوٹی بڑی بات اس سے Share کرتی تھیں۔ گڈو نے اپنی طرح کی ایک مضبوط ٹینکا میں دونوں کو ڈھالا تاھ۔ بڑی بیٹی انیا پوری طرح ماں کے اثر میں رہتی تھی۔ اسے ماں کے چال چلن، اس کی قربانی پر بہت گہرا وشواش تھا۔ پتا کے نہ ہونے پر ماں ہی سب کچھ تھی۔ وہ باہر کے ہر کام میں ماں سے سیکھتی۔ ہدایات پر بھروسہ کرتی۔ گڈو نے اپنے طور طریقے اپنے خیالوں کو انیا کے دماغ میں اس طرح سے بھر دیا تھا کہ وہ انیا کے اپنے خیال اور وشواش بن گئے تھے۔ گھر کے مسئلوں میں بھی انیا اپنا حصہ بٹانے لگی تھی۔ گڈو کے امریکہ آجانے کے بعد سے انیا نے سیما کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی ہوئی تھی، حالانکہ عمر مین دو ہی سال بڑی تھی۔ مگر پوچھتا چھ ماں جیسا ہی کرتی تھی۔ ''پیسے تو نہیں چاہیے؟ یا ماں تو نہیں یاد آرہی؟ اگلے اتوار کو آؤں گی تو اکٹھے مووی دیکھنے چلیں گے۔'' انیا لمبی لمبی چھٹیوں میں گڈو کو پورے حال لکھتی ہے۔

''ممی اب بالکل فکر مت کرنا۔ ہاسٹل میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ میرا دل خوب لگا ہے۔ سیما میڈیکل مین اپنی کلاس میں کلاس میں اول ہی رہتی ہے۔ بائی دی وے اس کا یہاں ایک دوست بھی ہے، شاید وہ سنجیدہ بھی ہے۔ وہ خود آپ کو لکھے گی۔''

لفظ دوست گڈو کو چونکاتا ہے۔ ایک ساتھ کئی بھاؤ من میں ابھرتے ہیں۔ بیٹیوں کیلئے انام سے ڈر، اور اپنی جوانی کی بھولی سی یاد۔ سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے

بس۔ دل ہی دل میں گڈو دعا دیتی ہے۔ راجو کی طرف دیکھتی ہے ہو بھی کتنا خوش ہو گا جب انیا سیما سے گھر بھر جائے گا۔ گڈو بھول گئی کہ دونوں بہنیں آپس میں کتنا جھگڑتی تھیں۔ اب تو ان کی یاد میں مٹھاس تھی۔ انیا سیما کے خطوں میں کسی کھٹ پٹ کا ذکر نہیں تھا۔ بس ایک دوسرے کا خیال تھا۔ جیسے اچانک دونوں کی دونوں بڑی ہو گئی ہوں۔

گڈو کی آنکھوں میں اپنے بھرے پرے گھر کی صبح کا اجالا چھا جاتا ہے۔ "پہلی دھوپ کی کرنوں سے ڈھکی وہ صبح کتنی اپنی، کتنی پہچانی تھی۔ چڑیوں کی چہک ہی اس کیلئے صبح کا الارم تھا۔ اس کے بعد دودھ والے کی ہانک اسے پوری طرح جگا دیتی تھی۔۔۔ تو بس آوازوں کا تانتا ہی لگ جاتا تھا۔ سڑکوں پر جھاڑو کی سرسراہٹ۔ جاتی باہر کے سوکھے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ، سڑکوں پر جاتی سائیکل، رکشے کی گھنٹیوں کی ٹنٹناہٹ۔ سبزی والے اور ڈبل روٹی کی گھاری سی آوازیں۔

"بی بی جی سبزی لینی ہے۔"

"بی بی جی ڈبل روٹی والا"

یکبارگی گڈو کی ساری حسیات ان پہچانی آوازوں کیلئے جھٹپٹا اٹھیں۔

یہاں کی صبح اسے کتنی سونی لگتی تھیں۔ اپارٹمنٹ کے اندر خاص طور پر پردے گرے رہنے کی وجہ سے پتہ نہیں چلتا تھا۔ وہ ریڈیو الارم، پاپ سنگیت یا تیزی سے بولے جانے والے کسی اشتہار کی آواز سے اٹھتی ہوئے تو بس کام پر جانے کی ہڑبڑی مچ جاتی ہے۔ ادھر چائے کا پانی ابلنے کیلئے رکھتی ہے تو ادھر ساتھ ہی ٹوتھ پیسٹ وغیرہ شروع کر دیتی ہے۔ باہر تیزی سے گزر جانے والی کاروں، لاریوں کا کان چیرنے والا شور پل پر سے گزرنے والی گاڑیوں کی نسوں کو تڑکا دینے والی دھڑ دھڑاہٹ، جیسے صبح کے ساتھ ریپ کیا جا رہا ہو۔

سردیوں کی صبح کا اجالا بھی سلیٹی سا ہوتا ہے۔ بادل یا آسمان یا برف کی گرد سے

دھندلایا ماحول۔ نہ کوئی کچی اوس ڈھلی دھوپ کی مہک' نہ ہی ہریالی نہ پھولوں کی گیلی خوشبو۔ سب کچھ ایک دم کنکریٹ کی پکی عمارتیں' پکی سڑکیں پکے گھر کسی یہودی کی گروسری کے پاس سے گزر جاؤ پاس سے گزر جاؤ تو ناک کو کافی کا بھبکا سا لگتا تھا۔ فاسٹ فوڈ کی جگھوں پر صبح کے ناشتے کیلئے تلے جاتے انڈوں' سوسیج' کدوکش کیئے بھنے آلوؤں اور مکھن لگے ٹوسٹوں کی چکنی بو اس میں موجود رہتی تھی۔

پٹڑیوں پر جگہ جگہ کالے پلاسٹک کے کوڑے سے بھرے تھیلے جو Sanitation Department کے کوڑا اٹھانے والے ٹرکوں کے انتظار مین گرے ایک دوسرے سے مل کر بدبو چھوڑتے رہتے ہیں۔ صبح صبح ان تھیلون کا سامنا کرتے ہی گڈو کو ہندوستان کی گندی کھلی نالیون کی یاد آجاتی ہے وہ اپنے سے کہتی ہے:۔

''کہ ہم صاف رہنے کا دعویٰ تو نہیں کرتے مگر گندے بدبودار چیتھڑوں مین لپٹے بے گھر بوکھلائے انسانو کی بھیانک تصویریں اس نے انہی پٹڑیوں پر دیکھی ہیں۔ اتنی امارت اور انسانیت کا دم بھرنے والے دیس کی عمارتوں کے قدموں میں ایسی شرمناک بستی ہے۔''

اس شام شاپنگ کی وجہ سے وہ مینہٹن دیر سے گھر آرہی تھی۔ راجو اس کے ساتھ ہی تھا۔ بہت تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ کوٹ پہنے بھی جسم ٹھنڈا ہونے لگتا تھا۔ ریڈیو' ٹیلیویژن پر ٹھنڈ سے بچنے کی ہدایات دی جارہی تھیں' اس نے دیکھا تھا کہ ایک دوکان کے آگے پٹڑی پر چیتھڑوں میں لپٹا انسان پھٹے کمبلوں کا بستر بنا کر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

راجو نے کہا ''ممی اتنی ٹھنڈ میں رو یہ مر جائے گا اسے گھر لے چلو۔ گڈو کو اس آدمی سے بدبو اور گھن سی آرہی تھی۔ مگر راجو کی دریا دلی میں آڑے نہیں آنا چاہتی تھی بولی ''لینے کو تو لے چلیں پر یہ جائے گا ہی نہیں۔''

”ممی بات کریں میں پوچھتا ہون اس سے“

راجو نے انگریزی میں اس سے کہا ”کیا تمہارے پاس گھر ہے کیا تم ہمارے ساتھ چلو گے“

اس آدمی نے اس کی طرف دیکھا ہی نہیں شاید اسے بھی سڑک پر جاتے لوگوں کا عام سا شور لگا ہو۔ جواب نہ پا کر راجو اپنا سوال چہرانے ہی جا رہا تھا کہ ایک گزرتے آدمی نے اس سے کہا۔

"Don't try to talk to him. He is drunk and mad."

۔۔گڈو نے راجو کو کندھے سے کھینچ کر دور ہٹا لیا۔ اگر واقعی پاگل اور شرابی ہے تو مار ہی نہ بیٹھے۔ ”رہنے دے تو راجو' یہاں لینے کے دینے ہی نہ پڑ جائیں۔ وہ کہتے ہیں ناں 'ہوم کرتے ہاتھ جانا' بس ویسے ہی کچھ نہ ہو جائے چل چل۔ گڈو راجو کو کوٹ سے کھینچتی سب وے کی طرف بڑھنے لگی۔ راجو اپنے خیالات میں بدستور مگن تھا۔ ”ممی اگر اسی ڈر سے لوگ ان لوگوں کی مدد نہیں کریں گے کہ یہ کہیں شرابی اور پاگل نہ ہو' تب تو بیچارے ایسے ہی مر جائیں گے۔

دیکھ راجو اپنی جان کا خطرہ لے کر دوسروں کی بھلائی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم تو خود اتنی خستہ حالت میں ہیں۔ مشکل سے تو گزارہ ہوتا ہے۔ ہم سے تو امید ہی نہیں کی جانی چاہیے کہ ہم ان کیلئے کچھ کریں۔ جو یہاں کروڑپتی ہیں وہ ان کیلئے کیوں نہیں کچھ کرتے؟ جب ہمارے پاس ڈھیر سارا روپیہ آ جائے گا تو ہم بھی کچھ نہ کچھ کر دیں گے۔

ممی میرا سوشیالوجی کا ٹیچر کہتا ہے کہ ہر کام میں کچھ نہ کچھ رسک ہوتا ہو۔ کسی کی مدد کرنے میں بھی۔۔ مگر ممی رسک لینے مین کیا برا ہے؟۔“

”راجو تو زیادہ مہاتما بننے کی کوشش مت کر۔ گھر کو بھی دیر ہو رہی ہے۔ نہ اس

نے آنا ہے اور نہ واسطہ۔ فالتو میں وقت بھی ضائع کرے گا۔ بڑا دل کرتا ہے مدد کرنے کا تو ہندوستان میں تجھے ایسے ہزاروں ملیں گے۔ اس سے بدتر حالت ہی میں وہاں لوگ ہوں گے۔''

گدو نے پڑوی والوں کو دماغ کے پچھواڑے ڈال کر بھلا دیا تھا اور ویسے بھی یہاں کے لوگوں سے اس کا کونسا ایسا رشتہ جڑا تھا کہ کوئی گہری ہمدردی ہو سکے۔ گھر کے نوکر مہری یا دھوبی کے بیمار پڑنے پر اس کی مدد کرنا اک عادت سی ہی بنی ہوئی تھی۔ یہاں اسے کسی کیلئے ذمہ داری محسوس نہیں ہوتی تھی۔ یہاں وہ مہمان تھی۔ ایک مقصد تھا آنے کا اور اسی سے ہی سروکار تھا۔ اس دیس کی پڑوی والوں کی زندگی اس کی اپنی ذمہ داری نہیں ہے۔ دوسرے غیر ملکیوں کی طرح وہ بھی یہی سوچتی تھی کہ کما و ما کر اسے واپس لوٹ جانا ہے۔ جب تک یہاں دل لگتا ہے اور دم ہے کماتی رہے گی۔ بچوں کی پڑھائی لکھائی' نوکری اور شادی کا انتظام ہو جائے۔ ڈھیر سا پیسہ لے' جا کر اپنے چندی گڑھ والے مکان میں رہے گی۔ پنکی سی بات پر کہہ دیتی تھی۔ گڈو بہن جی جب بچوں کو یہاں نوکریاں مل جائیں گی تو آپ اکیلے ہندوستان میں کیسے رہیں گی۔ سارے ہندوستانی بس لوٹنے کا کہتے ہی ہیں' لوٹتا کوئی نہیں۔ ایک بار ڈالروں کا چسکا لگ جاتا ہے تو پھر کہیں اور گزارا نہیں ہوتا۔ گڈو ابھی زیادہ سوچ نہیں پائی تھی کہ اس کی منزل ابھی دور ہے۔ بولتی ان باتو کو سوچ کر کیوں پریشان ہوں پنکی۔ جہاں وقت کی دھار لے جائے گی چل دیں گے۔ اتنا آگے کا کسی کو کیا پتہ' میں تو بس سال دو سال کا ہی پلان کر کے آگے بڑھتی ہوں۔''

گڈو کی اس پلاننگ میں وہ اور اس کے تین بچوں کے باہر کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس سے زیادہ کا بوجھ وہ اپنے موجودہ حالات میں اٹھا بھی نہیں سکتی تھی۔ گڈو یہ بات محسوس کرنے لگی تھی کہ یہاں آ کر وہ بری خود غرض ہوتی جا رہی ہے۔ چندی گڑھ میں پڑوسیوں اور کولیگ کے دکھ درد میں نہ چاہتے ہوئے بھی شریک ہو جاتی تھی۔ مگر

یہاں کسی طرح کی Commitment نہیں ہے۔ زیادہ تو ہندوستانی اپنے فائدے اور ترقی کے سلسلے میں ہی بات کرتے ہیں۔ سماجی یا راجسیتی کی سطح پر کسی طرح کا فکر اور دھیان بھی نہیں ہے۔ انسانی طور پر اپنے سے کمزور اور ضرورت مند کی مدد کا بیڑا نہیں اٹھاتے ہیں۔ کچھ ایک ہندوستانی ہندوستان میں اپنے خاندانوں کو ضرور پیسہ بھیجتے ہیں۔ اس سے آگے ان کی زندگی کا پھیلاؤ نہیں ہوتا۔ بس جی جان لگا کر کام کرنا اور اس سے اپنے لئے نئی سے نئی آسائش کے سامان کرنا۔۔ اور اسی لئے تو اس ملک میں آتے ہیں۔ اپنے فرق کو مٹانے کیلئے جو لوئر مڈل کلاس سے مڈل کلاس تک اور مڈل کلاس سے ہائی کلاس کے درمیان ہے یا پھر سماج اور خاندان کے بندھنوں کی ذمہ داریوں سے نکل کر ایک کھلا جیون جینے کیلئے آتے ہیں۔

گڈو کا بیوہ پن بھی اس ملک میں کوئی برائی نہیں تھا۔ اس کا رنگین چٹکیلی ساڑھی پہننا اور میک اپ کر کے نکلنا کسی پڑوسن کے دل میں جلن اور رشک بھی پیدا نہیں کرتا تھا۔

☆

مگر دوسری طرف ان کی بیزاری بھی تو گھلتی ہے۔ اس لئے روز نیا فیشن اور زیادہ سے زیادہ چونکانے والے پہناوے ہیں۔ لگتا ہے کہ ریڈیو ٹیلیویژن کے اشتہار چونکا کر سب کا دھیان کھینچنے پر آمادہ ہیں۔ ایشیائی ملکوں میں دلچسپی کی جڑ شاید یہی چونکانے کا بھاؤ ہے۔ وہاں کے روپ رنگ کو نمونوں کے فیشن میں استعمال کر کے یا دوسرے فن کو روپوں میں ملا کر نیا پن تلاش کرنا تا کہ وہ چونکا سکیں۔ نئ ہی بپتا ہے۔ سبھی کا نئے کے پیچھے پاگل ہونا۔ نئے پن کیلئے نئ تلاش صرف آکاروں کو جنم دیتا ہے۔ روح غائب ہو جاتی ہے اور لوگ تو سطح کے اکاروں میں ہی الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ لباس اور میک اپ سے آدمی کے سٹینڈرڈ جانتے ہیں۔

گڈو کو جب پچھلے سال کے فیشن کے کپڑے سستے داموں مل جاتے ہیں، تبھی خریدتی ہے۔ اس کی سپروائزر اس سے کم پڑھی ہے۔ بی۔ اے کیا ہے، لیکن سمارٹ ہے اور قیمتی کپڑے پہنتی ہے۔ قیمتی سوٹ اور نئے فیشن کے کٹے بال۔ سنا ہے ترقی ہونے والی ہے اس کی۔ گڈو کے دل میں چبھن ہوتی ہے۔ اس کے ایم اے۔ بی ٹی کی کوئی پوچھ ہی نہیں۔ اس سے کہیں کم عمر کی لڑکی اس کی باس ہے۔ گڈو کو اب اور بھی سماج میں ترقی کیلئے باتیں سمجھ میں آ رہی ہیں۔ یہاں دو باتیں بہت ضروری ہیں۔ پہلی جسمانی چستی، چالاکی یعنی کہ جسے Smartness کہا جاتا ہے، دوسرا سب کو پیچھے دھکیل خود کو آگے بڑھانے کی ایک بھوک یعنی Aggressiveness۔ جس میں یہ دو خوبیاں موجود نہیں اسے نوکری پانے کیلئے بھی دھکے کھانے پڑتے ہیں اور نوکری پا کر بھی۔ تبھی تو سمارٹ اور Aggressive بننے کی دوڑ میں ہر کوئی شامل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ سمارٹ بننے کی کتنی دوکانیں اور سکول کھل گئے ہیں۔ درجنوں کتابیں اس مضمون پر چھپتی ہیں اور ڈھیروں کی تعداد میں بکتی ہیں کچھ تو بیسٹ سیلر ہیں۔ وہ اس طرح کی کتابیں چھاپتے ہیں۔

"How to make friends." ہر فن کو حاصل کرنے کیلئے راز نئے سے نئے بنے بنائے فارمولے۔ ہر کوئی دوسرے کے فارمولے کو غلط ثابت کر کے اپنا نسخہ پیش کر دیتا ہے۔

سماج اور سیاست میں بھی یہی فارمولے ہیں۔ مکتی اور آزادی کی جو بڑی بڑی باتیں بگھاری جاتی ہیں وہ بھی کیا نئے فامولے گھڑے اور پھر ان میں بندھ جانے کی نہیں ہے۔ لباس بول چال اور تعلقات تک کی تو پابندیاں ہیں۔ پونجی واد کی لگام جس طرح اس ملک کی حرکت ہر پہلو کو کسے ہے جمہوریت اور آزادی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے بھی کیا وہ دوسری طرح کی پابندیوں میں بندھ جانا نہیں ہے؟

انسانیت کا علمبردار بنتا ہوا امریکی، جج کی مسند پر بیٹھ بڑے سچائی کے انداز میں پوچھتا ہے آپ کے ہندوستان میں تو اس صدی میں بھی ذات پات کا بول بالا ہے۔ انسانیت کا اس طرح کا کھلا بٹوارا آج کل کے پڑھے لکھے ہندوستانی کیسے برداشت کر لیتے ہیں؟

تب گڈو کہنا چاہتی ہے۔ اگر ذات پات نہیں ہے تو بلندیوں پر بیٹھا ہر امریکی ہی ایک ہی ذات کا کیوں ہے؟ کیا میں کبھی واپس ہو سکتی ہوں؟ یہاں ذات ہی کا آدھار ہے پیسہ، جسم رنگ کی بنیاد یہاں برہمن ہے، یہودی کھشتری ہے، ایشیائی دیش اور کالے آدمی شودر ہیں۔ ذات پات یہاں کیسے نہیں ہے؟

ادھر راجو بھی اس سے طرح طرح کی شکائتیں ظاہر کرنے لگتا ہے۔ ''ممی میں نے سنا ہے کہ روس میں لوگوں کو کھانا نہیں ملتا۔ سارا پیسہ نیوکلیئر ہتھیار بنانے میں لگا دیتے ہیں۔ کوئی ان کے خلاف آواز اٹھائے تو ایک دم گولی مار دیتے ہیں۔ بڑا خطرناک ملک ہے'' تو امریکی تعلیم کا اثر راجو پر بھی ہو گیا۔ یہاں سکول کی عمر میں ہی بچوں کو سکھا دیا جاتا ہے کہ سمندر پار راکھشس ہے اور اس کا نام سوویت روس ہے۔ اس راکھشس سے نفرت ہی کرنی چاہئے۔ اس کے خاتمے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ تو

کی سچ مچ اس ملک میں آزادخیالی ہے۔ یہاں حکومت لگام نہیں کھینچے گی تو ملٹی نیشنل کمپنیوں کے کرتا دھرتا کھینچیں گے اور وہ حکومت کو بھی دانتوں سے بھینچتے رہیں گے۔

Washing Brain اور کیا ہے؟

ہندوستان میں جہاں غریبی دقیانوسی سماجی بندھن اور کیلے پن کے بھوت ہیں تو یہاں گھور خودغرضی اور تنہائی کے بھوت بستے ہیں اور وہ بھی کروڑوں کی تعداد میں۔ سچے الفاظ بول رہی ہے گڈو ''اے بھگوان ہمارا کلیان ہو' ہمارا کلیان کرو۔ ہون میں جلتے دیسی گھی کی چکنائی کمرے کی ہوا کونم اور بھاری سا بنا رہی تھی۔ راجو چپ چاپ بے لاگ سا بیٹھا ہے۔ جب پنڈت کہتا آگ میں گھی ڈالتا چلا جاتا۔۔ راجو کو کسی مذہب میں یقین نہیں پھر مذہبی رسومات کیوں؟ مگر خلاف کیوں نہیں بولتا۔ کیا یہ اشٹھان راجو' رادھیکا' کینزکا' سیما' اشوک اور ارجن ۔۔کو ہندوستانی تہذیب کا وا ایک بنادے گا۔ تعلیم کا مطلب اشٹھان میں ہی کیوں ہے؟ جو اس کا معنی ہے کیا گڈو بے بھی اس کو پانے یا خواہشوں کے اس ہون میں جو مول ہے اس کا ہون کیا جا رہا ہے۔ ان بے معنی رسموں کو ڈھوتے ڈھوتے وہ ہندوستانی رہ پاتے ہیں نہ امریکی ۔۔ ایک باہر کی ہستی ہونے کا احساس ہمیشہ رہتا ہے۔

ارجن بے سرورکار سا بیٹھا ہے اپنا سیما کینزکا اور اشوک ہون کی کتاب سامنے رکھے منتر بھنبھنا رہے ہیں۔ رادھیکا اس سارے تماشے کو کھلی اڑانے جیسا دیکھ رہی ہے۔ ایک سہیلی بھی اس کے ساتھ ہے جس سے آنکھ ملتے ہی آتی ہنسی کو اس طرح دبا رہی ہے جیسے چلتے رو ارے کو کوئی ایک دم کارک لگا دے۔

پنکی آنکھیں بند کر کے اپنے اندر ہی اندر گنگنا رہی ہے کچھ۔ کمرے کے کونے گڈو اور گیتا کے منتر پاٹ کی جوشیلی آوازوں سے گونج رہے ہیں ایک کونے میں گڈو کا بچپن دبکا بیٹھا ہے۔

آریا سماج ماں باپ کے ہاں ہر اتوار کی صبح ہون ہوتا تھا۔ ایک ماسٹر مہیش جی آیا

کرتے تھے۔ گڈو گیتا اور گڈو کا بھائی اجیت ان سے ویدک منتر اور بھجن سیکھتے تھے۔ پنکی تب پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔ ماسٹر مہیش بی جی کے دھرم بھائی بے ہوئے تھے۔ بچوں کو سکھا کر وہ بی جی سے بات چیت کرتے ان کو بھجن سناتے اور کبھی سنتے بھی تھے۔ جب تک ماسٹر مہیش رہتے بی جی بہت پرسکون نظر آتیں۔ ان کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی کبھی نوکر ہری کا گالی گلوچ شروع کر دیتیں اور کبھی بچوں کو ہی پیٹ دیتیں۔ پتا جی کو برا بھلا کہتی تھی۔ سب لڑکیوں کی شادیاں ہو جانے کے بعد گھر میں گالی گلوچ کیلئے بھی پتا جی ہی بچ گئے تھے۔ بی جی کو ہر بات میں شکایت رہتی تھی۔ وہ ہر غلط چیز کا ذمہ دار پتا جی کو بھی ٹھہراتی تھیں۔ ماں جتنے گھنٹے گیان بھجن کرتی تھیں اتنے ہی گھنٹے گالی گلوچ۔

گڈو اکثر جی جی پتا جی کے رشتے کے متعلق سوچتی۔ کیا بی جی کو کبھی شوہر کا سکھ بھی ملا ہوگا اگر ملا تو بی جی بیماری اور دکھ کو ہی سیکس کے ساتھ کیوں جوڑتیں اور وہ مسٹر مہیش کیا ماں کے دھرم گھائی تھے بھی؟

وہ کیا رشتہ تھا اور وہ گالی گلوچ کیسی؟ مگر اب وہ شاید کسی ممنوعہ حصے میں گھس رہی ہے۔ ماں کے بارے میں ایسا سوچنا بھی پاپ ہے۔

بعد مین دہلی بس جانے کے بعد ہون کم ہوتا تھا۔ گڈو کی شادی ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے بچوں کے اپنے بڑے بڑے پروگرام تھے۔ مہیش جی سال میں دو ایک بار آجاتے تھے اور بی جی انہیں گھر میں ٹھہرا لیتیں۔ جتنے دن رہتے روز صبح شام ہون ہوتا اور وہ بھی لمبا ہون ہوتا ورنہ ہون اب بھائیوں کے جنم دن پر ہی ہوتا تھا۔ میٹھا حلوہ' کھیر اور پوڑی کا پرشاد آہوتی میں ڈال دیا جاتا۔ لڑکیوں کے جنم دن پر ہون کرنا منع تھا۔ بچپن میں گڈو نے ایک بار بی جی سے اپنے جنم دن پر ہون کیلئے کہا تو بولیں ''ناں ناں لڑکیوں کے جنم دن پر ہون کرو تو لڑکیاں ہی پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ آگے کیا کم ہیں۔ لڑکیاں جو اور پیدا کرنی ہیں۔

گڈو کے سارے سنسکار اس کی پتکنا اور مولیہ انہی ہون سے ملے تھے۔ ہون کے بعد پتا جی سارے خاندان کیلئے ارداس کرتے تھے۔ اے بھگوان اس یگ میں سب کی بھلائی ہو۔ سب کی خواہش پوری ہوں، سب اچھے کاموں میں کامیابی حاصل کریں۔ ہمیں ایسا اندرونی بل دو کہ ہم بری باتوں سے دور رہیں اور صاف من سے اپنی خواہشوں کو پھلتے پھولتے دیکھیں۔ ہمیں علم دو، دھن دھان دو اور ہم پر سکھ اور سکون کی برسات کرو۔''

سکھ کیلئے ہی تو گڈو اپنے اندرونی بل کو استعمال کر کے دھن دھان کی تلاش کر رہی تھی۔ پھر اس میں خود غرضی کہاں ہے۔ گڈو اپنے مذہب کا پالن ہی تو کر رہی ہے ناں۔ اپنے خاندان کے مقاصد کو پورا کرنے کیلئے اگر کوئی ہاتھ بٹا دیتا ہے تو دوسروں کا حق استعمال کرنا تو نہیں ہوتا۔ پھر من میں یہ شکا اور ڈیلما کیسا ہے؟۔ ہون کنڈ میں اور لکڑیاں ڈالتے ہوئے گھی کے ایک ساتھ نہ پڑنے کی وجہ سے دھوئیں کا ایک تیز بھبکا اٹھا۔ ہون کنڈ پر جھکی گڈو کی آنکھوں سے دھویں کا کڑوا غبار ٹکرایا۔ گڈو کو آنکھوں میں جلن محسوس ہوئی۔ آنکھیں پینا گئیں۔ چ مچاتی آنکھوں کو کھولنے کی کوشش میں جو چہرہ اس کی نظروں میں اتر رہا تھا وہ اسے بہت اداس پیلا اور اجڑا سا لگا یہ تو انیا ہے، کیسی سوکھ گئی ہے۔ شادی کے تین چار سالوں میں ہی لگتا تھا دس سال بڑی ہو گئی ہے۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے نظر آ رہے تھے۔ چہرے کی جلد پر بھی ویسی تازگی اور چمک نہیں رہی تھی۔ جب یہاں پہنچی تھی تو کیسی پھدک رہی تھی ''ممی بہت عجیب سا لگتا تھا۔ کہ امریکہ جا رہی ہوں اپنے گھر۔ سب پوچھتے تھے کہ گھبراہٹ نہیں ہوتی پردیس جانے میں، میں کہتی تھی کہ پردیس تھوڑا ہی جا رہی ہوں میری تو ممی وہاں ہی ہیں۔ سچ'

☆

It was double excitement

اور پھر یہاں پڑھنے کا موقع اور سائنس میں ہائر سٹڈیز کیلئے امریکہ سے بہتر اور کونسی جگہ ہوسکتی ہے؟"

نیو یارک یونیورسٹی میں داخلہ اور سکالرشپ سب پہلے ہی سے ہو چکا تھا۔ یہ سب بھاگ دوڑ گڈو ہی کرتی رہی تھی۔ پہلے ایم ایس سی اور پھر پی ایچ ڈی۔ ایم ایس سی دوبارہ کرنی پڑ رہی تھی۔ کچھ مضامین کا کریڈٹ کا چھوٹ تو اسے مل گیا تھا۔

انیا بے حد جذبے میں تھی۔ اگلے پانچ سال خوب محنت کرکے کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد کسی انڈسٹری میں نوکری کرے گی۔ انیا کو لگتا تھا کہ واقعی جنت میں پہنچ گئی ہے۔ اسے مینہٹن کی عمارتوں کے خطوط بہت دلچسپ لگتے تھے۔ اونچی عمارتوں کو قریب سے دیکھیں تو ان کی صرف مضبوط بنیادیں ہی نظر آتی تھیں۔ شیشے کا اتنا کام کہ پوری کی پوری شیشے کی عمارتیں تھیں جو بہت خوبصورت لگتی تھی۔ ہر عمارت کی تعمیر میں اپنی ہی قسم کا نیا پن تھا جیسے پوری کی پوری عمارت ماڈرن کسلٹ نما آکار کی اور اس کی شیرش پر گنبد۔ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ اور کرائسلر بلڈنگ کے تکونے شیرش رات بھر بجلی کے پرکاش میں دھمکتے رہتے تھے۔ دن گھر عمارتوں کے اندر بھی تیز بجلی کی روشنی رہتی۔ اندھیرے کو تو جیسے اس شہر نے دیکھا ہی نہیں۔ رات بھر روشنیوں کا کھیل ہوتا رہتا ہے۔ اتنی تیز روشنی کہ شہر کے آسمان کے تارے بھی اس سفیدی میں اوجھل ہو جاتے اور دھندلے معلوم ہوتے ہیں۔

انیا کو یونیورسٹی کا ماحول ایک دم کھلا لگا تھا۔ ہر کوئی یہاں اپنے آپ سے ہی Motivative تھا۔ گھنٹوں لائبریری میں کام کرنا۔ سوچنا' سوال کرنا' پوچھنا بس یہی کام تھا۔ مضمون کے انتخاب اور یہاں تک پروفیسر کے چننے کی بھی چھوٹ تھی۔ یونیورسٹی کے الگ الگ ڈیپارٹمنٹ الگ الگ عمارتوں مین تھے۔ بیچ بیچ میں بازار'

گھر' ریسٹورنٹ' گلیاں اور سڑکیں تھیں۔ جہاں سے عام ٹریفک تر رتی تھی۔ یونیورسٹی ایک پوری نگری تھی۔ یونیورسٹی کی عمارت کے درمیان ایک پارک تھا۔شام کو اس پارک میں خوب رونق لگتی۔ گٹار۔ اکارڈین اور درم پر مختلف گروپ سنگیت بجاتے اور انہیں گھیرتے اور کھڑے سینکڑوں لڑکیوں لڑکوں کے جھنڈ میوزک سے لطف اندوز ہوتے۔ سارا ماحول ہی بہت لطف آمیز ہوتا تھا۔لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کی کمر یا کندھوں پر ہاتھ رکھے' ڈھیلے ڈھالے ٹاپ اور جینز میں لہراتے منڈ لاتے رہتے تھے۔کبھی خوانچے والوں سے ہاٹ ڈاگز خرید کر کھاتے اور کبھی ٹن میں سٹراڈال کر سوڈا پیتے' بہت بے فکر لگتے تھے۔

یونیورسٹی کے بازار میں ڈھیروں کیفے ٹیریا کئی طرح کے دیسوں کے کھانوں کے ریسٹوران' فیشن ایبل کپڑے کے بوتیک' پینٹنگ اور Sculpture کی گیلریاں تھیں۔ یہاں وہ سب کچھ تھا جو ایک طالب علم کا خواب ہوسکتا ہے۔ انیا کو لیب کی سہولت بھی یہاں تھی۔ بڑی لائبریری اور پڑھنے کا وقت' سبھی کچھ نیا اور دلفریب تھا' لیکن اجنبی بھی تھا۔ ایک دن اس نے یونیورسٹی کے مین آفس میں لگا ایک اشتہار دیکھا جس پر موٹے موٹے حرفوں میں چھپا تھا ''گے اور Lesbian چھاتروں کی میٹنگ بروز منگل شام چھ بجے۔''

اسے کسی نے بتایا تھا کہ اس یونیورسٹی سے آس پاس کے علاقے میں زیادہ تر نیویارک کے Homosexual بستے ہیں۔ سڑکوں پر پیدل گھومتے کسی نے اشارہ کیا تھا کہ فلاں گے بار (Gay-Bar) ہے۔ اس کی کلاس میں بھی ایک اٹالین لڑکا ڈینس تھا جس کے چال چلن انیا کو بہت عجیب سے لگتے تھے۔ تھوڑا سا ہاتھ مٹکا کر اور جسم کو جھٹکا دے کر بات کرنے کا نسوانی سا انداز تھا۔ اس کے علاوہ وہ لڑکا بہت ہی سمجھدار' مہذب اور گفتگو میں بہت دلچسپ تھا۔ اسے ہندوستانی کھانوں میں بہت سی چیزیں پسند تھیں اور وہ اس کے مسالوں کی خاصیت کے بارے میں انیا

سے سوال پوچھتا رہتا تھا۔ ڈینس کی دوستی پوری کلاس میں ایک اور لڑکے سے تھی۔ جس کا نام مارک تھا۔ یہ لڑکا داڑھی مونچھ رکھتا اور آنکھوں پر چشمہ لگاتا تھا اور لوگوں سے مختلف ڈھیلے ڈھالے کھردرے یا اونی کپڑے پہنتا تھا۔ ڈینس اور مارک شاید آپس میں کمرہ بھی Share کرتے تھے۔ انیا نے اکثر ان کو کلاس سے باہر ہوسٹل کی طرف اکٹھا جاتے دیکھا تھا' اور سوچا کرتی تھی کہ ان دونوں کے درمیان شاید کوئی رشتہ بھی ہو۔ کلاس کے دوسرے لوگوں کو بھی شک تھا۔ مگر کھلے طور پر کوئی بھی ایسی بات نہیں کرتا تھا ڈینس' مارک سے سب لوگوں کی ہیلو ہیلو تھی۔ کوئی کسی کو کچھ جاننے کا احساس نہیں دیتا تھا۔ بس اندر ہی اندر تناؤ کا ایک دھاگہ تھا جیسے ڈینس اور مارک کے بارے میں بات کرے ہوئے شک کا احساس بولنے والے کی زبان پر ہوتا تھا۔ خیر یہ دونوں تو زیادہ تر کلاس سے الگ تھلگ ہی رہتے تھے۔ ویسے بھی کلاس میں ایک گروپ تھوڑا ہی تھا۔ کتنے ہی چھوٹے چھوٹے جھنڈ جوڑے یا کیلی اکائیاں تھیں۔ نیا بھی الگ انلگ گروپوں سے کبھی ملتی اور پھر کبھی اکیلی یونٹ بن کر رہ جاتی تھی۔ ابھی اسے یہاں اپنی جگہ بنانی تھی۔

ہندوستان میں بھی جب اس نے کئی لوگوں کے بارے میں سنا تھا تو سوچتی کیسے ہوں گے یہ لوگ۔ ڈینس اور مارک دونوں ہی گفتگو میں بڑے اچھے لڑکے لگتے تھے اور اچھے لڑکوں کی طرح بڑی دوستانہ باتیں ہوتی تھیں۔ انیا سوچ رہی تھی کیا ان میں اتنے ہی سچ اور عام جذبات ہیں جیسے کسی آدمی کیلئے ہو سکتے ہیں۔ اسے بھی ایک بار ہاسٹل میں ایک گوری گلگلی لڑکی کیلئے کھچاؤ محسوس ہوا تھا۔ اس سے ایک سال جونیئر تھی۔ وہ دونوں دو تین راتیں ایک ساتھ سوئی تھی۔ مگر صرف جسم سے جسم لپٹا کر ایک دوسرے کی گرمائی لیتی رہی تھیں۔ اس نے اسے دبی ہوئی خواہشات کا ہی ایک نکاس سمجھا تھا۔ انیا کا یہ نامعلوم کھچاؤ صرف لڑکوں کیلئے ہی تھا۔ مگر پڑھائی ختم کرنے سے پہلے وہ کسی طرح بھی کسی قسم کے جسمانی رشتے میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اس کے

خوف اس رشتے کے سکھ سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس نے اپنی ماں ہی سے جسمانی ضرورتوں کی نفی کرنا سیکھا تھا۔ ویسے بھی وہ ایک ہی بار خود کو پوری طرح اس کو دینا چاہتی تھی جس کو عمر بھر پیار کیا جا سکے۔

بچپن میں ہی وہ کو ایجوکیشن سکولوں میں پڑھی تھی اس لئے لڑکوں سے بے جھجک بات چیت اس کی عادت تھی۔ مگر چھوٹی چھوٹی بات چیت اور باتوں کے علاوہ اور کچھ ممکن نہیں ہوتا تھا۔ ایسی کچھ ممکنات ہوتیں بھی تو وہ رشتہ وہیں ہی دبوچ لیتی تھی۔ اب اتنا کھلا ماحول تھا مگر انیا کو معلوم تھا کہ وہ وہی ہے جو چندی گڑھ میں تھی۔ رنگ برنگے کڑھائی والے کرتے پاجامے میں سجی انیا کو دیکھ کر کوئی مسکرا کر کہتا تھا۔

"Oh ! How beautiful!" تو انیا بھی مسکرا دیتی اسے یہ سب کچھ بے ضرر سا لگتا۔ مگر چندی گڑھ میں اگر کوئی لڑکا چھیڑتا تو انیا تیوریاں چڑھا لیتی تھی۔ وہ انڈر گراؤنڈ ٹرین اور یونیورسٹی کے باتھ روم کی دیواروں پر لال پیلے ہرے اور کالے رنگ میں مصوری یا گرافک کے فقرے دیکھتی تو انجانے میں ہی پڑھنے لگ جاتی۔ کچھ ایک فقروں میں انیا نے محسوس کیا ہے کہ یہاں کی جوان نسل اپنے سیاسی، سماجی اور سیکس کے متعلق خیالات کو گرافیتی میں بڑے دلچسپ رنگ میں پیش کرتی تھی۔ لیڈیز روم میں ایک گرافیتی پڑھ کر اسے بہت مزہ آیا تھا کیونکہ اس میں ہندوستان کا بھی ذکر تھا۔ کسی نے لکھا تھا۔

''اس بڑھتی آبادی والے سنسار میں Homosexuilty ایک صحیح سیاسی چناؤ ہے۔''

کسی اور نے اس میں جوڑا تھا۔

''یہ بات ہندوستان جیسے دیش کیلئے سچ ہو سکتی ہے۔ آپ اگر Homosexual ہیں تو اس کی پیروی کا یہ صحیح طریقہ نہیں یہ تو آپ کے شرم کے چھپانے کا بہانہ ہے۔ آپ کا سوال مختلف ہونا چاہئے۔ اگر آپ سے کوئی پوچھے

کہ آپ Homosexual کیوں ہیں تو آپ کا جواب یہ ہونا چاہئے کہ آپ Hetrosexual کیوں نہیں؟''

انیمانے محسوس کیا کہ اس سماج کے Homosexual ایک نارمل زندگی کی تلاش میں ہیں۔ اسے اپنی کلاس کے ضمن میں ڈینس اور مارک کا خیال آیا تھا۔ انہیں ایک نارمل مل سکتی ہے یا یہ بھی جیسا ہندوستان میں ہیجڑوں کا اپنا ایک الگ سنسار ہے ویسا ہی الگ سنسار بنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جنگ ابھی جاری ہے۔ حکومتیں اس طرح انہیں حق دے بھی دیں کیا سماج اور خاندان اسے نارمل کہہ کر تسلیم کرلیں گے؟ اور اصلی بات تو تبھی ہے جب لوگ انہیں سماج کی ایک اکائی مانیں۔ ورنہ قانونی طور تسلیم کرلینا تو ہندوستان میں ہریجنوں کو بھی درکار ہے۔ پر کتنے لوگ واقعی ان کے ساتھ ایک ہی تھالی میں بیٹھ کر کھا سکتے ہیں۔

انیما سوچ رہی تھی کہ کیا لڑکیاں ایک ساتھ مل کر گرافک کرتی ہیں یا کسی ایک وقت میں لکھتی ہوں گی یا الگ الگ لڑکیوں نے فقرے پر فقرے جوڑے ہیں' کیونکہ ایک ہی بات پر الگ الگ نظریئے تھے۔

اب ساٹھویں دہائی والا نوجوان اور لڑکیاں نہ تھیں۔ غریبی' بے کاری کے باعث ہر نوجوان لڑکے اور لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اچھا کیریئر بنائے۔ اسی وجہ سے ہر معاملے کو کیریئر کے موقع کے نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ کمپیوٹر اور ماسٹر آف بزنس اور ایڈمنسٹریشن میں سب سے زیادہ بھیڑ تھی۔ نوجوانوں میں بے روزگاری کے باعث' ان میں بدیس سے آئے لوگوں کے لئے ایک مخالفت کا احساس پیدا کر دیا تھا۔ بظاہر وہ ایشیائی لوگوں سے دوستی کے روپ میں پیش آتے تھے مگر اندر سے وہ ان کے سخت خلاف تھے۔ انہیں ایسا لگتا کہ یہ ان کے حقوق اور نوکریاں چھین رہے ہیں۔ مگر اس میں باقاعدہ کوئی تحریک والی بات نہ تھی۔

بات چیت کے دوران کوئی سوال کرتا کہ تم ہندو ہو؟ تو انیما کو عجیب سا لگتا۔ ایک

ہندو کے روپ میں اس نے خود کو محسوس کر کے دیکھا ہی نہ تھا' اور وہ مذہبی بھی تو نہیں تھی۔ صرف جب سکول اور کالج کے فارم بھرنے ہوتے تھے تو 'ہندو' لفظ کو استعمال کرنا پڑتا تھا۔ مگر باہر کے ملک میں اس کو کتنا الگ طرح سے دیکھتے ہیں۔ اس کو اقلیت سمجھا جاتا ہے۔ انیا کو احساس ہوا کہ یہاں کے سماج کے اصل دھارے میں شاید وہ کبھی نہ آپائے گی۔

اسی دوران اس نے کچھ ہندو طالب علموں سے بھی ملاقات کی۔ ایشیائی طالب علموں نے اپنا ایک ایسوسی ایشن بنایا ہوا تھا۔ وہ سال میں دو بار موسیقی اور ناچ کے پروگرام پیش کرتے تھے۔ اسی بہانے ان کی میٹنگ چلتی رہتی تھی۔ ایک بنگلہ دیشی لڑکی نجمہ عزیز انیا کو بہت اچھی لگتی تھی۔ لمبی' دبلی' سانولی' پیار کرنے والی بال بدھ کی طرح سر کے بیچوں بیچ بندھے ہوئے' جن پر وہ چاندی کے منکے لگے پن ٹھونس لیتی تھی۔ کلف لگی' کراری ڈھاکے کی ساڑھی میں بہت ہی اچھی لگتی تھی۔ بول چال میں آکسفورڈی انگریزی کا لہجہ' عمر میں وہ انیا سے اٹھارہ بیس سال بڑی ہوگی۔

بہت جلد وہ انیا سے گھل مل گئی تھی۔۔ تم نہیں سمجھو گی چالیس برس کی طلاق شدہ عورت کی اجڑی اکیلی زندگی۔ ہم شادی شدہ لوگوں سے دوستی کریں تو بیویاں گھبرانے لگتی ہیں۔ تم جیسی کم عمر لڑکیاں ہم مین ویسے ہی کم توجہ لیتی ہیں۔ اب اتنے جوان تو رہے نہیں کہ جوان دلچسپی لیں۔ کوئی ادھیڑ یا بوڑھا دلچسپی لے بھی تو ضروری نہیں کہ میں اس کو سکھ دے سکوں۔ بس اپنے پاس ایک بے چین ہاہا کار کرتا اور سسکتا اکیلا پن رہ جاتا ہے۔

کچھ ہی دیر میں انیا نے پورا اتہاس جان لیا تھا۔ نجمہ ہندوستان کے سول سروس کے ایک اونچے آفیسر کی بیٹی تھی۔ تعلیم زیادہ تر لندن میں ہوئی۔ چال ڈھال میں کلکتہ انگریزی دان سماج کی مہک تھی۔ انیا تو خود کو اس کے سامنے بہت ادنیٰ اور مڈل کلاس محسوس کرتی تھی۔ ایک دیش کے ہوتے ہوئے بھی دونوں کے ماحول سماج اور

پرورش میں کتنا فرق تھا۔ نجمہ ایک کلاج میں انگلش لٹریچر پر ریسرچ کر رہی ہے۔ کیمپس میں ہی ایک سٹوڈیو اور ایک کمرے کا اپارٹمنٹ لے کر رہتی ہے۔ یہ چھوٹی سی جگہ بہت خوبصورتی سے سلک کے پردوں' ایرانی قالین' شیلف پر بدھ کا مجسمہ اور انگریزی لٹریچر کی کتابوں سے سجی ہے۔ کمرے کا سرا فرنیچر مہاگنی لکڑی کا تا تھ۔ صوفے چیئر دار جو کہ رات کو بستر میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ باورچی خانہ کی طرف کھانے کی مہاگنی لکڑی کی دو کرسیاں تھیں۔ کمرے کا ضروری سامان ہونے کی وجہ سے کمرے کا بھرا پن کھلتا نہیں تھا۔ بلکہ بڑے ہی سلیقے اور سگھڑ پن سے اس جگہ کا استعمال کیا گیا تھا۔ ایک امریکی جان سے نجمہ نے شادی کی تھی۔ اس وقت وہ انیس برس کی تھی۔ ان دنوں اس کے پتا پیرس میں ہندوستانی سفیر کے عہدے پر تھے۔ وہ سوربون میں پڑھتی تھی۔ دونوں کو ایشیائی دیس گھومنے کا شوق تھا۔ انڈونیشیا' جاپان' ہانگ کانگ اور پھر نیویارک۔ نجمہ نے بہت پایا تھا مگر جانے کیا تھا اس رشتے میں کہ کھونے کا احساس برابر رہتا تھا۔ سیلانیوں جیسی زندگی میں جان کے چھوٹ جانے کا ڈر اسے بار بار کوندتا رہتا۔ وہ اس سے کہتی جان کیا تم مجھے سچ مچ پیار کرتے ہو۔''

جان کہتا ''تم ہر وقت یہی سوال کیوں کرتی ہو؟ کیا مجھ پر بھروسہ نہیں''

''بھروسہ ہے مگر اس سے بھی بڑا ڈر تمہیں کھو دینے کا ہے۔''

''نجمہ اگر کبھی ایسا وقت آیا کہ ہمیں لگنے لگے گا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہوئے بیزار ہو گئے ہیں تو تب ہمیں الگ ہی ہو جانا چاہئے۔''

نجمہ کا ڈر اور بھی بڑھ جاتا وہ جان کو کسی لڑکی سے بات کرتے دیکھتی تو خوف زدہ ہو جاتی۔ دونوں کے نظریئے میں بہت فرق تھا۔ نجمہ ہر حال مین مستقبل میں اس رشتے کو قائم رکھنا چاہتی تھی جبکہ جان کے خیال میں جو رشتے جان بوجھ کر بنائے جائیں انہیں توڑ دینا ہی چاہئے۔ پھر ایک مدل کلاس تیز طرار بنگالی لڑکی نے ہی جان کو اس سے چھین لیا تھا۔ شادی کلکتہ میں ہی مسلم روایت سے ہوئی تھی۔ طارق

میں بھی ٹھگی گئی۔ مسلم طریقے سے ہی طلاق طلاق کہہ کر کرتج دی گئی تھی۔ نجمہ کسی طرح اپنے حق کیلئے لڑ بھی نہیں سکی' بچہ کوئی تھا نہیں۔ اجنبی دیس کے قانون سے لڑکے کی اس میں طاقت نہیں تھی اور نہ ہی اسے اپنے حق کا صحیح اتا پتہ تھا۔ پتا جی نے مشورہ دیا کہ وہیں رہ کر اپنی پڑھائی پوری کر لے۔ انگریزی اس کی اپنی زبان تھی۔

اس کے ماں باپ تقسیم کے بعد ہندوستان میں ہی رہے۔ پھر ریٹائرڈ ہو کر بنگلہ دیش مین جا بسے۔ وہ خود امریکی شہری ہے۔ بنگلہ دیش میں خاندان کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ کلکتہ میں دو ایک دسوت ہیں۔ لیکن خاندان نہیں۔ یہاں پہلے خاوند تھا مگر اب وہ خود ہی اکیلی ہے۔

دروازے کی گھنٹی بجتی ہے۔ اونچے قد کا ادھیڑ عمر کا انگریز اندر آتا ہے۔ ہاتھ میں چھوٹا سا بریف لیس ہے نجمہ تعارف کرواتی ہے۔ یہ ہیں میرے بہت اچھے دوست انیڈ ریو رولسن' لندن میں ہیں۔''

انیا کہتی ہے ابھی آپ لندن سے آ رہے ہیں۔

''جی ہاں سیدھے ایئر پورٹ سے''

نجمہ نے ساتھ میں جوڑ دیا کہ ایک کانفرنس کیلئے آئے ہیں۔ یہ آتے ہی رہتے ہیں کسی نہ کسی کانفرنس کیلئے۔ نجمہ کا برتاؤ بہت اعلیٰ ہموار' پر اعتماد اور مہذب تھا۔ انیا کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ مگر دل میں شک ویسے کا ویسا کام کر رہے تھے جو کسی بھی متوشط طبقے کیلئے نارمل ہے۔ پر ضرور اس کا بوائے فرینڈ ہوگا' ورنہ ایئر پورٹ سے سیدھا اس کے پاس ٹھہرنے کیوں آتا۔ نجمہ نے پہلے اسے بتایا کیوں نہیں کہ کوئی آنے والا ہے۔ یا اسے اندازہ نہیں تھا کہ میں اتنی دیر تک بیٹھی رہوں گی۔ انیا اٹھتے ہوئے بولی ''میں چلتی ہوں تم اپنے مہمان کی دیکھ بھال کرو۔''

''ایسا کوئی مہمان نہیں کہ تمہیں بھگا دوں کھانا کھا کر جانا''

بہت گرمائی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ انیا کو عجیب لگ رہا تھا۔ اس شخص کے

ساتھ نجمہ کتنی سہج ہے۔ایسے اور بھی دوست اس کے پاس ٹھہرتے ہوں گے۔اس Unprotected ہونے والی بات سے اس کا کیا مطلب تھا۔پر رشتے تو شاید عارضی ہوں گے۔خوشحال ہونے کا اشو اسن کی اشادی سے ہی مل سکتے ہے۔مگر نجمہ کو تو شادی سے بھی نہیں ملا تھا۔نجمہ نے جب اور بھی باتیں کیں تو انیا کو نجمہ اور جان کے رشتے کے بارے میں کچھ اندازہ ہوا۔قصور صرف جان کا ہی نہیں ہوگا ویسے بھی ٹوٹنے والی بات میں سُور والی بات رہتی بھی نہیں۔بہت اچھے لوگ بھی جب ایک ساتھ نہیں رہ پاتے تو یہ رشتے کی ہی مجبوری بن جاتی ہے۔

نجمہ نے اسے بتایا تھا کہ جان شاید بندھی بندھائی زندگی سے خوش نہیں تھا۔کچھ زیادہ وہ امید کرتی رہی اور ہمیشہ کچھ اور پانے کیلئے بے چین رہی اور خیال کرتی رہی اور یہ سب جان کے بس کا روگ نہیں تھا۔تبھی وہ مڈل کلاس بنگالن سے خوش ہے۔

نمہ نے اس دن شام اٹالین کھانا تیار کیا تھا۔چیز کے ساتھ میتو چینی پہلے کورس میں اور اس بعد نکن پامی جیتانا اور سلاد دُوسرے کورنس میں کھانا بڑی احتیاط سے پکایا اور سرو کیا گیا تھا۔کھانے پر زیادہ تر باتیں مغربی ممالک کے رہن سہن اور نیویارک کے کلچر کے متعلق ہوئیں۔تیکھے پیار اور تیکھی نفرت ظاہر کرنے سے متعلق تھیں۔

انیا کا علم ابھی یہاں کے رہن ہن کے متعلق کچھ کم تھا۔لہذا وہ زیادہ باتیں سنتی ہی رہی رہی۔پروفیسر ولسن کہہ رہا تاھ نیویارک مجھے دنیا کا سب سے بدصورت شہر لگتا ہے۔ساری کی ساری عمارتیں بے ڈھنگ اور دوغلی ہیں۔اگر ایک ماڈرن عمارت بنی ہے اور اوپر گنبد چپکانے سے کیا مطلب ہے یا پھر ماڈرن عمارت کے باہر پچی کاری ایک دم بدصورت لگتی ہے۔پھر بھ نیویارک کا جیون اور وہاں کی کلچرل زندگی مجھے کھینچتی ہے۔یہاں کی آرٹ' نمائش اوپرا' بیلے' تھیٹر میوزک کانفرنسیں مجھے بے حد پسند ہیں۔نجمہ کہہ رہی تھی مگر یہاں کی کلچرل لائف میں بنیا پن آ گیا ہے۔ جس کی جتنی مانگ ہے وہی اچھا کلاکار ہے۔فن کی اچھائی کی کسوٹی اب یہی

ہے۔ آپ جتنا زیادہ بکتے ہیں اتنے ہی بڑے آرٹسٹ ہیں۔

اس لیئے جن کو بہتر کرنے کی تلاش نہیں بلکہ بکری کرنے میں ہوتی ہے۔

نجمہ خود انگریزی نظمیں لکھتی تھی اور ان کی بکری کے معاملے میں مات کھا چکی تھی۔ اس کی جدوجہد جاری تھی۔ نجمہ کے ہاں الگ الگ ایریا میں کام کرنے والے افسر ساتویں پیڑھی میں پڑھنے کیلئے آئے اور پھر وہین بس گئے تھے۔ کئی ہندوستانی آرٹسٹ اور جانے پہچانے ناموں والے ہندوستانی ڈانس رجب یہاں پرفارمنس دیتے تو انیا کیلئے وہ لمحے عجیب طرح کی سکھ کا بعث ہوتے تھے۔ ان لوگوں کیلئے بھرے ہال کم ہی ہوتے تھے چھوٹے ہال دیئے جاتے وہ بھی کم ہی بھرتے تھے۔ فلمی آرٹسٹ یا کوئی گانے وال آتا تو شہر کا سب سے بڑا ہال بک کروایا جاتا تھا۔ نیویارک میں ہندوستانی اتنے تھے کہ یہ ٹکیٹں بلیک میں بکتی تھیں۔ نجمہ ویسٹرن کلاسیکل میوزک کنسرٹ میں بھی جایا کرتی تھی۔ وہ کہتی تھی اگر میرا کوئی بچہ ہوتا تو وہ اسے مغربی موسیقی ضرور سکھاتی۔ مغربی موسیقی کی روایت بہت پرانی ہے اور بہت ہی اعلی بھی۔ ہم ہندوستانی اس میں بیٹھے باریکیوں کو سمجھنے کیلئے نا کافی ہیں۔ یہاں کئی امریکی ہیں جو ہندوستان جا کر وہاں کلاسیکل میوزک سیکھتے ہیں۔ اس کی سادھنا کرتے ہیں۔ ہم میں سے کتنے ہندوستانی ہین جو یہاں رہ کر بھی یہاںکی کلاسیکل موسیقی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم لوگ تو سائنس پڑھتے ہیں کمپیوٹر پڑھتے ہیں تا کہ اچھا کما سکیں اور معاشی طور پر محفوظ اور خوشحال ہوسکیں اور اس کی گہرائی میں جائے بغیر اپنے کلچر کی برتری کا ڈھنڈورا پیٹ سکیں۔

ڈھنڈورا تو نجمہ خود بھی پیٹتی ہے اور کسی بت پر پروفیسر ولسن سے بھی جھگڑ پڑتی تھی۔ دیکھو اینڈریو تم لوگ ایک ڈسپلن پڑھتے ہو پھر اسی میں گہرائی تک جانے کی کوشش کرتے ہو۔ پھر اس سے ہٹ کر تمہارا علم کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اب اسلام مذہب کی جو اصلی روح ہے اس مذہب کو پڑھنے کے ساتھ جو میں نے اس میں جی کر دیکھا

ہے ہو تم لوگ کتنے سال لگے رہو' نہیں کر پاؤ گے۔ میں قرآن کو دل و دماغ دونوں طرح سے جانتی ہوں۔ میں اس سماج کا حصہ ہوں جو آج بھی اس میں جی رہا ہے۔ تم اس کی ساری Dimension نہیں سمجھ سکتے۔ تم اس کی ظاہری صورت کا ہی صرف تجزیہ کر سکتے ہو۔ تم اس میں جی نہیں سکتے' دل میں اتار نہیں سکتے۔

انیا کو معلوم تھا کہ نجمہ ابھی طلاق کے ڈنک سے نجات نہیں پا سکی۔ اس نے محسوس کیا کہ نجمہ میں ایک احساس برتری پھر بھی ہے اور وہ اس کی خود اعتمادی سے متاثر بھی ہے۔ نجمہ اور انیا کی بات چیت چلتی رہتی۔ ایک بار کیفے ٹیریا میں اپنی نوکری پانے کی ساری لڑائی کی کہانی سنا رہی تھی' اس دیش کا شہری ہونے کے تعلق سے اسے اپنے حقوق کا احساس بھی تھا۔ کہتی تھی ''میں تو ہوں یہاں کی شہری سو یہ مجھ سے ایسا ویسا سلوک نہیں کر سکتے۔ انگریزی میری ان سے بہتر ہے' اس کے علاوہ بنگالی اور ہندی مجھے ویسے ہی آتی ہے۔ میں تو لڑ پڑتی ہوں اگر کوئی امریکی ذرا سا بھی رعب دکھائے۔ اس کالج کی نوکری کیلئے بھی' انٹرویو سے پہلے بھی سب اسی طرح کا شک دل مین ڈال رہے تھے۔ ایشیائی عورت اور انگریزی پڑھائے گی' امریکیوں کو۔ مگر میرے Credential سب سے بڑھیا تھے۔ انہی کا کھیل' انہی کے چتوں سے کھیلی ہوں۔ اس طرح کامیابی ملتی ہے۔ انیا کو نجمہ سے اکثر خود ستائش ک الاپ سننے کو ملتے تھے اور انیا کو اکثر تھکان سی ہونے لگتی تھی مگر نجمہ بہت اکیلی تھی۔ بظاہر بہت دلچسپ لگتی تھی مگر اندر سے اتنی ہی کھوکھلی اور ویران تھی۔ تنہائی اور عدم تحفظ کے گھن اسے اندر اندر کھا رہے تھے۔ ویسے اس سماج میں Survival کا یہ ہی طریقہ تھا کہ اپنی حفاظت کیلئے اپنی تعریف کرو اور اپنے سے پیار کرو۔ اپنی تعریف اور اپنی ذات سے پیار کی اونچی دیواروں میں سب گھرے رہتے تھے۔ انیا جس ہندوستانی سے بھی ملتی وہ تھوڑی دیر میں ہی بتا دیتا کہ وہ کتنا کامیاب شخص ہے اور ساتھ ہی اپنا عہدہ' کمائی سبھی کا خلاصہ دے دیتا۔ چھوٹی چھوٹی تنخواہ پر کام کرنے وال

بھی اپنے آپ کو بہت اہم سمجھتا اور بتاتا تھا اگر بزنس مین ہوتا تو بات کروڑوں تک پہنچا دیتا۔ یہ کوئی بھی نہیں کہتا تھا کہ اس نے نوکری کیلئے عرضی دی تھی۔ بلکہ دھی یہی کہتے تھے کہ نوکری کی انہیں آفر ہوئی تھی۔

انیا اپنے بارے میں صحیح بات بتانے سے اس لئے کتراتی کہ اپنے منہ میاں مٹھو جیسی نہ لگے۔ اسے بھروسہ تھا کہ انسان کے سچے گن صحیح موقعہ پر خود ہی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ سال دیکھتے ہی دیکھتے گزر گیا۔ کلاسیں' پڑھائی' لیب امتحان نجمہ جیم' سوزن سبھی کچھ تھا۔ مگر فرصت انیا کیلئے نایاب چیز ہو کر رہ گئی تھی۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں پڑھنے کو کورس لئے تھے اور ساتھ ہی ٹیوشن بھی پڑھا رہی تھی۔

گڈو کو اب دوسری ہی فکریں ستانے لگی تھیں۔ انیا کی پڑھائی ختم ہونے تک اس کی شادی نہیں روکنا چاہتی تھی۔ کم از کم اور چار سالوں میں وہ چھبیس کی ہو جائے گی۔ اس کا خیال تھا کہ تیس برس میں اس کی شادی کر ہی دینی چاہئے۔ وہ خود تو بیس کی تھی' جب شادی ہو گئی تھی۔ زیادہ دیر کرو تو اچھے رشتے نہیں ملتے۔ گڈو نے لوکل ہندوستانی اخباروں میں لڑکوں کے اشتہار دھیان سے پڑھنے شروع کر دیئے "برہمن لڑکا اعلیٰ تنخواہ اور ضرورت ہے تو سندر گھریلو لڑکی کی یا ڈاکٹر لڑکا عمر تیئیتیس سال ذات جو بھی مگر لڑکی ڈاکٹر ہونی چاہئے۔" اس طرح کے اشتہار پڑھتے پڑھتے گڈو کو کبھی کبھی ہنسی بھی آ جاتی تھی۔ گڈو نے خود بھی اخبار میں اشتہار دیا۔ انیا اپنی شادی کے خلاف تھی وہ پڑھائی ختم کر کے ہی شادی کے جھنجھٹ میں پڑنا چاہتی تھی۔ یونیورسٹی میں آئے دن وہ نے لوگوں سے مل رہی تھی۔ فرصت ہوتی تو کلاس کے بعد بس کافی پینے بیٹھ جاتے۔ جیم سوزن' نجمہ ارون وغیرہ۔ سوزن کہتی تھی'

<I am not the marrhing type>

انیا پوچھتی "کیا مطلب تمہارا' تم شادی کرو گی ہی نہیں"

"نہیں"

''تو پھر کیا کرو گی''

''کچھ بھی''

''شادی نہیں کرو گی تو بس سپنسٹر بن کے رہ جاؤ گی''

''Shame' تم بھی دقیا نوسی لفظوں کا استعمال کرتی ہو''

''مگر مین تو یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ پوری عمر شادی نہیں کروں گی۔ کچھ وقت کے لئے ٹالا ضرور جا سکتا ہے''

''دیکھا ایما تمہارا سوچل سسٹم تم سے کہتا ہے کہ شادی کرو گھر بساؤ۔ بچے پیدا کرو ورنہ ایک انسان ہونے کے ناطے شادی کے چکر مین پڑنا ضروری نہیں۔ یہ جھوٹ ہے کہ شادی کے بغیر زندگی مکمل نہیں ہوتی۔''

انیا کہتی ''مگر عورت ماں بنے بغیر مکمل نہیں ہوتی''

''اگر تم ماں بننا چاہتی ہو تو اس کیلئے بھی شادی کرنا ضروری نہیں''

''میں تو خود سوچتی ہون کہ اگر زندگی کے کسی لمحے میں مجھے محسوس ہوا کہ ماں بن کر ہی میں مکمل ہو سکوں گی تو میں ضرور بچہ پیدا کروں گی''

''بغیر شادی کے'' انیا چونکی

''کہا تو شادی سے بچے کا کیا مطلب' کیا تعلق۔ ہاں اس کی پرورش کے لئے پیسہ ضرور ہونا چاہئے۔ خاوند نہیں''

انیا کو اپنی ماں سے جو اخلاقیات اور اقدار ملے تھے اس کیلئے یہ باتیں عجیب تھیں۔ کہاں تو شادی سے پہلے تک جسمانی تعلق رکھنے کے قابل نہیں تھی اور ماں بن جانا تو ایک خودکشی سے کم نہیں ہوگا۔ جسمانی تعلق اور ماں بننے ی تکمیل اسے شادی سے ہی پانی تھی مگر انیا سوچ سمجھ کر کسی ایسے شخص سے شادی کرنا چاہتی تھی جو اسے مکمل طور پر ماں سے نہ کاٹے بلکہ جڑا رہنے دے۔ بیوہ ماں کے لئے اس کی کچھ ذمہ داری تھی۔

پڑھ لکھ کر Arranged شادی کا یہ سلسلہ اسے بہت کھال رہا تھا اور اس کا کوئی ایسا دوست بھی نہیں تھا جس سے وہ شادی کرنا چاہے ت پھر کیا ممی کے طریقے سے ہی مناسب نہیں ہا گا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے اپنی پسند کا یہیں کوئی شخص مل جائے۔

گڈو کی ایک شرط یہ تھی کہ لڑکا ڈاکٹر ہی ہونا چاہئے تا کہ انیا کا اس ملک میں رہنے کا سٹینڈرڈ مڈل یا اپر مڈل کلاس ہو۔ تا کہ گڈو کی طرح روز روز کی ضرورتوں کیلئے پیسہ کی فکر تو نہ کرنی پڑے۔ ڈاکٹر تو اچھا کماتے ہی ہیں۔ سکھی ہی رہے گی۔ خود کمائے یا نہ یہ اس کی مرضی۔ مگر یہاں بات نہیں بن رہی تھی۔ گڈو نے اپنے بھائی ‘بھابی کو دہلی خط لکھ دیا کہ اخبار میں اشتہار دے کر کچھ ڈاکٹر لڑکے چھانٹ لیں۔ اگلے سال وہ ہندوستان آنے کا پروگرام بنائے گی۔ پھر انہی لڑکوں میں سے ہی جو انیا کو پسند ہو اس سے اس کی شادی کر دے گی۔

پڑھی لکھی اور خوبصورت لڑکی سے شادی اور ساتھ میں امریکہ جانے کا موقعہ تھا۔ گڈو کے بھائی اجیت کے پاس اشتہار کے جواب میں ڈھیروں دلچسپ جواب آتے تھے۔ انہوں نے دیکھ دیکھ کر کچھ لڑکے چھانٹ بھی لئے تھے۔ ادھر گڈو نے کتنی ہی مرتبہ عمدہ عمدہ کھانے پکا لڑکون کے ماں باپ یا شہر مین موجود رشتہ داروں کو گھر پر بلایا تھا۔ انیا نے غصہ بھی کیا تھا ’’ممی یہاں بھی وہی ہندوستان والے رواج چلا رہی ہیں آپ ‘اتنی فالتو کی محنت اور خاطر داری کا مطلب کیا ہے۔ یہ لوگ کھانے کہ رشتہ کرر ہے ہیں یا لڑکی کا۔ چ آپ یہاں آ کر بھی فضول کی رسم ورواج سے چپکی ہوئی ہیں۔ آپ پر پتہ نہیں ‘میری شادی کا ایسا بھوت سوار ہوا ہے‘ مجھے نہیں کرنی اس طرح شادی۔ "It is so humiliating, ridiculous!"

اس کی سہیلی جینی اس سے کہتی ’’تم جیسی ہندوستان کی اتنی ماڈرن لڑکیاں ماں باپ کی پسند ک لڑکے س کیسے شادی پر مان جاتی ہیں۔ شادی می بنیادی بات تو لڑکے اور لڑکی کی آپس کی مرضی اور اکٹھے ساتھ رہنے کی خواہش ہے۔ اس کے بغیر

رشتہ ممکن ہی کیسے ہو سکتا ہے؟''

انیما سوچ رہی تھی کہ ہمارے ہاں شادی کا ادھار آپس کے کھچاؤ میں تو ہے ہی نہیں، کھچاؤ تو پرش اور ناری میں سہج ہی مانا جاتا ہے۔ اس لئے باقی باتیں یعنی خاندان وغیرہ، شکل و صورت ٹھیک ٹھاک ہو تو مان لیا جاتا ہے کہ ساری بات صحیح ہو گی۔ ورنہ لڑکی لڑکے کی قسمت۔ مگر امریکنوں کے سامنے ہندوستان کی ہر برائی اور ہندوستانی سسٹم کو انجانے میں ہی، دلیل سے صحیح ٹھہرانے کی کوشش کرتی تھی، وہ کہتی تھی۔

''جین کسی نہ کسی طرح سے تو لڑکے سے ملنا ہی ہوتا ہے۔ ماں باپ ملوائیں یا کسی اور ذریعہ سے ملو۔ میں خالی شکل دیکھ کر تھوڑا ہی شادی کر لوں گی۔ کچھ ایک بار ملوں گی، بات چیت کروں گی، تو فیصلہ کروں گی۔ تم لوگ شادی کو ہوا سمجھتے ہو، ویسی بات نہیں۔ اب دیکھو تمہارے ملک میں ماں باپ وقت پر بچوں کی شادی میں دلچسپی نہیں لیتے تو اکثر لوگ ساری عمر شادی کی خواہش کرنے کے باوجود کنوارے رہ جاتے ہیں۔''

انیما کی ایک امریکی جان پہچان والی پینتیس برس کی تھی اور شادی کی خواہشمند تھی۔ وہ کسی صحیح لڑکے سے خود مل نہیں پاتی تھی اور خاندان میں دلچسپی نہ لینے کے سبب ابھی تک کنواری تھی۔ یوں یہ سارا فلسفہ انیما کو گڈو سے ہی ملا تھا۔ دیکھے دکھائے جانے کے اس سارے چکر سے اسے بڑی چڑ اور پریشانی ہو رہی تھی۔ اس دن گڈو سے بولی ''ممی و پپ نے کیسے شادی کی تھی؟ اس طرح مجھے تو بہت عجیب اور اٹ پٹا سا لگتا ہے۔ اس دن نیو جرسی والے لڑکے کے ساتھ بھیج دیا سینما دیکھنے۔ اب سب کے سامنے نہ ہاں کرتے بنتی تھی نہ ناں۔ نہ جان نہ پہچان، کوئی ٹھیک سے بات ہوتی ہے اس طرح مجھ سے کہتا ہے۔

I was self-conscious and nervous. Do You

have any Ideas, What kind of man do you to marry?

What a stuped question!

Ideas سے کیا مطلب' جو اچھا لگے گا' اس سے شادی کروں گی۔ ایسے Idea کوئی Formulate کر کے رکھے ہیں کہ اس میں فٹ کر کے رکھ دو لڑکے۔ سارا ٹائم ہال میں لمبی چپ چاپ بیٹھے رہے۔ بات کرو تو ایک دوسرے پر ایمپریشن جمانے کیلئے یا کریدنے کیلئے۔ اتنی سی دیر میں زندگی کے مسئلے تو نہیں اٹھائے جا سکتے۔ امپریس کرنے کے چکر میں صحیح بات تو ویسے بھی کنویں میں پڑی رہتی ہے۔ ممی وہ جو لانگ آئی لینڈ والا لڑکا تھا کہتا تھا کہ ''میری بہت ساری گرل فرینڈ رہی ہیں۔ پر میں شادی کسی ہندوستانی لڑکی سے کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ وہ خاوند کو خاوند سمجھتی ہی نہیں۔ مجھے یہاں کی لڑکیوں کا Faminintic رویہ پسند نہیں۔ تم ایسی ہو تو ابھی سے بتا دو۔ ممی Please, I want to stop this nonesense گڈو کہنا چاہتی تھی کہ یہ ایک عارضی دور ہے۔ اسے خود اس دور سے گزرنا پڑا تھا۔ شروع میں اسے خاوند کا چہرہ' شخصیت زیادہ پسند نہیں آئی تھی کیونکہ وہ چھ فٹ کا لمبا جوان نہیں تھا۔ بہت عام سے قد اور شکل کا مالک تھا۔ مگر شادی کے بعد نیک اور رمدھاوی اور پیار کرنے والا خاوند اسے ملا تھا۔ اسے لگا تھا کہ شادی کا یہ طریقہ کچھ غلط نہیں تھا۔

گیتا کی بات کچھ اور تھی۔ اس کی دلچسپی اپنے ایک کلاس میٹ سے تھی مگر اس کے Settle ہونے تک بی جی' پتا جی انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ گیتا کی مخالفت کے باوجود اس کا بیاہ کر دیا گیا تھا۔ اسی لئے اسے شادی کے بعد کبھی خوش نہیں دیکھا تھا۔ ایک قصائی کے بکرے جیسی بیچارگی اور اپنی ذات پر بے اعتمادی اس کے چہرے پر جمی رہتی تھی۔ سسرال میں ہمیشہ دبی دبی اور چپ چاپ سی نظر آتی تھی۔ کوئی پہچان

بھی نہیں کر سکتا تھا کہ چھوٹی سی بات پر طوفان مچا دینے والی وہی گیتا ہے۔ طوفان تو شادی کے خلاف بھی اس نے خاصا مچا دیا تھا۔ پھر بی جی پتا جی اور لڑکے والوں کے دباؤ میں آ کر ہاں کر دی تھی۔ اپنے آپ کو دبانے اور خود پر جبر کرنے کی عجیب سی عادت تھی گیتا کی۔ اب بھی جب دوسروں پر غصہ آتا ہے تو خود کو پیٹتی ہے' پر ادھر پہلے سے کہیں زیادہ خود اعتماد نظر آنے لگی ہے۔ اکثر چہرے پر مسکان بھی آ جاتی ہے۔ پیسے کی پریشانیوں اور الجھنوں میں گیتا نے یہاں آ کر کچھ پایا بھی ہے اپنا پن۔ اپنا گھر' اپنے بچے اور ہر طرح کی پریشانیوں سے لڑنے کیلئے ڈٹ جانے کا طریقہ۔ اور بڑے مشکل اور حسابی کتابی طریقے سے بھی رہنے کا طریقہ۔ مگر اس سے بغاوت نہیں کی جاتی بس ایک سمجھوتہ کر لیا ہے۔

بغاوت تو پنکی نے کی تھی۔ بہت زور تھا اس میں کسی۔ بھی بات کا بھوت سوار ہو جاتا تو اسے کر کے ہی چھوڑتی تھی۔ پتا جی نے اسے بھی ستندر سے شادی سے روکا تھا۔ پتہ نہیں کب جا کر اس کی ولایت ی پڑھائی ختم ہو گی۔ اتنی دیر لڑکی کو گھر نہیں بٹھایا جا سکتا۔ پنکی نے ایک دفتر میں سیکرٹری کی نوکری کر لی تا کہ خالی بیٹھی ماں باپ کی آنکھوں کو چبھے نہیں۔ چھوٹی بھی تھی' سو ایسی جلد بازی اس کے ساتھ بھی نہیں کی گئی تھی۔ گڈو کے ساتھ جلد بازی کا پچھتاوا ہی کہاں مٹا تھا۔ بی اے کر کے پورے چار سال انتظار کرنے پڑے تھے پنکی کو۔ خیر شادی ہے تو ایک جوا ہی۔ گڈو ہی بتاتی تھی' انیا کو۔ شک بیٹھ جائے تو ٹھیک' ورنہ نبھانے والی ہی بات رہ جاتی ہے۔ پریم کی شادی ہو یا Arranged' پر جان جوکھم سبھی میں ہے۔ شادی کرنا بھی ضروری ہے لڑکی کیلئے۔ صحیح ٹھکانہ وہی ہے۔ گھر بٹھا کر کیا مل جائے گا۔ گڈو کہتی تھی کہ شادی کیے بغیر بچوں کو ذمہ داری تھوڑی ہی ختم ہو گئی ہے۔ امریکہ میں لوگ بچوں کے ہائی سکول یا کالج جاتے ہی اپنی ذمہ داری پوری ہوئی سمجھ لیتے ہیں۔ مگر بغیر شادی کیے تھوڑی ہی توڑ پہنچ سکتا ہے۔ یہ تو منجدھار میں چھوڑ دینے والی بات ہوئی۔ انیا کو بھی

گڈو نے ایک کنارے تک پہنچانا ہے جہاں سے وہ زندگی کی بھاگ دوڑ خود سنبھالے' خود نہیں تو کوئی اور سنبھالے۔ گڈو کی ذمہ داری تبھی ختم ہوتی ہے۔

تیما کا بھی خط آیا تھا ''ممی انیا نے آپ سے خلاصے سے بات کی ہوگی۔ پچھلے ہفتے انوج کے ماں باپ سے ملی تھی' وہ تو بہت اچھے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ شادی ایم بی بی ایس کرتے ہی ہو جائے۔ اس کے بعد ہی امریکہ آؤ۔ انوج کے ممی ڈیڈی شادی ہندوستان میں ہی کرنا چاہتے ہیں۔ ممی' انوج امریکہ آنا ہی چاہتا' اکلوتا لڑکا ہے نا۔ اس کو منا رہی ہوں۔ ممی' میری بہت خواہش ہے کہ ہم امریکہ سے ریزی ڈیسی اور سپیشلائزیشن کر کے لوٹیں تو چندی گڑھ میں پاپا کے نام سے ایک نرسنگ ہوم کھولیں۔ ممی ہمارا چندی گڑھ والا جو گھر ہے ناں اسے نرسنگ ہوم بنالیں تو کیسا رہے گا؟ آپ ہماری ایڈمنسٹریٹر منیجر سارے کام سنبھال لیں۔ غریبوں کا مفت علاج مگر امیروں سے تگڑے دام''

نرسنگ ہوم کا یہ سپنا تیما اور گڈو نے ساتھ ساتھ ہی دیکھا تھا۔ پریم نرسنگ ہوم' اچھا لگتا ہے یہ نام۔ وہ اپنا گھر خالی کروالیں' وہیں بنوالیں نرسنگ ہوم۔ اس گھر کی بنیاد بھی تو اس کے خاوند نے ہی رکھی تھی۔ ہزاروں میل دور بیٹھی گڈو اچانک اپنے گھر کی اس پہچانی سی دنیا کے اندر اپنے تخیل سے رنگ بھرنے لگی۔ صاف ستھرے اجلے کمروں میں سفید گاؤن پہنے سیما اور ایک جوان لڑکا سفید دھلی چادروں سے ڈھکے لیٹے مریض۔ انجکشن دوائی لئے نرسیں۔ نجانے وہ کیسے حال کی دنیا سے ماضی میں داخل ہوگئی۔ ہسپتال کے بستر پر لیٹے لیٹے اس بیہوش آدمی کا چہرہ تو پہچانا سا لگتا ہے۔ بار بار لمبی لمبی سوئیاں چبھو چبھو کر خون نکالا جاتا ہے۔ پتہ نہیں کتنے ناموں کے کتنے سارے ٹیسٹ۔ گڈو کو لگتا ہے کہ وہ اس کا خون اس کی جان کھینچے لئے جارہا ہے۔ کوئی دوا ہندوستان میں موجود نہیں' جب تک لندن سے دوا آتی ہے اس کے خاوند کے پران پکھیرو جاتے ہیں۔

گڈو کا جسم اور دماغ سن' ایسے لقوا مار گیا ہو۔ جب آنسوؤں کی دھار بہی تو ایسی کہ برسوں تھمی ہی نہیں۔ سیما تقریباً دس برس کی تھی۔ پوچھتی تھی پاپا کیوں مر گئے؟ مرنا لفظ اسے تب آتا تھا۔ اور اس کا مطلب ٹھیک سے نہیں سمجھتی تھی۔ گڈو نے بتایا کہ ہندوستان میں علاج نہ ملنے کی وجہ سے وہ بچ نہیں سکے۔ ساری نئی نئی بیماریوں کا علاج سیکھوں گی۔ چندی گڑھ میں ایک کلینک کھولوں گی۔'' گھنٹوں گڈو کی آنکھیں برستی رہیں۔ بیٹا کا ارادہ آج بھی جوں کا توں ہے اور اسے پورا کرنے کیلئے ساتھ دینے والا ایک ساتھی بھی۔ کتنا مبارک دن ہے آج۔

''او! خواہشوں کو پورا کرنے والے بھگوان تمہاری مہربانی ہم پر ہمیشہ رہے۔ اسی طرح بھلے کاموں میں لگے ہوئے ہم لوگ سکھ سپنوں اور رشک کو پائیں۔

گڈو کو اب انیا کی شادی کی اور بھی جلدی تھی۔ وہ بڑی ہے اس لئے اس کی شادی پہلے ہونی چاہئے ورنہ لوگ فالتو میں لڑکی میں کیڑے نکالتے ہیں۔ سوچ سمجھ کر گڈو نے ساری Planning کر لی۔ سیما کے امتحان ختم ہوئے ہیں۔ ہندوستان جائے گی۔ اجیت نے جو لڑکے نیا کیلئے انیا کیلئے چھانٹ کر رکھے ہیں ان میں سے کوئی ایک لڑکا تو اچھا ہوگا ہی۔ جس کی اس سے شادی کر دے گی اور اس کے بعد سیما کی یا دونوں بہنوں کی اکٹھی شادی بھی کر سکتی ہے۔ انیا کے سکالرشپ اور گڈو کی تنخواہ ملا کر گزارہ ٹھیک چل رہا تھا۔ ضرورت کی چیزیں۔ ریڈیو' ٹیپ ریکارڈر' کارننگ ویئر' ڈونگے' صوفے' ٹیبل لیمپ سبھی خریدے جا چکے تھے۔ راجو کی سکول کی فیس بھی نہیں لگتی تھی۔ آجکل تھوڑی بچت ہو رہی تھی۔ گڈو نے شادیوں کے لئے ساڑھیاں اور کچھ دوسرا بجلی کا سامان رشتہ داروں کیلئے خرید کر رکھنا شروع کر دیا۔ دوکانیں زیادہ دور نہیں تھیں۔ لہٰذا ہر اتوار کو یہی کام وہ کرتی تھی۔

پھر دوسرا خط سیما کا آیا ''میں بہت مس کرنے لگی ہوں ممی' پچھلے دنوں بیمار ہو گئی تھی۔ پرنسپل کہتی تھی۔ پرنسپل کہتی ہیں کہ اگر وہیں کسی ہسپتال می نوکری مل جائے تو وہ

مجھے دسمبر کی چھٹیوں کے ساتھ تین ماہ کی چھٹی دے دے گی۔ یہاں بھی انٹرشپ ہی کرلی ہے۔ مجھے پتہ کردو میں تو اتنے سالوں گھر پر رہی۔ پھر شادی کر کے آنے میں وہ بات تھوڑی ہی رہے گی۔ گڈو سوچ رہی ہے کہ ڈاکٹر جونیجا سے بات کرنی ہوگی۔ تینما کے بارے میں وہ ڈاکٹر جونیجا پر بہت اعتماد کرنے لگی تھی۔ اس نے ڈاکٹر جونیجا کو بتایا کہ اس کی بیٹی سیما ڈاکٹر بن رہی ہے۔ اس سے وہ بھی بچوں کی بات میں دلچسپی لیتے ہیں۔ کہتے تھے میرا بھتیجا بھی ڈاکٹر بن رہا ہے وہ ڈاکٹر سے ہی شادی کرنا چاہتا ہے۔ سیما سے ملوادیں گے۔ میرا خیال ہے یہ رشتہ بہت اچھا رہے گا۔ مگر سیما نے تو اپنا رشتہ جوڑ لیا تھا۔ گڈو نے سوچا ابھی کچھ نہیں بتائے گی ڈاکٹر جونیجا کو۔ سیما سے نہیں تو انیا سو ملوادیں گے اسے۔ پی ایچ ڈی کر کے ڈاکٹر تو انیا بھی بن جائے گی۔ ڈاکٹر جونیجا کے مشورے کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کر پاتی تھی۔ چھوٹے موٹے گھر کے مسئلے بیماریاں یا بیماریوں کے ڈر۔ ملا کی دوڑ بس مسجد تک۔

سیما کے بارے میں ڈاکٹر جونیجا سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ باہر سے آنے والے ڈاکٹرں کو یہاں انٹرشپ ملنا ناممکن سا ہو رہا ہے۔ خاص طور پر بڑے بڑے شہروں میں ڈاکٹروں کی بہتات ہے اور ہسپتال میں آمدنی کی بجائے الٹا کٹوتی ہو رہی ہے۔

سیما کو انٹرشپ تو انہوں نے اپنے ہسپتال میں دلوادیا تھا اور سیما کی ریذیڈنسی کیلئے بھی پوری کوشش کر رہے تھے۔ بھئی وہ بھی تو اپنی ہی بیٹی ہے ناں۔ سیما کے کام سے سبھی خوش تھے۔ ڈاکٹر جونیجا کو بتایا۔ ''ابھی مجھے شاید یہ کہنا نہیں چاہئے کہ تمہاری ریذیڈنسی تو بس پکی لگتی ہے۔ اس ہسپتال میں تم اگلے سال سے کام شروع کرسکتی ہو۔ سیما کو جیسے بھروسہ اعتماد نہیں ہوا۔ وہ بے حد خوش ہوئی یا سچ میں مل گئی اسے۔

"Thank you , thank you, so much uncle"

پھر تھوڑے دنوں میں سیما نے ڈاکٹر جونیجا سے کہا ''انکل میرا ایک منگیتر ہے

''ڈاکٹر جونیجا ایک دم دھک سے رہ گئے۔''ہاانکل می مان گئی ہیں میر شادی کرنے کو۔یوں ابھی کوئی رسم نہیں ہوئی کوئی منگنی ونگنی کی،پھر بھی پکی بات ہے۔

"Can you do some thin for him."

ہم لوگ شادی کر کے ہی ساتھ آئیں گے۔سیما کی آنکھوں سے جھلکتے بھروسے اعتماد کوٹھیس لگانے کی ہمت ڈاکٹر جونیجا میں نہیں ہوئی۔ابھی ایک دم کوئی ممکنات تھے بھی نہیں۔ابھی تو سیما ای شادی کے فیصلے کے حادثے سے نہیں ابھرے تھے۔ ڈاکٹر جونیجا اپنی بات سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔سیما کو نوکری تو دے ہی دی گئی تھی مگر اس کا منگیتر۔انہوں نے کہا''سیما'ایک دم تو کچھ نہیں کہہ سکتا پر کوشش ضرور کروں گا۔''

"Uncle, Please, I will be very grateful to you!"

سیما کی چمکیلی آنکھوں میں التجا کا اظہار جونیجا کے اندر کہیں گھر گیا۔بعد میں جونیجا نے گڈو سے کہا تھا''اتنے لوگ کہتے ہیں نوکری دلوانے کو۔میں سب کو منع کر دیتا ہوں حالت بہت خراب ہے۔میں اگر ہندوستانی کو لگواؤں تو میری اپنی شہرت بگڑنے کا بھی خطرہ ہے۔مگر معلوم نہیں میں آپ کو کیوں 'نہ' نہیں کر پایا۔گڈو نے آنکھوں میں قربانی کا تاثر بھر کر کہا تھا''مجھے بھی آپ کا ہی بھروسہ ہے ڈاکٹر جونیجا۔ گڈو جونیجا کے متعلق سوچتی تو کئی طرح کے سوال دل میں کچوکے لگاتے۔کی گڈو کا رشتہ جونیجا کے ساتھ بچوں کو نوکریاں دلوانے یا انہیں ٹھکانے لگوانے کا ہی ہے کیا یہ خود کو بیچنا نہیں ہے یا وہ سچ مچ جونیجا سے دل سے جڑ گئی ہے یا ہر بات اس سے بات کرنے کا بہانہ بن جاتا ہے۔اور جونیجا کی وہ بھی اس سے جڑا ہے اتنا ہی یا اس کی جسمانی ضرورتوں کا سامان بنا ہے۔کیا وہ اس کیلئے سر سے پاؤں تک جسم کی ضرورت پوری کرنے ولی ایک عورت ہے۔کوئی تو بات نہیں اس رشتے میں۔ پیار لفظ کا استعمال آج تک جونیجا نے نہیں کیا۔شاید وہ اس کی بیوی کیلئے سنبھال کر رکھ دیا گیا

ہو۔ وہ خود بھی اپنے خاوند کے خیال سے آزاد نہیں ہوئی۔ جو نیجا نے بھی شاید اسی خیال کو اپنایا ہوا تھا۔ شاید اسی لئے انجانے میں اتنا بھروسہ ہو گیا تھا۔ اسے پوری طرح دینے میں ہی اسے پورا پن مل گیا تھا۔ مگر یہ کیسا ان کہا ان لکھا معاہدہ تھا کہ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بھی دونوں کی زندگی میں کوئی حادثہ کوئی فتنہ کوئی پارٹی یا تہوار سا' لے آتے ہیں۔ پھر دونوں اپنی اپنی زندگی کی روانگی میں کھو کر جاتے ہیں۔ کبھی اسے پانے کی بے چینی بہت تیز ہو جاتی ہے۔ پھر پریشا ہو ہو کر جھکنے لگتی ہے۔ اس کے اندر ایک کشمکش لگاتار رہتی ہے۔ اس نے کیوں اتنی ڈھیل دی۔ اب یہ من کسی دوسرے شخص کا غلام ہوتا جا رہا ہے اور وہ شخص جیسے پھر بھی پرایا ہی رہتا ہے۔ یہ آگ تو اسے بھسم کئے جا رہی ہے۔''

''کہاں ہے وہ پاک کر دینے والی آگ۔ آگ میں تو ان شیطانوں کو بھسم کر دیا تھا ناسناؤں کے راکھشسوں کو وہ اسے بھی پاک کر دے گی۔''

ڈاکٹر جو نیجا کے ساتھ ہولے ہولے گڈو کی کنپٹیاں سہلا رہے تھے۔ گڈو جھٹک کر دور بیٹھ گئی اور کہا ''پلیز یہ نہیں''

''یہ کیا ہو جاتا ہے تمہیں اوما'' جو نیجا کی آنکھیں ابھی بھی سہلا رہی تھیں۔ گڈو چپ بیٹھی رہی تھی۔ پھر ایک دم بھرائی۔

''آپ کا اور میرا یہ رشتہ کچھ بھی نہیں''

''رشتہ کیسے نہیں اس سے بڑا رشتہ اور کیا ہوگا؟''

''ہم ایک دوسرے سے شادی تو کر نہیں سکتے۔ میں اکیلی ہوں اس لئے ترس کھاتے ہیں مجھ پر۔''

''تم اس نظریئے سے کیوں دیکھتی ہو۔ ہم دونوں کے درمیاں جو اتنا کچھ کرنے کو ہے۔ لگاتار ایک دوسرے کی چاہت' گھنٹوں باتیں' ایک دوسرے کی تکلیفوں کا ایک ساتھ سامنا کرنا' کیا یہ رشتہ نہیں۔ پردیس میں ہم لوگ کتنے اکیلے ہیں۔ کیا یہ

رشتے ہمیں زندہ رکھنے کیلئے ضروری نہیں۔ کیا ان کے کچھ بھی معنی نہیں تمہارے لئے۔''

گڈو کو جیسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا بولی ''سو تو ہے پر کب تک ایسے چلے گا۔ یہ رشتہ' آپ کو رماجی کے ساتھ کوئی عجیب محسوس نہیں ہوتا'' جو نیجا ایک لمحے کو رک کے پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولے۔

''نہیں یہ دونوں رشتے الگ الگ ہیں میرے لئے دونوں اہم ہیں۔ تم رما کی جگہ نہیں لے رہی اور نہ رما تمہاری جگہ لے سکتی ہے۔ تم میری دوست ہو۔ دوستی کے تعلق سے بھی پیار ہوتا ہے' اس ناطے سے تم اسے پیار بھی کہہ سکتی ہو۔''

گڈو ایک تک جو نیجا کو دیکھتی رہی تھی اور پھر ہنس کو بولی ''جانتے ہیں میرے اندر ہمیشہ ایک لڑائی چلتی رہتی ہے۔ کبھی من ہوتا ہے خود کو پوری طرح تمہیں سونپ دوں۔ تبھی اس نئے سال کی شام۔ پر تب من میں ایک گہرا پچھتاوا ہوتا رہتا ہے کہ ایسا میں نے کیوں ہونے دیا۔ میں تمہیں کہنا چاہ رہی تھی کہ تم کبھی بھی ایسا کچھ مت ہونے دینا۔''

جو نیجا بولے ''مگر یہ سب تو بہت سہج ہوتا ہے۔ جب تک کسی کو من میں لا سکتی ہو تو جسم کو اس جذبے کے اظہار کا محض ایک ذریعہ ہی ہوتا ہے۔''

''بے شک آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں' مگر مجھے تکلیف ہوتی ہے۔''

''کیوں اوما' تم اپنی فطری ضرورتوں سے کیوں انکار کر رہی ہو؟ کیا کوئی ڈر محسوس ہوتا ہو تمہیں؟ گڈو نے سانس بھری ''ڈر بھی جہیں باہر سے نہیں میرے اندر ہی ہے سب کچھ جو بکھرنے لگتا ہے مجھے لگتا ہے کہ اپنے آپ کو جڑا ہوا' مضبوط اور ثابت قدم رکھنے کیلئے مجھے کسی بھی شخص کے جسمانی چھون سے بچنا ہے۔ تمہیں شاید میری باتیں عجیب لگتی ہوں گی مگر میرے اندر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آدمی کی نزدیکی مجھے کمزور اور اکیلا کر دے گی۔ تم تو اپنے خاندان کو لوٹ ہی جاؤ گے' پھر اس رشتے کا

مطلب کیا ہے؟ صرف اداسی‘ تڑپ‘ من کا گناہ کے بارے سوچنا اور پھر بچوں کی زندگی میں بغیر وجہ ہی عدم تحفظ پیدا ہو۔ میں تو ماں ہوں مجھے تو زمین کی طرح مضبوط بنا رہنا ہے‘ جس سے پیدا ہو کر ساری زندگیاں پھلتی پھولتی ہیں۔ ’’ گڈو اپنی لے میں بولی چلی جا رہی تھی۔ جو نیجا نے ایک انجانے خیال میں اسے اپنی باہوں میں کس لیا۔ گڈو پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی ’’ میں بہت کمزور ہوں‘ بے حد اکیلی اور بے سہارا ۔۔ پتہ نہیں کیسے کاٹوں گی زندگی۔۔‘‘

جو نیجا نے کومل جیسے اس کے دونوں گال تھپتھپائے۔

’’ تم تو اوما ہو یعنی شکتی۔ سارے دیوی دیوتاؤں سے بھی بڑی ہے شکتی۔ جانتی ہو رام نے راون کو مارنے کیلئے شکتی کی پوجا کی۔ تم سچ میں ماں ہو زندگی دیتی ہو کمزور کہاں ہو تم۔‘‘

گڈو مسکرا دی تھی۔ گڈو اپنی آنکھیں جو نیجا پر گاڑتے ہوئے بولی۔

’’ آپ بھول گئے اوما کو ہی دکھشا یگ میں بھسم ہونا پڑا تھا‘‘

پھیکی سی مسکان کے ساتھ جو نیجا بولے ’’ وہ ستی تھی تم تو اپنے آپ کو درجناؤں کر کے بھسم ہو رہی ہو۔‘‘

گڈو نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر جیسے اسے چپ کراتے ہوئے کہا۔

’’ نہیں شبو کیلئے‘ سب کے کیلئے سب کی بھلائی کیلئے‘‘

☆

اپنی منصوبہ بندی کے سبب گڈو اپنی دونوں بیٹیوں کی شادیاں کرنے ہندوستان پہنچ گئی۔ ایئرپورٹ پر جہاز سے نکلتے ہی ہوا کی ایک پہچانی خوشبو' آسمان کے کھلے تنگ اور جسم پر دھوپ کے چھوٹے سے گڈو کے پور پور میں اتر گئی۔ پھر امیگریشن کی لمبی لائن سامان کا انتظار اور ایئرپورٹ سے باہر آتے ہی بھیڑ کی گرد کا احساس۔ اس نے اپنے آپ سے کہا میں تو بھول ہی گئی تھی یہاں کی دھول کو۔ بھیا' بھابھی' ماں' بھتیجا' بھتیجیاں' سبھی ایئرپورٹ پر آئے تھے۔ راجو اور انیا بھی گڈو کے ساتھ ہی آئے تھے۔ سیما کچھ مہینے پہلے ہی انٹرنشپ کے بعد لوٹ آئی تھی۔ وہ ابھی لدھیانے ہی میں تھی۔ آخری امتحان ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ صرف بچوں کو ہی دیکھ کر لگتا تھا کہ اتنا عرصہ گزر گیا۔ پورے پانچ سال بعد آرہی ہے۔ گڈو ڈھیروں باتیں' چائے کے دور پر دور' اور شادی کے صلاح مشورے۔ شروع میں کئی دن یہی کچھ چلتا رہا۔ دونوں بھائی اس کی حاضری میں تھے۔ انیا کیلئے روز لڑکے دیکھے جاتے تھے۔ سب کچھ جلدی جلدی اور بھاگا دوڑی میں ہو رہا تھا۔ گڈو کو بنک سے پانچ ہفتے کی چھٹی ملی تھی۔ اس نے سیما کی منگنی اور شادی اور انیا کیلئے لڑکا چننا اور اس کی بھی منگنی شادی کرنا تھی۔ انیا کا فیصلہ بھی نہیں ہوا تھا۔ گڈو بھابھی کے ساتھ سیما کے سسرال والوں سے ملنے پھاگواڑہ پہنچ گئی انوج' سیما' لدھیانے سے سیدھے ہی وہیں پہنچ گئے تھے۔ انوج بہت ہی ہونہار اور خوبصورت لڑکا تھا۔ گڈو نے سوچا سیما خوب سکھی رہے گی۔

دونوں ایک دوسرے کو چھیڑ کا مزہ لینے کا کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ گڈو کہتی "تم دونوں میں ابھی بہت بچپنا ہے" اسے سیما اور انوج کے یہ نٹ کھٹ کھیل اچھے ہی لگے۔ انوج کے خاندان کی مالی حالت اچھی تھی۔ پڑھے لکھے لوگ تھے اور سیما کو خوب چاؤ کر رہے تھے۔ شادی کے معاملے میں لڑکے

والوں کی کچھ تو مانگ ہوتی ہی ہے۔ انوج کے ماں باپ بھی اپنی ہی باتیں منوا رہے تھے۔ پر ایک بات مان گئے تھے کہ بارات چندی گڑھ میں لائیں گے کیونکہ گڈو کو وہاں اپنے گھر میں ہی شادی کرنے کی سہولت ہے۔ گڈو نے خوب کھلا خرچ کیا۔ جہاں سے ادھار ملا وہ بھی لے لیا۔ اس کی امریکن کمائی میں یہ روپے لوٹانا زیادہ مشکل تو نہیں ہوگا۔ رشتے دار، بھائی، وکیل بترا سبھی گڈو کے اردگرد اس کے سارے کام سنبھالے ہوئے تھے۔ گڈو نے ۲۱ تھال اور مٹھائیوں کے دیئے۔ سارے رشتہ داروں کو ایک سو ایک روپے لفافوں میں بند کرکے دیئے تھے۔ سسر کو پانچ سو ایک' اور ساس کو سونے کی چین اور ساڑھی۔ لڑکے کو مندری اور ہزار روپیہ شگن میں چڑھایا تھا۔

مگر شادی بیاہ کے معاملات بغیر کسی شکایت یا بک بک کے کبھی نپٹے ہیں۔ کسی نے سنا دیا کہ ہمارے ہاں تو ساس کو سونے کا سیٹ چڑھنا ہے۔ گڈو کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اتنا بڑھ چڑھ کر رہی ہے تب بھی یہ باتیں۔ اگر وہ یہاں رہ رہی ہوتی تو تب اتنا بھی نہ کر پاتی۔ پل بھر کو گڈو کو اچھا لگا کہ وہ برادری کی جھک جھک سے دور بیٹھی ہے۔

شام کو جب چنی چڑھانے اور مہندی کی رسم ادا کرنے لڑکے والے گھر آئے تو گڈو نے بھی ناپے جوکھے بنا نہ رہ سکی۔ سونے کے سیٹ خاصے بھاری تھے۔ سچ میں دیئے ہیں یا صرف دکھاوے کے ہیں۔ یوں ہے تو ایک بیٹا ماننا تو چاہئے اسے۔ مگر دو دو بیٹیاں بھی بیاہنے والی ہیں سو کیا جانے۔ امریکہ لوٹنے سے پہلے گڈو نے سیما سے کہا بھی تھا وہ سارے سیٹ جو تیری ساس نے چڑھائے ہیں ساتھ لیتی آنا۔ ساس کے پاس مت چھوڑ آنا۔ نیویارک میں ہی تیرا لاکر کھلوا دوں گی۔ مگر سیما کی ساس نے نہ صرف اپنی طرف کے ہی بلکہ گڈو کی طرف کے گہنے سبھی رکھ لئے تھے۔ کہ پردیس میں کھو جائیں گے۔ یہیں پڑے رہیں تو ٹھیک سے پڑے رہیں۔

سیما سے ہٹ کر پھر انیما کی طرف دھیان دیا گیا۔ لوٹنے میں صرف دس دن باقی رہ گئے تھے۔ مگر انیما کی شاپنگ سیما کے ساتھ ہوتی رہی تھی۔۔ تین چار لڑکوں کے خاندان شادی کیلئے زیر غور تھے۔ اوما کو ایک لڑکا اجیت بہت پسند آیا تھا۔ انیما اس سے تین چار بار ملی' اچھا لگا تھا اسے۔ مگر انیما کا کہنا تھا کہ اتنا Sophistictated نہیں جتنا وہ چاہتی تھی۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ تب بھابی نے کہا تھا تم امریکہ سے آئی ہو اس لئے Sophistecation کی بات کر رہی ہو۔ ہندوستان مین تو ایسے ہی ہوتے ہیں لڑکے۔ امریکہ جائے گا تو اس میں بھی آ جائے گی Sophistication ماما می اور نانی نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ لڑکا دیکھنے میں اچھا ہے۔ لمبا اونچا ہے' ڈاکٹر ہے اور خاندان بھی ٹھیک ٹھاک۔ ''کمی کیا ہے جو اتنے نخرے کر رہی ہے' انیما۔''

انیما تو تھک گئی تھی سوچ سوچ کر سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

واپس لوٹ جاتے تو سارے کا سارا انتظام۔ ماں' ماما مانی کی دوڑ دھوپ اور سارا ہندوستان کا ٹرپ سب ضائع ہی چلا جائے گا۔ اتنے ڈھیروں لڑکے تو دیکھ لئے وہاں بھی۔ یہاں بھی اور پھر Arranged میرج میں دیکھتے ہی تو پیار پنپتا نہیں۔ جاننے پر ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ مگر اگر بات میں الگ الگ نمبر دیئے جائیں تو انوپات میں تو راکیش اچھا لڑکا ہی ثابت ہوگا۔ امریکہ میں وہ امریکی زبان اور طور طریقوں کی ضرور عادی ہوگئی ہیل۔ تبھی اسے کچھ کمی سی محسوس ہوتی ہے اس میں۔ ورنہ سب کچھ تو اچھا ہے۔ اتنا شریف بھی ہے۔ اس نے بار بار کہلوایا بھی کہ انیما اسے بے حد اچھی لگی ہے' پسند آئی ہے۔ انیما نے ہاں کر دی۔ پھر جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ۔ پانچ دن بعد بارات ڈھک گئی۔ کھانے کا انتظام گڈو نے چندی گڑھ کے سب سے بڑے ہوٹل میں کیا تھا۔

ادھار اور لینا پڑا تھا۔ پر کسی نے بھی ادھار دینے میں حیل وحجت نہ کی۔ ڈالروں

کی شکل میں پیسے ملنے کا لالچ بھی تھا۔ خاص طور پر لوگوں کیلئے جو امریکہ پہنچنے کا خواب دیکھتے تھے۔ سبھی کہتے تھے کمال کی ہوئی ہیں دونوں شادیاں۔ عمدہ انتظام تھے ایسی بڑھیا خاطریں ہوئی بارات کی کہ کیا کہنے۔ گڈو امریکہ جا کر بہت ہشیار اور سمارٹ ہوگئی ہے۔ کیسی پھرتی سے بھاگتی دوڑتی تھی۔ شادی میں دو دولڑکیوں کی شادی میں بھٹنی گھوم جاتی ہے۔ یہاں تو اکیلے دم اسنے سب کچھ سنبھال لیا۔ بی جی تھکی آواز میں کہتی تھی۔ ''چلو بوجھ تو اترا بیٹیوں کا' ورنہ سال بھر سے لگے ہوئے ہیں اجیت اور ریش۔ یہ تو جب لکھ دیتی تھی وہاں سے یہ کرو وہ کرو دو۔ پہلے سے سب تیاریاں نہ کر کے رکھی ہوتیں تو کوئی آسان نہ تھا ی سب کام ہونا۔

شادی کے ہفتے کے بعد انیا کا یونیورسٹی کا سمیسٹر شروع ہونا تھا۔ سیما کے بھی ایک دو پرچے ابھی باقی تھے۔ سیما انوج لدھیانہ چلے گئے اور انیا راکیش کے ساتھ سسرال بھوپال چلی گئی۔ راجو کو تو کھیلنے سے ہوش نہیں تھا۔ ہر پل اپنے دوستوں اور کزنز سے لگا رہتا تھا۔ کبھی فٹ بال اور کبھی مناپلی میں لگے رہتے۔ کھانے تک کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ گڈو بھی کاموں میں الجی' کھانے کا پوچھنا بھول جاتی مگر بھوک تیز لگنے پر جب وہ کھانا مانگتے تو ایسے کھاتے کہ کڑھائی کی کڑھائی چٹ ہو جات۔ راجو کو برسوں بعد اس نے اس طرح کھل کر اور ٹھٹھیں مار کر ہنستے دیکھا تھا۔ وہ جب گڈو سے بات چیت کرتا تو آواز میں بڑا غصہ اور خوشی جھلک رہی ہوتی۔

''ممی پنٹو کہتا ہے کہ اس نے کمپیوٹر کبھی دیکھا ہی نہیں۔ میرے تو سکول میں کمپیوٹر ہے۔''

بھائی کے بیٹے کو برا نہ لگے اس لئے بولی ''چل چل کمپیوٹر نہیں تو اور بہت کچھ دیکھا ہے اس نے''

پنٹو کو شہ ملی بولا ''ہاں بوا یہ کہتا ہے اس نے کبھی مور ہی نہیں دیکھا''

مذاق' چٹکیاں' کھیل کھلواڑ چلتے ہی رہتے تھے۔ گڈو شادیوں کے سارے پھیلاؤ

کو پوراسنبھال بھی نہیں پائی تھی کہ اس کے لوٹنے کی گھڑی آ گئی۔ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے اب آزاد تھی، مگر دل پر کتنے ہی بوجھ دھرے تھے۔ جاتے ہی داماددوں کو امریکہ بلوانے کا انتظام کرنا تھا۔ ان کے گرین کارڈ کیلئے عرضیاں دینی تھیں۔ بی جی، بھائی بیٹیاں اور ان کے سسرال سب سے ہی روتے ہنستے وداع لی۔ کتنے ہی نئے رشتہ دار اچانک ہی بن گئے تھے۔ گڈو کے پاس تو جاننے پہچاننے کا بھی وقت نہیں تھا۔ ''سکھی رہیں بس اپنے اپنے گھر۔ گائتری منتر کے پاٹھ سے گڈو دل کو تسلی دیتی ہے۔ سب بھلا ہوگا۔ ان سب نے تو وہیں اس کے پاس آ جانا ہے۔ سیما کی ڈولی کے وقت جب وہ رو پڑی تھی تو اس کی ساس نے کہا تھا ''ارے بھئی رونا تو ہمیں چاہیے سسرال تو ہمارا بیٹا جا رہا ہے۔ یہ ڈولی تو بس رسم ہی ہے۔''

گڈو کا من پھر بھی کانپ رہا تھا۔

انیما یونیورسٹی گئی تو جیسے بھول ہی گئی کہ اس کی شادی بھی ہوئی تھی۔ راکیش کے ساتھ سسرال میں گزرے دس دن جس میں سسرال کے افراد کا ہی ساتھ زیادہ تھا۔ راتوں کو جب ساتھ سوتے تو راکیش اسے ڈھیر ڈھیر سارا چومتا، بور کر دیتا، اپنے گرم النگنوں اور سپرشوں سے۔ انیما کو ہڈیاں چٹخا دینے والے مضبوط النگنوں میں سکون اور سکھ بھی ملتا اور پیڑا بھی۔ اس کا جی چاہتا کہ کوئی اسے میٹھے میٹھے سہلا کر پیار کرے۔

راکیش کے تیکھے اویک میں تیزی بھی تھی اور جھٹکے بھی۔ انیما کی جسمانی پیاس کچھ ان بجھی سی رہ جاتی مگر جتنا بھی رس اسے جوشیلے اور جھٹکا دینے والے پیار میں ملتا، وہ اسے پوری طرح اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ امریکہ لوٹ کر ایک گدگدا دینے والی میٹھی سی یاد بن کر راکیش کا پیار اس کے خیالوں میں آتا تھا۔ اس کے آس پاس کچھ چک چکر لگاتے رہتے۔ شادی کر کے کیا اس نے ٹھیک کیا ہے؟ وہ خود ہی سے سوال پوچھتی رہتی اور خود کو یقین دلاتی رہتی۔ کبھی بہت گھبراہٹ ہوتی کہ جلدی میں یہ سب کیا کر بیٹھی۔ پھر ساری پریشانیاں جھٹک کر کہتی اس کا نمبر آنے میں تو ابھی

کم از کم سال لگ جائے گا۔ جب یہاں آئے گا تو دیکھ لیں گے اور پھر کام میں لگ جاتی اور شادی کے اس جھنجھوڑ دینے والے حادثے کو بھلا دیتی۔ انیما میں ویسے بھی گڈو جیسا مادہ تھا' جیسا بھی ہو گزارا کر لے گی۔ پھر راکیش نے بھی کہا تھا "انی مجھے تو تم دیکھتے ہی بہت اچھی لگی تھی۔ من میں ٹھان لی تھی کہ اسی لڑکی سے شادی کروں گا۔"

انیما کے دل میں ان لمحوں کو دہرانے کی خواہش زور پکڑنے لگتی۔ وہ خواب دیکھتی' نیاگرا فال پھواروں میں نہاتے' بھیگتے ایک دوسرے سے لپٹے راکیش کے جسم کی چرمرا دینے والے النگوں میں بندھے۔ گرینڈ کینین کے دور تک پھیلے اکاروں اور چٹانوں کے رنگوں سے' چمکتے ڈزنی لینڈ کے جھولوں کے ساتھ ساتھ جھولتے۔ کلپنا کے کتنے ایسے جال پھیلاتی سمیٹتی انیما اب کبھی کبھی خود کو تنہا اکیلا محسوس نہیں کرے گی' دونوں ساتھ گھومیں گے۔ اچھی اچھی جگہ دیکھیں گے۔ پی ایچ ڈی ختم ہوتے ہی انیما کو بھی کسی انڈسٹری میں اچھی سی نوکری مل جائے گی۔ راکیش ڈاکٹر تو ہے ہی پیسے کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ خوبصورت سا گھر بنائیں گے اور اسے بہت صاف ستھرا اور سجا کر رکھے گی۔ اپنا گھر ایک دم پریوں جیسا گھر ہوگا' مگر بہت جلد ہی سپنوں کے جال کو جیسے اصلیت کے چوہے کترنے لگتے۔ راکیش کے پاس یہاں پہنچتے ہی نوکری نہیں ہوگی۔ معلوم نہیں کتنی دیر لگے گی۔ انیما کا اسکالرشپ بھی اتنا نہیں کہ الگ کمرہ لے کر رہ سکیں۔ سیما انوج بھی تو آ رہے ہیں۔ سیما کو اگلے سال ریذیڈنسی ملے گی تو تب تک کیسے سب لوگ اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں رہیں گے۔

انیما سے زیادہ گڈو کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ شروع میں جب دونوں جوائی گھر پر رہیں گے۔ تو کیا انتظام کیا جائے؟ گڈو اور انیما نے ترتیب وار سارے حالات کا جائزہ لیا اور پھر اس فیصلے پر پہنچیں۔ پہلا فیصلہ تو یہ تھا کہ ہندوستان میں تو بیٹی سسرال جاتی ہے اور سسرال کا گھر جیسا بھی ہو وہاں رہا کرتی ہے۔ یہاں لڑکے سسرال

آ رہے ہیں تو انہیں بھی حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہوگا۔ دوسرا فیصلہ تھا' جوائیوں کو گرین کارڈ دلوانا' اور وہ جہیز کا سب سے بڑا تحفہ تھا۔ ان کو گھر پر رکھ کر نوکری کا انتظام کرنا۔ لڑکی والوں کی اصولاً ایسی ذمہ داری نہیں ہوتی ان کو تو شکر گزار ہونا چاہئے کہ خوش قسمتی سے ایسی لڑکیاں ملی ہیں جو نہ صرف پڑھی لکھی اور دیکھنے میں اچھی اور کماؤ ہیں بلکہ خاوند کو نوکری ملنے تک خاوند کو گھر بٹھا کر کھلانے کی ذمہ داری بھی لیتی ہیں۔ امریکہ آنے کا موقع بھی تو مل رہا ہے' یہی کیا کم ہے۔ اس لئے سمجھوتہ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہئے۔

شادیوں کو وجہ سے گڈو پر ادھار اتنا چڑھ چکا تھا کہ بڑے مکان میں تبدیل ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ فیصلہ ہوا کہ راکیش انیا' راجو کے کمرے میں اور انوج سیما' گڈو کے کمرے میں اور راجو اور گڈو بیٹھک میں سوئیں گے۔

راجو کی زندگی پھر سے ایک Passive چکر ہو کر رہ گئی تھی۔ سب کچھ دیکھتا تھا مگر کسی بھی معاملے میں حصے دار نہ تھا۔

شروع شروع میں جب اس ملک میں آیا تھا تو نہ اتنا چھوٹا تھا کہ کسی چیز کیلئے مچلتا اور نہ اتنا بڑا کہ بے سروکار رہتا۔ Holloween پر جب سارے بچے ٹولی بنا کر گھر گھر پیسہ مٹھائی مانگنے جاتے تو اسے محسوس ہوتا کہ اس کی اپنی ایسی کوئی ٹولی نہیں ہے۔ اکیلے جانے میں رم بھی آتی ہے اور مزہ بھی نہیں آتا تھا۔ وہ دل میں سوچتا رہ جاتا۔ کرسمس پر جب بچے تحفے اور کرسمس کی ہی باتیں کرتے تب بھی وہ خود کو اس سے باہر کا ہی محسوس کرتا تھا۔ ماں کے ساتھ شہر کی سجاوٹ دیکھ لینے سے دل نہیں بھرتا تھا۔

گڈو کہتی کرسمس Tree بڑے مہنگے ہیں اور کرسمس تو ہمارا تہوار ہی نہیں' فالتو میں خرچا اور محنت کی جائے۔ کرسمس سے ایک دن پہلے جب کرسمس Tree سستے ہو جاتے تو ایسے ہی وہ راجو کا من رکھنے کیلئے ایک لے آتی تھی۔ مگر تب سجانے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ بجلی کے لٹوؤں کی ایک لڑی اور نئے سال کے کارڈ پیڑ پر لٹکا دیئے

گئے تھے۔ یہ ادھ پکا سا انتظام راجو کیلئے کوئی خوشی نہیں لا سکا تھا۔ الٹا اسے شرم ہی محسوس ہوتی تھی۔ بہنوں کی شادیاں اس کی مرجھائی زندگی میں ایک دم برسات کا موسم سا لے آئی تھیں۔ واپس آ کر پھر وہی روٹین تھی۔ انیا یونیورسٹی میں، ممی بنک میں اور راجو سکول میں۔ سکول کے بعد ٹی وی دیکھنا کوئی کتاب پڑھنا اور ہوم ورک کر کے اگلے دن کیلئے تیار ہونا۔ کسی سماجی سرگرمی یا منورنجن میں اس کا کوئی بھی حصہ نہیں تھا۔ پڑھائی میں نمبر اچھے آتے تو گڈو اسی سے بے فکر ہو جاتی۔ اس کا سب سے زیادہ واسطہ نمبروں سے ہی تھا کہ اور اس کے علاوہ جیسے اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ ممی دیر سے آئے یا جلدی انیا آدھی رات تک لیب میں رہے یا گھر پر، اسے کوئی مطلب نہیں۔ اپنے گھر پر اسے کوئی مطلب نہیں تھا۔ اپنے گھر میں جیسا پرایا ہوتا جا رہا ہے گڈو ڈر جاتی ہے۔

ہون کے دھوئیں میں اسے ڈراونی تصویریں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ کتنی ہی اطراف سے بھیانک بدصورت چہرے ہون میں گوشت کے لوتھڑے پھینک رہے ہیں۔ گڈو دیکھتی ہے وہ ڈراونے چہرے۔ وشوامتر کے یگیہ کی حفاظت کرنے والے شیطانوں سے ملتے جلتے ہیں۔ گھنے گھنگھریالے بال اور لمبے لمبے دانت، زبان باہر نکالے ہوئے، آنکھوں میں کچا چبا جانے والی بھوک بالکل ویسے ہی۔ مگر یہ کیا، یہ چہرے تو شاید ٹیلیویژن میں دیکھے یا راجو کی کومکس کی کتابوں کے چہرے ہیں۔ اتنے ہی بھیانک اتنے ہی ڈراونے۔

یہ اپنے مین اتنا کھویا کھویا کیوں رہتا ہے؟ راجو نے کہیں کوئی گرل فرینڈ تو نہیں بنا لی۔ گڈو اس کے ابا کی بھی کمی محسوس کرتی ہے۔ Teenage میں باپ کے ساتھ جو ایک رشتہ بن جاتا ہے وہ ماں کے ساتھ بھلا کہاں بن سکتا ہے؟ گڈو جہاں اپنی بیٹیوں کو بہت قریب محسوس کرتی تھی وہاں راجو سے اس کی ذاتی، اس کے جسم سے متعلق باتوں سے ایک جھجک تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے راجو اس سے دور ہوتا جاتا

ہے۔اس کی دنیا ایک سائنس فکشن، کومکس ٹی وی، وڈیو گیمز کے چکروں سے ہی بنی ہوئی ہے۔اس میں نہ تو گڈو کو دلچسپی ہے، نہ ہی وہ انہیں سمجھ پاتی ہے۔بس ڈر لگتا ہے کہ کہیں راجو اجنبی نہ ہو جائے۔تشدد کے جو سب سے برے اور بد صورت روپ ہو سکتے ہیں وہی نئے جامے پہن کر بار بار ٹی وی پر پیش ہوتے ہیں اور انہی سے راجو کا روز کا ساتھ ہے۔" راجو تو کیا دیکھتا رہتا ہے یہ سب؟ کہ مزہ آتا ہے تجھے اس ٹھیشن ٹھیشن میں؟ان سب کا الٹا سیدھا اثر ہوگا۔"

"ممی سارے لڑکے بھی تو یہی کچھ دیکھتے ہیں صرف میں ہی تو نہیں"

"تو دوستوں ساتھ باہر کیوں نہیں کھیلتا۔یہ اکیلا کھیلتا رہتا ہے گھر پر۔اب یہ کارڈ کیسے ہیں؟"

"یہ تو بیس بال کے کارڈ ہیں" "تو ایسے اکیلے کھیلتے بور نہیں ہوتا۔

"ممی پلیز میری گیم مت خراب کرو۔میں سکول میں دوستوں سے ساتھ کھیل لیتا ہوں۔"

"اچھا چل چھوڑ اسے مجھ سے بات کرو"

"وہ وہیں کھیل پر نظر جمائے بولا' کیا بات کروں؟" گڈو نے اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا "تمہیں کیا ہو گیا ہے راجو"

"تم بیکار کیوں فکر کرتی ہو ممی" راجو بولا۔

"راجو تو یہاں خوش ہے" گڈو نے جیسے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ہوں، ممی! مگر اب ہم ہندوستان دوبارہ کب جائیں گے؟"

گڈو چونکی تھی راجو کے سوال سے۔پھر بولی "اب تو یہاں ہی بن جائے گا ہندوستان۔راکیش سیما، انوج سبھی تو آنے والے ہیں"

گڈو اور راجو کا زبانی لین دین بہت کم ہوتا تھا۔دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی بھلی لگتی اور چین دیتی تھی۔انیا نے ہلکی ہلکی لہریں اٹھائی تھیں، کبھی ممی سے

کچھ کہا اور کبھی راجو کو چھیڑا۔

مگر چھوٹے سے اس اپارٹمنٹ میں چھ بالغوں کی رہائش نے عجیب ہلچل مچا دی تھی۔ اوپر سے نئے نئے نازک رشتے۔ راجو کی زندگی کی جھیل میں جیسے طوفان آ گیا تھا۔ کمرہ خالی کر کے بیٹھک میں سونے کو کہا گیا تو اسے لگا کہ اس کی اپنی زندگی میں دخل اندازی کی جا رہی ہے بولا "ممی میں پڑھوں گا کیسے' مجھے تو یہاں لگاتار پریشانی رہے گی۔ کیا میں اپنے کمرے میں ٹکا نہیں رہ سکتا؟"

گڈو انیا نے اس انتظام میں راجو سے مشورہ نہیں لیا تھا۔ گڈو جواب تک راجو کے آگے پیچھے لگی رہتی تھی' اس کے کھانے اور پہننے کی دیکھ بھال کا خیال رکھتی تھی۔ اب پوری طرح جوائیوں کی خاطر داری میں مشغول ہو گئی تھی۔ راجو کو بھی بار بار ان کی خدمت کیلئے بھگایا جاتا۔ خواہ وہ ایئرپورٹ پر سوٹ کیس اٹھانے کا کام ہو یا سودا لانے کا۔ راجو کو ایسا بھیڑ والا گھر اپنا نہیں لگتا تھا۔ اس کے فائنل امتحان نزدیک آ رہے تھے اور وہ بہت فکرمند ہو رہا تھا۔ اس نے گڈو سے کہا بھی "ممی ایک طرف تو تم یہ چاہتی ہو کہ میں آئی وی لیگ یونیورسٹی میں داخلہ لوں' دوسرے تم نے مجھ سے میرا کمرہ تک چھین لیا ہے۔ گھر میں چین بھی نہیں کہ پڑھ سکوں۔"

گڈو فکر تو ہوئی مگر کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ دونوں جوائیوں کے پاس نوکری نہیں تھی نہ ہی سیما کو ہی ابھی ریذیڈنسی ملی تھی۔ جوائیوں کی ذہنی حالت نئی شادی میں مگن رہنے کی تھی کھانا پینا اور سیر سپاٹا ہی انہیں سوجھتا تھا۔۔

گڈو کو پیسے کا بوجھ اس کی جیب سے کہیں زیادہ تھا۔ جوائی تو ڈالر برائے نام ہی لے کر آئے تھے۔ ان کو جیب خرچ تک تو گڈو کو دینا پڑتا تھا۔ شکر ہے کہ انیا کو سکالرشپ مل رہا تھا ورنہ خالی گڈو کی تنخواہ میں تو بس کھانا بھی مشکل سے ہی چلتا۔

راکیش اور انوج میں سے کوئی نہ کوئی ٹیلیفون پر ہندوستان میں اپنے خاندان سے بات کرنا چاہتا۔ گڈو کو ٹیلیفون کے بل کاٹنے کو دوڑتے۔ وہ خود تو پیسے بچانے کی

خاطر فون کرتی ہی نہیں تھی اور یہ چلے ہیں پیسہ اجاڑنے اور پھر اتنی لمبی بات کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ ساتھ ساتھ نوکری ڈھونڈنے کا سلسلہ بھی چل رہا تھا۔جس کے اپنے خرچے تھے۔ گڈو کی ایک دم مٹی پلید ہونے والی حالت ہوگئی تھی۔ جوائی کھانا بھی ہندوستان جیسا کھانا چاہتے تھے۔صبح پانچ بجے اٹھ کر ناشتے کیلئے بھرویں پراٹھے اور لنچ پر سبزی دال وغیرہ بنا کر دفتر جاتی۔لوٹ کر ڈنر بنانا ہوتا۔ سیما کو گھر کو کاموں کی قطعی عادت نہیں تھی' نہ ہی کچھ پکانا ہی سیکھا تھا۔انیا دن بھر لیب میں ہوتی' شام کو کچھ مدد کرتی۔ دونوں جوائی خاص مہمانوں جیسے بنے بیٹھے تھے۔اسی طرح ہفتوں گزرنے لگے۔ اسے نوکرانی بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس گھر میں۔ جوائیوں کو نہ تو سوجھتا تھا کہ گھر کے کاموں میں حصہ بٹائیں' نہ شرم وشرمی ان سے کچھ کہہ سکتا تھا۔ گڈو تھک کر چور ہو جاتی۔انیا سیما کو ایک مرتبہ بلا کر اس نے سمجھایا ''تم لوگ گھر کے معاملات میں پہل نہیں کروگی تو تمہارے خاوند کیسے سیکھیں گے۔تم کسی طرح انہیں دلچسپی دلاؤناں''

☆

اپنی ڈاکٹر بیٹی سیما سے بولی ''دیکھ تو اور تیرا خاوند ایک دم برابر ہو' تو بھی اتنا ہی پڑھی لکھی اور لائق ہے جتنا وہ لائق ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ تو اسے بٹھا کر روٹیاں کھلائے۔ دونوں مل کر کرو کام۔ انوج سے اس کے حصے کا پورا کام لینا۔ ابھی سے اسے غلط عادت ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں' ورنہ تو تو کام کر کے اپنی کمر توڑ لے گی اور اسے کچھ فرق نہیں پڑے گا''

پھر کچھ ٹھہر کر بولی ''عورت کی وقعت اتنی ہی بڑھتی ہے جتنی وہ خود بڑھانا چاہے۔''

سیما نے انوج سے کام میں ممی کی مدد کیلئے کہا تو وہ بڑے شوق سے تیار ہو گیا تھا' پوچھ رہا تھا ''یہ کوڑا پھینک آؤں' پلیٹیں سنک میں رکھ آؤں۔ چکن کری بنانا سیکھ کر آیا ہوں' بناؤں۔

مگر انیما کے پتی راکیش میں پورے ہندوستانی جوائی والا رعب تھا وہ کہتا ''ہم نے شادی اس لئے نہیں کی کہ بیوی کے گھر روٹیاں پکائیں۔ آدمی کو اپنی عزت کا خود دھیان ہونا چاہئے۔''

مہینوں ایسے گزرتے جا رہے تھے راجو کے امتحان سر پر آ گئے۔ وہ آج کل کھجتا تھا۔ گڈو نے انیما سے کہا ''راجو کی پڑھائی ٹھیک سے نہیں ہوتی کیا تو اور راکیش راجو کو اپنا کمرہ دے سکتے ہو۔''

انیما نے اسی دن بیٹھک میں شفٹ کر لیا۔ گڈو کو پانچ بجے بیٹھک سے ہو کر رسوئی جانا پڑتا۔ ناشتہ تیار کرنے کیلئے رسوئی کی آوازیں بھی آتی تھیں۔ راکیش کہنے لگا تھا کہ روز صبح صبح نیند خراب ہوتی ہے۔ جس کو صبح اٹھنا ہوتا ہے وہ ہی کیوں نہیں سوتا یہاں۔ پر یہاں تو سالے صاحب کی چلتی ہے۔ ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ پوچھوان سے کہ Living میں کیا تکلیف ہے ان کو۔ کیا ان کو بھی بیوی کے ساتھ رہنا ہے'

گڈو سنا ان سنا کر دیتی۔ راجو کو پریشان کرنا ناممکن ہے۔ پھر اس کا اس گھر پر پہلا حق ہے آخر بیٹا ہے گھر کا۔

انیما اور سیما کی بھی اپنے خاوندوں کے معاملے میں کھچر پھر ہو جاتی۔ سیما انیما سے کہتی "تو اپنے میاں سے کہتی کیوں نہیں ملنے کو' سارا دن بے کار بیٹھا رہتا ہے" اور انیما کہتی "تو انوج کون سا روٹیاں پکا کر کھلاتا ہے۔ اب میں اس بات پر لڑائی کرنے سے تو رہی۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے نوکری ڈھونڈنے کے سلسلے میں۔

فی الحال تو یہی اس کا کام ہے۔

<I do not think you Should Interfere in my Relationship with my Husband>

گھر میں دو الگ الگ کیمپ بن گئے تھے۔ انوج اور سیما نے لوکل امتحان کی تیاری شروع کر دی۔ راکیش ابھی امتحان نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسے ابھی پڑھائی کے لئے اور وقت کی ضرورت تھی۔ سیما کہنے لگی "راکیش ابھی امتحان بھی دینا نہیں چاہتا اور اسے ریذیڈنسی بھی نہیں مل رہی تو کوئی چھوٹی موٹی نوکری کیوں نہیں کر لیتا۔ کچھ آمدنی تو ہو گی۔ گڈو نے بھی سیما کے فیصلے پر رضامندی ظاہری نندا کے خاوند کو بھی آتے ہی ڈاکٹر کی نوکری تھوڑا ہی ملی تھی۔ کافی دن ایک ہسپتال میں لیب ٹیکنیشن لگا رہا تھا' پھر وہیں بعد میں جگہ خالی ہوئی تو ریذیڈنسی بھی مل گئی۔ یہاں کوئی برا نہیں مانتا۔ چھوٹا کام کرنے سے' آدمی چھوٹا نہیں ہوتا اور کوئی کام چھوٹا ہوتا ہی نہیں۔ ہر کام کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔"

راکیش کو گڈو اور سیما کے ایسے مشوروں سے غصہ بھی آتا اور بے عزتی بھی محسوس ہوتی "یہ ہوتی کون ہے مشورہ دینے والی۔ چار دن گھر پر کیا روٹی کھلانے سے اتنا حق مل گیا ان کو۔ میں بھی جوائی ہوں اور کیا جوائی کا حق نہیں ہوتا" وہ اندر ہی اندر بھنکتا رہتا۔

جب تک اپنی لائن میں کام نہیں ملتا میں کوئی بھی چھوٹی نوکری نہیں کروں گا۔ ایک بار چھوٹی نوکری کر لی تو کیا پتہ ترقی کا موقع نہ ہی ملے اور یہ لوگ بھی تو میری بے قدری ہی کریں گے۔''

کبھی کبھی راکیش بہت اداس اور نا امید ہو کر انیا سے کہتا میں تو واپس جا رہا ہوں ہندوستان۔ مجھے پتہ ہوتا کہ یہاں ریذیڈنسی ملنے میں اتنی مشکلات ہیں تو یہاں کبھی آتا ہی نہیں۔ انیا گھبرا جاتی۔ جس طرح وہ کہتا تھا لگتا تھا سچ مچ چلا ہی جائے گا۔

کی انیا کا اس کو کوئی کھچاؤ نہیں۔ صرف نوکری کیلئے ہی یہاں آیا ہے اور اگر نوکری نہیں ملی تو لوٹ جائے گا۔ راکیش کے چہرے پر ایک مایوسی چھپ گئی تھی۔ انیا محسوس کرتی کہ وہ اس پر اپنی مایوسی نکالتا رہتا ہے۔ اس دن وہ یونیورسٹی سے تھوڑا لیٹ آئی تو کیسے بھڑکا تھا، تمہیں معلوم تھا کہ میں گھر پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں پھر تم لیٹ کیوں چلی؟ یہ تمہارا سالا ملک ہی نرالا ہے۔ یہاں میاں بیٹھے گھر میں اور بیوی جائے موج کرنے۔ انیا نے تُو کا موج کرنے نہیں کام کرنے غصہ بڑھنے پر راکیش انیا سے بولنا بھی بند کر دیتا اور انیا کو ہی منانا پڑتا تھا اسے۔ اسے انیا کا ماں، بہن بھائی سے رشتہ بھی چبھتا تھا بولتا تمہیں خیال اپنی ماں، بہن اور بھائی کا ہے میرا تو تم قطعی خیال نہیں کرتی۔ انیا کو بہت دکھ ہوا اس بات سے۔ مگر راکیش کو ایسا لگتا کہ جیسے قسمت نے اس کے ساتھ کوئی بہت بڑا دھوکہ کر دیا ہو۔ امریکہ کے نام پر اسے اس عجیب غریب تنگ و تاریک اپارٹمنٹ میں قید کر دیا ہو۔ پنجرے کے دوسرے پنچھی بھی آسمان کی کمی سے گھٹ رہے تھے اور ہتاشا میں وہ ایک دوسرے کو ہی نوچنے لگے ہیں۔ کہاں تو اس نے سوچا تھا کہ امریکہ جا کر ایک دم امیر ہو جائے گا۔ اور یہاں دھیلے کی کمائی کا بھی آثار نہیں۔ اوپر سے یہ امید کی جاتی ہے کہ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹائے اور بازار سے سودا لائے۔ میم صاحب نے شادی کی ہے یا ہندوستان سے نوکر منگوایا ہے۔ عرضیاں بھیج بھیج کر تھک گیا تھا۔ ہر بار No

Vacancy سے عجیب ناکاری اور مجبوری کے احساس سے جھنجھلانے لگا تھا۔

گڈو کو گہرا افسوس ہونے لگتا یہ سب کیا کر دالا اس نے۔جسے وہ آزادی کا راستہ سمجھ رہی تھی وہاں تو اور روڑے گر پڑے تھے۔جوائیوں کو پالو پوسو اور ان کے تیور بھی دیکھو۔اندر سے غصہ پی پی کر باہر سے بہت ملائم بنی رہتی تھی۔بیٹیوں کا معاملہ ہے گزارا تو کرنا ہے۔مگر بیٹیوں کے بھیگی بلی بننے پر اسے بہت غصہ آتا تھا۔

اس نے دونوں کو الگ سے بلا کر جھڑک کر کہا تم دونوں بہت بھولی بھالی ہو۔مردوں کو سنبھالنا قطعی نہیں آتا۔جو وہ بول دیں تم مان لیتی ہو۔اسی لئے اتنا پڑھایا لکھایا تھا کہ دبو بنی رہو۔کسی بھی طرح تم اپنے خاوندوں سے کم نہیں ہو، برابر کی پڑھائی برابر کا خاندان اوپر سے گرین کارڈ بھی تو ہماری ہی وجہ سے ملے ہیں۔ذرا رعب سے رہا کرو تم۔

سیما کی ریذیڈنسی پہلی جولائی سے شروع ہونی تھی۔ڈاکٹر جونیجا نے صرف اسی کا انتظام کیا تھا۔ریذیڈنسی شروع کرنے کے ساتھ ہی سیما کو ہسپتال کے ساتھ ہی اپارٹمنٹ بھی مل گیا تھا۔سیما اور انوج وہیں چلے گئے تھے۔سیما ڈاکٹر جونیجا کو یاد دلاتی رہی انکل انوج کے امتحان میں مجھ سے زیادہ نمبر آتے رہے ہیں اس کو کہیں کچھ بھی نہیں مل رہا۔کچھ کر سکتے ہیں آپ جونیجا نہ تو نہیں کر پائے ہاں بیٹے ضرور کچھ کروں گا ضرور کروں گا بات۔

کچھ چھ مہینے کے بعد انوج کو کسی کی Leave Vacancy میں جگہ مل گئی۔راکیش ابھی بھی بیکار تھا۔گڈو کا بوجھ تو ہلکا ہوا تھا مگر راکیش کی مایوسی میں اب جلن بھی شامل ہو گئی تھی۔ایک خاندان میں تو دو دو ریذیڈنسی اور یہاں ٹھینگا۔وہ انیا سے کہتا۔ممی ڈاکٹر جونیجا سے میرے لئے کیوں نہیں بات کرتیں''

انیا کہتی بات تو انہوں نے کی ہے کچھ جگہ نہ ہو تو وہ کیا کریں۔

کیوں وہ انوج کی جگہ مجھے نہیں دے سکتے تھے۔

انوج کیلئے تو سیما پیچھے لگی رہ۔ہسپتال میں جو کام کرتی ہے ڈاکٹر جونیجا سے روز ہی کہتی ہے وہ

پھر تو سیما کو ہی خیال ہونا چاہئے تھا کہ میرے لئے بھی زور دیتی۔ میں کہتا تھا ناں کہ تیرے خاندان والے بڑے خودغرض ہیں۔تو ہی ان کے پیچھے مرتی ہے۔ اپنے سکالرشپ کے سارے پیسے تو گھر میں ڈال دیتی ہے۔اب سیما انوج کچھ دیتے ہیں تم کو؟''

''سیما راکیش تو یہاں رہتے نہیں ان کو حصہ ڈالنے کی ضرورت نہیں۔

''واہ واہ وہ تو کمائیں پچاس ہزار اور ہم یہاں سڑیں دوزخ میں۔

''تمہیں پہلے نوکری مل جاتی تو کیا تم آدھا پیسہ انہیں دے دیتے؟'' مگر راکیش اس بات پر چپ تھا۔تب انیا ہی کہتی رہی بات گھر کی ہے چاہے تمہیں ملے یا انوج کو پھر کیا معلوم انوج والی جگہ پر تم چنے بھی جاتے کہ نہیں۔

مطلب کیا ہے تمہارا۔انوج مجھ سے زیادہ ہوشیار ہے۔

ہشیاری کی بات کون کررہا ہے راکیش۔ہشیار بہت ہی ہیں مگر تگڑم کسی کسی کا ہی لگتا ہے یہاں۔

انیا نے راکیش کو ایف آر سی پی کا امتحان دینے کیلئے رضامند کرلیا۔اس سے اس کی ریذیڈنسی کے مواقع بڑھ جاتے ہیں۔سیما بھی ہوا امتحان دے رہی تھی۔خود کو نوکری کیلئے مضبوط کرنے کیلئے انوج نے کہا وہ اگلے سال دے گا امتحان۔

امتحان کی فیس اور ٹریننگ کے لئے انیا کا ڈھائی تین مہنے کا سکالرشپ لگ گیا۔ وہ راکیش کا حوصلہ بڑھائے رکھنا چاہتی تھی۔سیما اور راکیش کا پرچہ ایک ہی دن تھا پر الگ الگ شہروں میں۔سیما نے انیا سے کہا تھا تم چل سکتی ہے میرے ساتھ میٹی سوتا۔ایک دم نئی جگہ مجھے تو گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ارجن بھی نہیں جا سکتا۔تیری ہوائی ٹکٹ وغیرہ کا خرچہ سب میرا۔بس تو چل پڑ کسی طرح۔

سیما شروع سے ہی بہن پر بھروسہ کرتی تھی اور انیا کو بھی بہن کا خیال رکھنے میں خوشی محسوس ہوتی تھی۔ پر جب اس نے راکیش سے بات کی تو وہ بولا چلنا ہے تو میرے ساتھ چلو۔ بہن سے زیادہ پیار ہے کیا! یہ بات نہیں ڈارلنگ۔ تم تو آدمی ہو اکیلے آجا سکتے ہو۔ وہ بیچاری ابھی بچی ہے۔ ڈاکٹر بننے سے کیا۔ اس طرح اکیلے گھومنے کا تجربہ تو اسے ہے ہی نہیں نا۔ انیا سیما کے ساتھ ہی چلی گئی۔ شام کو راکیش نے فون کیا تھا میں نے اپنا پر چھ بیچ میں ہی چھوڑ دیا ہے۔ تمہیں جب اپنے گھر والوں کی ہی پرواہ کرنی ہے تو مجھے یہاں کیا کرنا ہے۔ میں تو چلا ہندوستان۔

اسی وقت جہاز لے کر بوسٹن چل دی تھی انیا۔ پر چھ تو رہ ہی گیا تھا۔ راکیش ایک روٹھے بچے کی طرح منہ پھلائے تھا منا کر گھر لائی نیویارک میں۔

راکیش کے اس برتاؤ نے انیا کو بہت اداس اور سہما دیا تھا۔ کیسے تال بٹھائے گی۔۔ اپنے خاندان اور راکیش کے درمیان۔۔ اتنا بچپنا کیوں ہے راکیش میں؟ یا یہ صرف حالت کا ہی انجام ہے۔ انیا کو لگتا تھا کہ جیسے اس نے کسی بگڑے بچے سے شادی کا ناطہ جوڑ لیا ہو۔ اسے معلوم تھا کہ راکیش پانچ بہن بھائیوں کے خاندان میں سب سے چھوٹا ہے۔ لاڈ کی اسے عادت ہے اور پردیس میں اکیلے اپنے خاندان کی یاد بھی آتی ہے۔ خاص کر اس طرح جب بے روزگار تھا وہ۔ سال سے اوپر ہو چلا ہے مگر نوکری کا کوئی انتظام نہیں۔ انیا کے اندر سارے رشتے کے متعلق شکایتیں اٹھنے لگتیں۔ کیا شادی کر کے اس نے ٹھیک کیا ہے یا ایک اور پریشانی پال لی ہے۔ اتنا سکھ بھی ملا ہے جتنا کہ دکھ بھگتنا پڑا ہے۔

سیما کے چلے جانے کے بعد سے پچھلا کمرہ انیا راکیش کو ہی مل گیا تھا۔ اب ایک دوسرے کا ساتھ ایک دوسرے کیلئے وقت زیادہ تھا۔ انیا ہر طرح سے راکیش کے ساتھ ایک میٹھا سا رشتہ قائم کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ ہفتے کے آخر میں فارغ ہی رکھتی اور کچھ نہ کچھ گھومنے کا پروگرام بنا لیتی۔

اس بار وہ دونوں نیاگرا فال دیکھنے گئے تھے۔ خوبصورتی اور شان کا یک ایسا حسین امتزاج' انیا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پانی کی دھاری مختلف سمتوں والی رفتار اور طاقت اسے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اور پھر کتنا سکون سکھ مل رہا تھا جسم کے کھلے حصوں کو ان پھواروں کا۔

ایک مرتبہ وہ اٹلانٹک سٹی کے کسینو میں گئے تھے۔ انیا کو عمارت اور روشنیوں کی ایسی بھدی نمائش دیکھ کر بڑی غلاظت محسوس ہوئی تھی۔ راکیش نے جوئے کے ایک آدھ داؤ بھی لگائے اور کچھ ایک ڈالر جیت کر بڑا خوش تھا۔

اکثر راتوں کو انیا کو ایسا لگتا کہ راکیش اس کے قریب آ گیا ہے مگر پھر طعنوں بھری کوئی جھڑکی اسے کوسوں دور پٹک دیتی۔

انیا کو کبھی کبھی ایسا لگتا کہ جیسے اس کے دل و دماغ پر کانٹے دار پودوں والی کوئی پتھریلی چٹان رکھی ہوئی ہو۔ تناؤ اور بوجھ کی وجہ سے وہ کچھ نہیں کر پاتی تھی۔ اس کی پڑھائی بھی ٹھیک طرح نہیں ہو پاتی تھی۔ راکیش کو خوش رکھنے کیلئے اکثر یونیورسٹی نہیں جاتی۔ اسی کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی رہتی۔ اس کی پڑھائی میں فل سٹاپ سا آیا ہوا ہے۔ پھر بھی راکیش سے کسی نہ کسی بات پر چھڑپ ہو ہی جاتی تھی۔ اس دن وہ تھکی ہاری یونیورسٹی سے لوٹی اور راکیش پندرہ منٹ بعد ہی سکول سے لوٹا تھا۔ جہاں وہ امتحان کی تیاری کیلئے جانے لگا تھا۔ اتنے ہی صوفے پر بیٹھ بوٹ اتارتے ہوئے اس نے آواز لگائی ''انیا ایک گلاس پانی دینا'' انیا بستر پر لیٹی' دن بھر کی تھکان دور کر رہی تھی۔ من نہیں تھا اٹھنے کا۔ سوچ رہی تھی اگر کہے گی کہ اپنے آپ لے لو تو کیا راکیش غصہ کرے گا۔ تبھی راکیش کا چڑھتا ہوا شور اس کے کانوں میں پڑا ''ارے تیرا پتی تجھ سے پانی مانگ رہا ہے تھکا ہارا تو میں بھی ہوں ابھی نوکری نہیں ملی تو کوئی پانی بھی نہیں پوچھے گا۔ میری ماں ایک ٹانگ پر کھڑی میرے باپ کی سیوا کرتی تھی۔ یہاں کے تو ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔

☆

انیا خوب جھنجھنائی تھی۔ ممی اس شام انوج سیما کے ہاں تھی وہیں رک گئی تھی۔ شام کو کھانے کے بعد برتن سنک میں ہی پڑے رہے۔ انیا نے کہہ دیا۔ تمہیں ڈال دو آج برتن مشین میں۔ راکیش کو تو اتنی سی بات پر جیسے آگ لگ گئی ہو۔ بولا تیری ماں تیرے باپو سے برتن دھلواتی تھی۔

انیا بے عزتی کا گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔ انیا کی تکلیف دیکھ کر گڈو کو ہول اٹھنے لگتا تھا۔ کہاں تو وہ سوچتی تھی کہ ڈاکٹر لڑکے سے شادی کر کے ہمیشہ کیلئے بیٹی کے واسطے ایک بڑا سکھی اور محفوظ مستقبل محفوظ کرلیا ہے اور کہاں یہ لعنت اٹھا کر پال لی ہے۔

سیما اور انوج کا اپارٹمنٹ خوب نیا اور روشن اجلا لگتا تھا۔ کچن میں سب کچھ صاف ستھرا چمکتا دمکتا الماریاں درازیں تھیں۔ شیلفوں پر سیما نے قرینے سے مسالے اور دالوں کی بوتلیں سجادی تھیں۔ اپنے گھر کا احساس میٹھی جھرجھری سی پیدا کر دیتا۔ پہلی تنخواہ کے ہاتھ آتے ہی ایک ہندوستانی ریسٹورنٹ میں اس نے پارٹی کی تھی۔ مکھنی مرغا' بکرے کی ران' بریانی۔ کتنا لطف آیا تھا کھانے کا۔ ممی تو سبزی خور ہیں اس لئے ایسے کھانے تو گھر میں بناتی ہی نہیں۔ پیسے سیما نے دیئے تھے۔ انوج اور سیما نے الگ الگ بنک اکاؤنٹ رکھے ہوئے تھے۔ یہ پارٹی سیما نے دی تھی۔ راجو' ممی' انیا اور راکیش کو تو پیسے بھی وہی دے گی۔

انوج اس دن میڈیکل کی پڑھائی کی ایک کتاب خریدنے جا رہا تھا۔ سیما نے اپنے لئے خریدے کو کہا تھا تو بولا تھا ''پیسے دے دے۔ کیا بیوی کیلئے اتنا بھی نہیں؟'' سیما کو چوٹ لگی تھی۔ شروع ہی سے تیرا میرا' میرا تیرا بنا رہا۔ سیما اور انوج دو الگ الگ انسان تو تھے ہی' مگر بیوی اور خاوند کے روپ میں بھی ایک اکائی نہیں بن پا رہے تھے۔

دونوں کو ریذیڈنسی میں چھتیں گھنٹے ایک ساتھ کام کرنا پڑتا۔ کبھی راتوں کو بھی

ایک ہسپتال میں ہوتا تو دوسرا گھر میں ہوتا۔ ہفتے میں مشکل سے ہی ایک دن ساتھ مل پاتے۔ جس میں وہ نیند اور تھکان دور کرتے اور روز ہی نئے مریض نئی طرح کی بیماریاں اور نئے طرح کے علاج سیکھنے اور اس کی پریکٹس کرنے کی دھن میں بے سدھ رہتے۔ ایک سے چیزوں سے واسطہ ہونے کی وجہ سے ان میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی عادت سی پیدا ہونے لگی تھی۔ دونوں میں کالج میں بھی ایسا ہوتا تھا۔ مگر سیما کے انوج سے نمبر کم بھی آتے تو خوشی ہوتی تھی۔ دل سے وہ ضرور چاہتی تھی کہ انوج اسے عقل میں اپنے سے کم نہ سمجھے۔ دونوں میں جھگڑے بھی اسی لئے چلتے رہتے کیونکہ دونوں ہی خود کو صحیح ثابت کرنے میں لگے رہتے تھے۔ کوئی بھی ہار نہیں مانتا تھا۔

تین مہنے کے بعد ہی کچھ قرضہ لے کر گاڑی خرید لی گئی تھی۔ گڈو بے حد خوش تھی، چاہے بیٹی کی ہی ہو۔ گھر میں گاڑی تو آئی گڈو کو لگا اس کا عہدہ بھی بڑھ گیا ہے گاڑی کے آنے سے۔ راجو کو یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا تھا بڑے اچھے وقت ہر گاڑی آ گئی۔ اگلے اگست میں جب اسے کالج چھوڑنے جائیں گے تو کار سے ہی جائیں گے۔ انوج کو برابر نہیں لگنا چاہئے سالا ہے آخر اس کا۔ سیما بھی گاڑی چلانا سیکھ رہی تھی۔ بولی ''مجھے کیوں نہیں چلانے دیتے؟

وہ بولا ''نئی کار ہے تجھے ٹھیک سے چلانی نہیں آتی، فی الحال مجھے چلانے دو۔''

سیما نے ڈرائیونگ ٹیسٹ پاس کر لیا تھا۔ ایک دن جب انوج ہسپتال میں ہی تھا تو وہ گاڑی چلا کر اچانک گڈو کے ہاں پہنچ گئی۔ اپنے اس نئے ہنر پر اسے خود ہی حیرانی ہو رہی تھی۔ پیچھے سے سیڑھیوں تک اپارٹمنٹ تک آتے چلائے جا رہی تھی۔ '' دیکھو ممی، میں اپنے گاڑی چلا کر آ رہی ہوں'' پھر راجو، ممی، انیا، راکیش سبھی کو گھما کر واپس چھوڑ گئی۔ واپسی پر جب ہائی وے پر آ رہی تھی تو ایک گاڑی سے ٹکر ہو گئی۔ سیما کو چوٹ تو معمولی لگی مگر گاڑی کا بونٹ دہرا ہو گیا۔ انوج غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

''خبردار جو میری گاڑی کو کبھی ہاتھ لگایا۔''

''میری غلطی تھوڑی ہی تھی کسی اور نے آ کر مارا۔''

''جس کی بھی غلطی ہو‘تم لے کر گئی کیوں؟''

''فکر مت کرو انشورنس سے پیسے مل جائیں گے تو نئی گاڑی خرید لینا۔''

دونوں اپنی اپنی کہتے چلے گئے۔ انوج اسے گاڑی چلانے نہیں دے گا تو کیا سیما اپنے لئے ایک اور خرید لے گی؟ ہوا بھی وہی‘ مہینے بھر کے بعد ہی گھر میں دو گاڑیاں تھیں۔ مگر چین تو پر بھی نہیں تھا۔ ایک دوسرے کیلئے لاپرواہی والا رخ اور بھی مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔

اس اتوار کو دونوں کا ایک ساتھ آف ڈے تھا۔ انوج سوا گھنٹہ مناکشی نامی لڑکی سے باتیں کرتا رہا تھا۔ فون سیما نے ہی سن کر انوج کو دیا تھا۔ سیما پوچھے بنا نہ رہ سکی

''یہ مناکشی کون تھی؟''

''وہیں ہسپتال میں ملی تھی کنزن ہے یہیں رہتے ہیں۔''

''تم تو ایسے باتیں کر رہے تھے جیسے کوئی قریبی دوست ہو''

''تو اس میں کیا ہے‘ہاں دوست بھی ہو سکتی ہے۔''

''انوج بھی تو ہماری شادی کی تیسری سالگرہ بھی نہیں منائی گئی اور تم ابھی سے دوسری لڑکیوں میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ مجھے نہیں پسند یہ سب کچھ۔''

''ٹھیک ہے تمہیں برا لگتا ہے تو گھر پر فون نہیں کرے گی۔'' ''کہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم سے کہیں باہر ہی ملا کرے گی''

''یوں تم مجھے اس سے روک تو نہیں سکتیں''‘مذاق جیسی آواز بنا کر انوج نے کہا تھا۔

''دیکھو انوج اگر تم نے کچھ ایسا ویسا کیا تو تم یہ مت سوچنا کہ میں چپ چاپ پڑی سہتی رہوں گی۔ میں تم پو کسی طرح سے بھی اعتبار نہیں کرتی۔ ہماری شادی کی تو

بنیاد پیار تھا۔ اگر وہ نہیں تو پھر شادی کا کوئی مطلب ہی نہیں۔"

"ارے سیما تم میرے کسی سے ذرا سے ہنسنے بولنے پر ہی ناراض ہو جاتی ہو۔ دراصل میں تو سوچتا ہوں کہ مجھے یہاں شادی کروا کر آنا ہی چاہئے تھا۔ اتنی سمارٹ اور کھلی طبیعت کی لڑکیاں ملتی ہیں یہاں کہ اپن کو من مار کر رہنا پڑتا ہے۔ تم مجھ سے ایک سمجھوتہ کیوں نہیں کر لیتیں نہ تم مجھ پر کوئی بندش لگاؤ گی اور نہ میں تم پر لگاؤں گا"

سیما انوج کی بات سن کر سن رہ گئی۔

خود تو غلیظ ہو مجھے بھی گھسیٹنا چاہتے ہو کیچڑ میں۔

سیما کے کان میں کچھ کامن ہندوستانی ڈاکٹرں کے ذریعے بھنک پڑی تھی کہ دو ایک نرسوں کے ساتھ بھی انوج کا رشتہ ہے۔ ڈاکٹر جونیجا نے کچھ ایسا ہی اشارہ گڈو کو کیا تھا۔ ممی کو جب ایس اپت چلا تو سیما نے سوچا تب وہ ضرور سچ ہو گا۔ اس شام گھر میں کہرام مچ گیا تھا۔ سیما کہہ رہی تھی مجھے نہیں رہنا ہے تمہارے ساتھ۔ تم اتنے کمینے ہو سکتے ہو' میں نے کبھی سپنے میں بھی نہیں سوچا تھا۔ کل ہی چل کر طلاق فائل کر دو۔"

انوج اس کی للّی پچّی کر رہا تھا "تو سمجھتی کیوں نہیں' سیکس اور پیار دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جو پیار میرے من میں تیرے لئے ہے وہ کسی اور سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اول تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں اور اگر کر بھی لوں تو ہمارے آپس کے رشتے میں تھوڑا ہی فرق پڑے گا۔ طلاق ولاق کی بات بھول جاؤ۔ ایسی افواہوں پر بھلا طلاق لیتے ہیں۔ تم تو ایک دم بچی ہو۔ کوئی کچھ بھی کہہ دیتا ہے تم مان لیتی ہو۔

"وعدہ کرو پھر آئندہ ایسی گڑبڑ نہیں کرو گے۔"

"قسم سے نہیں کروں گا۔"

مگر سیما کا بھروسہ جم نہیں پاتا تھا' اس میں دراڑیں پڑنے لگی تھیں۔ گڈو کا من اور بھی دکھی تھا۔ جتنا وہ ان بچوں کیلئے بھاگتی دوڑتی اور تکلیف اٹھاتی ہے' اتنا ہی فائدہ کی جگہ نقصان ہو جاتا ہے۔

بیٹیوں کی زندگی کے تناؤ نے اس کی ساری تمناؤں پر پانی پھیر دیا ہے۔ کیا غلطی رہ گئی ہے اس سے۔ تمناؤں ی ڈور کیا زیادہ کھینچ گئی ہے ''اے بھگوان' اے داتا پرمیشور' میرے دکھ دور کرو' ہم سب کا بھلا کرو۔ گڈو پھر سے منتر کا جاپ کرنے لگ گئی تھی۔ گڈو کی آواز کانپ رہی تھی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ انوج سے اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا ''سیما کو بہت دکھ ہوتا ہے' جب تم اس سے ایسا کچھ کہتے ہو یا ایسا کچھ کرتے ہو۔''

انوج نے ایک دم روکھا ہو کر جھٹکے سے گڈو کو کاٹ دیا تھا۔

"I don't think you should interfere in our personal matters."

اور یہ راکیش جو ابھی تک اس کی روٹیاں توڑ رہا ہے کیسے دانت پیس کر انیما سے کہہ رہا تھا۔

"You mother has the cheek to say that I should pick up the garbage--"

''سمجھ کیا رکھا ہے گھر جوائی نہیں بنا۔ ابھی تک کہ جب چاہو دھتکار دو اور تو اور اب خرچے کی کہانیاں بھی سنانے لگی ہیں۔ چھاتی پر سمیٹ لیں سارا پیسہ۔ جو کچھ کر رہی ہیں اپنی بیٹی کیلئے کر رہی ہیں۔ میرے اوپر کیا احسان ہے ان کا؟''

جن بچوں کی زندگی اس کی اکیلی بیوہ ہستی کا مرکز تھی اب وہ مرکز ہی اپنے مرکز سے ڈگمگا رہا تھا۔

''ڈاکٹر جونیجا' پلیز کچھ کیجئے ناں راکیش کی نوکری کیلئے'' گڈو ڈاکٹر جونیجا کے آگے گڑگڑائی تھی۔ گڈو کے آنسوؤں کو ہتھیلیوں سے پونچھتے ہوئے کہا تھا ''او ماں' تم کو تا کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ مجھے خود ہی اس کا خیال ہے۔ دراصل تمہاری اپنی تکلیف اتنی بڑی ہوتی ہے کہ میں اپنی تکلیف کا ذکر کر کے تمہیں دکھی نہیں کرنا چاہتا۔

میرا بھتیجا بھی اسی ہسپتال میں لگا ہے۔ کسی نے شکایت کردی کہ میں ہندوستانیوں کا خاص پاس خاطر کرتا ہوں اور میرے خلاف چال چل رہی ہے۔ یوں میرے پاس تگڑا ثبوت ہے کہ یہ تینوں ہندوستانی اور سارے امیدواروں سے بہتر ہی تھے اور اپنی اس بات سے میں پر اعتماد ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا جب سیما نے یہاں انٹرشپ کی تو میں نے کہا تھا ''اتنی محنتی لڑکی تو ہمارے ہسپتال کی خوش قسمتی ہو گی۔'' انوج اور اپنے بھتیجے کے بارے میں یہی خیال ہے اور میں ہی کیوں، سلیکشن کمیٹی میں اور بھی تو ممبر تھے۔ فیصلہ تو سب کی رضامندی سے ہوا تھا۔ یوں یہ جانچ منفی نتیجے پر ہی ہونی چاہئے۔ لیکن میرے لئے احتیاط برتنا ضروری ہے۔ یہاں سے تقریباً بیس میل دور نیو جرسی میں ایک ہسپتال میں ایک خالی جگہ نکلی ہے۔ وہیں راکیش کیلئے بات کرتا ہوں، وہاں میرا ایک دوست بھی لگا ہوا ہے۔ مگر معاف کیجئے میں اپنے ہسپتال میں فی الحال اس کیلئے کچھ نہیں کر سکتا۔''

نوکری ملتے ملتے چار پانچ مہینے اور لگ گئے تے۔ آنے والی جولائی سے راکیش کو نیو جرسی کے ہسپتال میں کام شروع کرنا تھا۔ اپارٹمنٹ اسے بھی وہیں مل گیا تھا۔ راکیش کی نوکری ملنے کی خوشی راکیش سے زیادہ گڈو اور انیا کو تھی۔ انیا سوچ رہی تھی کہ جن باتوں کی وجہ سے وہ کھٹا چڑتا تھا اب وہ نہیں رہیں گی۔ اپنے اپارٹمنٹ میں رہنے کے سکھ کے بارے میں سوچ کر ہی انیا کے دل و دماغ میں مٹھاس بھر جاتی تھی۔ جولائی میں انیا راکیش اپنے اپارٹمنٹ میں شفٹ کر گئے۔ اگست میں راجو یونیورسٹی چلا گیا۔ سیما کی کار میں اسے چھوڑنے گئے تھے۔ گڈو کا اپارٹمنٹ ایک دم سونا ہو گیا۔ انیا نئے سرے سے زندگی سنوارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہسپتال مین راکیش بہت مصروف ہو گیا تھا۔ ابھی بھی وہ ناخوش تھا۔ وہ جنرل میڈیسن میں خاص تعلیم پانا چاہتا تھا۔ مگر اسے پیڈریاٹک میں ریذیڈنسی ملی تھی۔ اس دیس میں بچے کم ہی بیمار ہوتے ہیں اس لئے بچوں کا ڈاکٹر بننے میں اتنی کمائی نہیں ہوتی۔ راکیش بھی

اس لئے اس میدان میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ مگر چناؤ اس کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ راکیش گھر آیا تو انیما اس کیلئے پہلے ہی سے تیار بیٹھی ہوتی۔ ''اگلے دن اتوار کو تمہاری چھٹی ہے۔ اوپر دیکھنے چلیں۔ آج کل یہاں ایک بہت اچھا اوپرا آیا ہوا ہے'' راکیش کے جواب نے انیما کو مرجھا دیا تھا ''ارے بھئی مجھے کسی اوپرا اوپر نہیں چلنا ہے۔ چلنا تو کسی اچھے سے انڈیا چائنیز ریسٹورنٹ میں چلو۔ وہاں کھانا وانا کھائیں گے۔ پھر ڈسکو چلیں گے۔ یوں میرا خیال تو یہ تھا کہ پہلا چیک آئے تو ایک ویڈیو خرید اجائے پھر خوب ہندوستانی فلمیں دیکھا کریں گے۔ میں تو ترس ہی گیا ہوں ہندی فلمیں دیکھنے کیلئے۔''

انیما نجمہ کے ساتھ اوپرا اور میلے دیکھنے گئی تھی۔ میوزک اور ڈانس میں دلچسپی و شروع ہی سے تھی۔ مگر افسوس بھی تھا کہ سب کچھ پیچھے چھٹا جا رہا ہے۔ سوچا کرتی تھی کہ راکیش جب آئے گا تو اس کے ساتھ دیکھا کرے گی۔ جین اور نجمہ کے ساتھ اس نے مغربی تھیٹر کی خوبصورتی کا بھوگا اور سکھ پایا حتا۔ امریکہ میں کم ہی ہندوستانی ایسے تھے جو امریکی کلچر اور آرٹ میں دلچسپی رکھتے تھے۔ امریکہ ان کیلئے ایسے سونے کی چڑیا تھا جس کی افادیت سے تو وہ بخوبی واقف تھے مگر جس کی خوبصورتی سے انہیں مطلب نہیں تھا۔ جن لوگوں میں کچھ کلچرل معاملات سے آگاہی تھی وہ اس ملک میں ہندوستانی کلچر کو ہی بچانے کو کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ گیتا ماسی بھی تو یہی کہتی ہیں۔ جتنا ہندوستانی آرٹ اور کلچر وسیع ارزرخیز ہے اس کے سامنے تو یہ ملک ٹک ہی نہیں سکتا۔ ہندوستانی کلاسیکل ڈانس اور میوزک میں جیسی روایات ہیں اس کے سامنے تو یہاں کا کلچر میوشک اور ڈانس نقل اور ادھار کا مانگا لگتا ہے۔ گیتا ماسی کو یوں بیلے اوپیرا کا سنا سنایا' تھوڑا سا گیان تھا۔ ممی کو بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ممی تو بیس چالیس ڈالر کا اوپرا ٹکٹ خرید کر کبھی بھی نہ جائے۔ وہ شاید نجمہ کی صحبت کا اثر تاھ کہ انیما ہندوستانی کلچر کی برتری کو جانتے ہوئے بھی وہ یہاں کے کلچر' سماج اور سیاست

سے جڑ کر رہنا چاہتی ہے۔ اس نے کبھی کسی ہندوستانی کو یہاں کی سیاست میں حصہ لیتے نہیں پایا۔ ذاتی طور پر تھوڑی بہت دلچسپی لیتے بھی ہوں مگر ایسی کوئی تنظیم نہیں جو لوکل کمیونٹی سے جڑ کر کام کر سکے۔ پچھلے سال نیویارک میں ہندوستانیوں کے ایک الگ انسٹی ٹیوشن نے یورپ امریکہ میں پھیلے ہوئے چھوٹے گروپوں کو جوڑ کر ایک فیڈرل سوسائٹی بنائی تھی۔ اس نے اس کا جلسہ دیکھا تھا۔ فیڈرل کا صدر بڑا جوشیلا لیکچر دیتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''ہم اتنے سال سے اس ملک میں ہیں اور ہمیں کوئی پہچانتا ہی نہیں۔ ہم سب کو منظم ہونا ہے تاکہ موقع آنے پر ہندوستانیوں کو ایک اقلیت کے روپ میں ایک خاص حق کیلئے ہم آواز اٹھا سکیں۔ ہمارے بچے یہیں بڑے ہوں گے۔ ہمیں ان کیلئے راستے کے کانٹے نکالنا ہے تاکہ آنے والی نسلیں یہاں سکھ سے جی سکیں۔ آپ نے سنا ہوگا ڈاکٹر منگل کا ہسپتال میں پرموشن کئی سال تک اس لئے رکا رہا تھا کہ وہ ہندوستانی ہیں۔ ہندوستانیوں کو نمبر ون پوزیشن نہیں دی جاتی اور یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں یہاں کے حالات اور اس ملک کی اتنی سمجھ نہیں۔ ڈاکٹر منگل نہ صرف سب سے سنیئر ہیں بلکہ ان کا کام بھی سراہا جاتا تھا۔ اب فیڈریشن کے دباؤ سے یہ کام ہو گیا ہے۔ میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ منظم ہو کر ہم سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں اس لئے ہم ہندوستانیوں کو یہاں منظم ہونا چاہئے۔''

انیما کو یاد ہے کہ سیمینار کے بعد فیڈریشن وائس پریذیڈنٹ رنگا ناتھن کہہ رہا تھا'' پرائم ٹیبل پر سینٹر کے ساتھ کیوں نہیں بٹھایا، پٹیل کو بٹھایا گیا۔ میں نے اتنا پیسہ انوسٹ کیا ہے اس انسٹیٹیوشن میں اور یہ اپنا ہی الو سیدھا کر رہے ہیں۔ پٹیل اور مہتہ اگر ایسے ہی سارا کریڈٹ لیتے رہے تو میں اس سوسائٹی سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ جلسے کے ختم ہوتے یہ لوگ کتنے گروپوں میں بٹ گئے تھے۔ سبھی میں اپنی اپنی ترقی اور شہرت کا لالچ تھا۔

☆

انیما نے تو ایک دم خود کو اس گروپ بازی سے کاٹ لیا تھا۔ اس انسٹی ٹیوشن نے ہندوستانی تہواروں کو منانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ پندرہ اگست ہندوستانیوں کی پریڈ نیویارک کی خاص رسم بن گئی تھی۔ امریکہ کے دوسرے علاقوں سے ہندوستانی بھی اس میں شامل ہونے آ جاتے ہیں۔ کچھ اور سوسائٹیاں نیویارک میں جگہ جگہ مندر ہی بنواتی رہتی ہیں۔ ہندوستانی دکانیں' ہندوستانی چیزیں' ہندوستانیوں کے نکالے ہوئے اخبار' ہندوستانی ریڈیو پروگرام' ہندوستانی ٹیلیویژن پروگرام سارے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں پھیل رہے ہیں۔ مگر کہاں ہے اس ملک کے پورے ماحول سے جڑ کر کچھ کرنے کا احساس۔

یہ مندر اور یہ چھوٹے چھوٹے گروپ تو اپنے Survival کیلئے ایک کوشش پر ہیں۔ ہم کھونا نہیں چاہتے۔ ہم اس ساگر میں ڈوبنا نہیں چاہئے۔ کنارے پر کھڑے ہو کر ہم اپنے تنبو گاڑھ رہے ہیں۔ ہم اس کے سورج تلے کی دھوپ تو لینا چاہئے ہیں مگر اس کی لہروں کے تھپیڑوں سے ڈرتے ہیں۔ گوردواروں میں لنگر تو یہاں بھی ہوتے ہیں مگر کتنے ہندوستانی ہو گے جو عام غریبوں کیلئے پیدہ لگائیں۔ امیری یہاں کے ہندوستانیون میں تھی اور بہت ہے مگر اس کا استعمال ہوتا ہے بڑے سے بڑا گھر خریدنے اور اچھی سے اچھی چیزوں' رورز رائس اور مرسڈیز گاڑیان خریدنے میں۔ چکن' وہسکی اور ولیم کی ندیاں بہانے۔ پارٹیوں میں زیادہ سے زیادہ اور آگے آگے بڑھیں تو ٹیکس بچانے کیلئے ہندوستانی تنظیموں کے آگے ڈالروں کے ٹکڑے پھینک دیئے جاتے ہیں اور اس طرح کہ دینے والے کا کچھ نام کچھ پہچان بن جائے۔ ہر ہندوستانی یہان ایک سوداگر ہے اور امریکہ ایک بہت بڑا بازار۔ وہ ہندوستانی اپنے خاص نالج اور اپنے تجربے کو لے کر آتا ہے اور خود کو نیلامی پر چڑھا دیتا ہے۔ اچھا دام لگ جائے تو کیا خوب' اچھی سی نوکری' خوبصورت سا گھر' نمکین سی

بیوی اور بلونڈ گرل فرینڈ۔ سب کا سودا ہو جاتا ہے۔ نہ اچھے دام لگیں تو بھی بیرے یا دوکاندار کی نوکری ہی سہی۔ لے دے کر کسی کو یہ گھاٹے کا سودا نہیں رہتا جب کم پڑھی لکھی اور کم ہشیار گوری جیٹ گڈو کی سپروائزر بن جاتی ہے یا چپ چاپ سست الوجود ہو کر ٹی وی کمپیوٹر سے چپکا رہنا راجو کی فطرت بن جاتی ہے یا گرین کارڈ دے کر خریدے گئے خاوندوں کو ڈھونا اور نہ ڈھونے پر طلاق کی کڑواہٹ جھلینا کتنی ہی لڑکیوں کی قسمتیں بن جاتی ہیں۔ اوپر سے پہچان کھو دینے کا ڈر' سنگ مرمری مندروں گر دواروں یا ویدک یونیورسٹیوں کے پھوڑے بن کر ابھر رہے ہیں۔ جو کچھ لوگوں کے وہم کو تسلی دینے کے بہنے پر ہی تو لیں۔ ہر بڑے امریکی چہر میں چائنہ ٹاؤن ہے۔ ویسے ہی اگلے سو سال میں انڈین ہر بڑے شہر میں موجود ہوں گے اور لوگ ہندوستانی کھانا یا عجیب وغریب چیز دیکھنے وہاں جائیں گے۔ مگر ساتھ ہی کہتے ہیں۔ How duty How Fillty! وہ حصہ اس پورے شہر پر گندگی کا ایک دھبہ بنا رہے گا۔ اس سے الگ شاید ہندوستانیوں کی الگ پہچان بنائے رکھنا بہت ضروری ہے۔ وہ کہتا ہے اس دیش میں آنے والی نسلوں نے اپنا کلچر اپنے ساتھ رکھا ہے اور اسے تسلیم بھی کیا ہے اور انہیں پہچان بھی ملی ہے۔ میوزیک (Mosaic) میں جس طرح الگ الگ پتھر جوڑ کو خوبصورت ڈیزائن بنتا ہے ویسے ہی اس ملک کی صورت ہے۔ ہر ملک سے آنے والے لوگ ہیں' ان کا نجی پن' ان کی کلچرل خاصیتیں جھلکتی رہتی ہیں اور یہی خوبصورتی اس دیش کی خاصیت ہے۔

انیا اس سے متفق نہیں ہوئی۔ تم صرف نیو یارک کو ہی دیکھ کر یہ بات کہہ رہے ہو۔ یہاں روزانہ نت نئے ملکوں رنگوں کے آباد کار آتے ہیں کہ نیو یارک تو ایک Melting Pot بن گیا ہے۔ یہاں ویسا اجنبی محسوس نہیں ہوتا مگر امریکہ کے دوسرے حصوں میں آدمی پردیشی ہی بنا رہتا ہے۔ انیا کہتی ہی چلی جا رہی تھی'' ارون یہ ملک پہلے کچھ کھیپوں میں آئے ان گوروں کا ہے جو یہاں کے ایڈمنسٹریٹر

اور یہاں کا قانون بنانے والے ہیں ۔ یہاں کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مالک ہیں ۔ ابھی تم پڑھ رہے ہو۔ کل نوکری ڈھونڈنے جاؤ گے تو دیکھنا کتنا فرق ہے' ان راج کرنے والوں کے قانون میں ۔ ایک طرف یہ ملک دم بھرتا ہے کہ دنیا کے ہر انسان کو آزادی اور ترقی کا ماحول دینے کے لئے اس کا دروازہ کھلا ہے ۔ دوسری طرف یہاں جو آ چکے ہیں وہ اپنے پیچھے دروازے بند کر دینا چاہتے ہیں۔ ہم ایشیائی لوگ اپنے اسی محدود گھیرے میں ہی اوپر اٹھ سکتے ہیں۔ کبھی ملکی سطح پر بھی کچھ سوچیں گے ۔۔ اس کی امید مجھے تو کم ہے ۔۔ ہاں کوئی اکا دکا نشانی کو رطور پر اپنی ذاتی طاقت کے بل پر اوپر آ جائے تو اور بات ہے ۔

انیما اپنے دل کی بات کو ایک سچ کے روپ میں کہہ ہی ڈالنا چاہتی تھی ۔ وہ آگے کہتی چلی گئی کہ " جانتے ہو' ہمیں یا ہماری ترقی میں اس ملک کی توجہ کیسی ہے؟ جب تک ہم انہیں ایک مددگار یا سرپرست کے روپ میں دیکھیں تو تب تب ٹھیک ٹھاک چلتا ہے۔ پر جب پورے حق سے ساتھ برابری پر آتے ہیں' تبھی اس کا اصل تیور سامنے آ جاتا ہے۔ تم دوسرے تیسرے درجے پر تو رہ سکو گے ۔ پر کسی ادارے کی چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کرو تو دیکھو کیسے دھکیلے جاتے ہو ۔۔ میں یا اکثر بار محسوس کرتی ہوں کہ جب تک ہم Exotic ہیں' وہیں تک ہمیں پسند کیا جاتا ہے ۔ برابری کریں تو بدنام قذافی بن جاتے ہیں ۔۔

☆

اسے باتھ رام میں پڑھا ایک فقرہ یاد آ گیا۔۔''ارون سنو تجھے ایک مزیدار بات سناؤں۔۔کبھی تم نے یونیورسٹی میں لیڈیز روم کے باتھ روم میں گرافک کے نمونے پڑھے ہیں۔۔یہاں ایک دیوار پر لکھا تھا۔۔ مجھے یاسر عرفات کے ساتھ بستر میں لٹادو۔کسی اور نے س میں جوڑا تھا۔۔مجھے تو اس سے زیادہ قذافی پسند ہے'' ان کی ایشیائی ممالک سو متعلق اتنی ہی دلچسپی ہے۔

آپ ہرے رام ہرے کرشن کا دھوتی ٹیکا لگائیں یا یوگ تنتر کی دھونی لگا لیں تو خوب واہ واہ ہوگی۔لوگ آپ کو اسی حیرانی اور اچرج سے دیکھیں گے جیسے آپ آسمان میں اڑتے سپسنگ کو دیکھتے ہیں۔ہماری غریبی ہماری بھوک ہمارے مذہبی طریقے ہمارے مندر اور ہماری اجنتا اور الوارا کی غریں سب ان کے لئے خوبصورت کھلونے ہیں۔جب کھیل کر بور ہو جاتے ہیں تو کسی اور ملک کے کلچر کو وہ لے لیتے ہیں جیسے چینی یا جاپانی یا جاوا اور سماٹرا۔۔مگر ہماری انسانی حیثیت سے ان کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔

"Wait , Wait" یہ تو تم سیاست کے میدان میں اترنا شروع ہو گئی ہو۔ ارون نے ایک دم اسے ٹک دیا۔

میں ساری بات آبادکاروں کے سلسلے میں ہی کر رہی ہوں۔ہم سبھی میں کلسٹر کلچر یا سماجی سطح پر ساتھ جڑے رہنے کی خواہش بہت تیکھی ہے۔ہندوستانی ہی کیوں' چینی' کورین یا یہودی دبھی اپنی کمیونٹی سے جڑے رہتے ہیں۔دوسری کمیونٹی کے لوگوں سے دوستی نوکری یا کوئی اور ایسی ہی وجہ ہو سکتی ہے۔دنیوی واسطہ نہ رہے تو دوستی بھی نہیں رہتی۔انیا کو خیال آرہا تھا کہ ممی بھی صحیح کہتی تھی۔ان کے دفتر کی لن دولن کے ساتھ خاصی بات چیت رہتی تھی۔لنچ بھی ساتھ ساتھ ہی کرتی تھیں۔لن

ڈولن نے جب نوکری چھوڑ دی تو گڈو کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ رکھا تھا۔ اکیلا پن پہلے خود چن لیتے ہیں یہ لوگ اور پھر رہ جاتے ہیں بالکل ہی اکیلے۔ پینتیس برس کا سٹینلے صرف اپنی پہانچ بلیوں کی ہی بار کرتا رہتا ہے۔ جب کسی سے اپنی چھتی بلیوں کے بارے میں بات کررہا ہوتا ہے تو لگتا ہے جیسے اپنے بچوں کی بار کررہا ہو۔ اس کی سپروائزر کے پاس بھی ایک بلی تھی۔ دو ایک بار اس نے بلی کو ہسپتال لے جانے کے لئے چھٹی بھی لی تھی۔ سٹینلے کرسمس پر بلیوں کے لئے تحفے خریدا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔۔ بلیاں جتان کچھ دو اتنے میں ہی خوش رہتی ہیں' اس سے زیادہ کی وہ مانگ نہیں کرتیں۔ اس لئے بلیاں اسے انسانوں سے زیادہ پسند ہیں۔

انیما ظاہری طور پر کہنے لگی ''تب تو مندروں کا ادارہ ہندوستانی آبادکاروں کی نفسیاتی اور سماجی صحت کے لئے ہی ہیں۔ ان میں سبھی کچھ تو ہوتا ہے۔ لوگ صرف پوجا ہی تھوڑا کرنے آتے ہیں۔ مندر کے آڈیٹوریم میں کلاسیکل رقص کی کلاسیں چلتی رہتی ہیں۔ ہر تہوار پر خاص پروگرام کئے جاتے ہیں۔ ان میں ہندوستانی خوب سج دھج کر آتے ہیں۔ دیکھنے اور دیکھائے جانے کے لئے تسلی پانے کے لئے کہ ان کی بھی سماج میں جگہ ہے۔ ایک دم کسی گہرے سمندر میں ڈوبنے سے پہلے وہ ایک زمین کا ٹکڑا ڈھونڈتے ہیں پاؤں رکھنے کے لئے۔ سب کی ہستی کا اکیلا پن یہاں مل کر ایک گروہی شکل بنالیتا ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے یہ اکیلا پن کم ہوجاتا ہے جو یہاں کی زندگی کی جڑوں کو گھن کی طرح کھاتا جارہا ہے۔ لوہا' لوہے کو کاٹتا ہے۔ ایک کا اکیلا پن دوسرے کے اکیلے پن کو۔ **کلسٹر** کلچر ایک نجات ہی ہے۔ جب ہم یونیورسٹی میں بیٹھے بیٹھے ساؤتھ ایشین سٹوڈنٹ سنٹر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو پورے دیس کے پھیلاؤ میں تو یہ ضرورت اور بھی بڑی ہوجاتی ہے۔

ایک اور یہ کہ یہاں آتے ہی ہندوستان Irrelevant ہوجاتا ہے پر کان پھر بھی وہیں کی خبروں پر لگے رہتے ہیں۔ یوں ہماری Commitment

کہیں بھی نہیں۔ بڑی آسانی سے باہر نکل آتے ہیں دونوں کی رنجش سے۔ لے دے کر زندگی صرف پیسہ کمانے اور طرح طرح کی چیزوں کے اردگرد چکر کاٹتی رہتی ہے۔

گڈو' انیا' راکیش' سیما' ارجن سب یہی کر رہے ہیں۔ سیما کہتی ہے ارجن کو تو چیزیں ہی نہیں' عورت کے جسم کی بھی ضرورت ہے' زندہ رہنے کے لئے۔ سیما' شک سے ڈسی ہوئی ہے۔ ہروقت سوال جواب' لڑائی تکرار۔۔

''کل تم ہسپتال میں تو تھے نہیں۔ کدھر چلے گئے تھے؟

''کل؟۔۔ہاں' کل دوستوں کے ساتھ باہر چلا گیا تھا۔''

''کن دوستوں کے ساتھ؟''

''وہی امر اور راجے!''

''مجھے کیوں نہیں لے گئے؟ میں تو گھر پر تھی''

''مجھے کیا معلوم تمہارا پروگرام' یا تو اپنے شیڈول کا چارٹ فریج پر لٹکا دو۔۔ پر دوستوں کے ساتھ میں ذرا بھی زندگی نہیں گزار سکتا۔ تم تو بار جانا پسند بھی نہیں کرتی۔۔ اسی دن تو کہہ رہی تھی کہ بار میں بور ہونے سے تو اچھا ہے کہ آدمی گھر پہ رہے۔

وہ تو ٹھیک ہے' پر یہ کیا مطلب ہوا کہ میں گھر پر بیٹھوں اور تم باہر شراب اڑاؤ۔ یوں بھی ہمارے پاس ایک دوسرے کے لئے وقت کم ہی ہوتا ہے۔۔ اوپر سے''

سیما سوچتی تھی کہ ارجن اپنا پیسہ شراب اور لڑکیوں پر خرچ کر دیتا ہے' اس لئے اس نے اپنی کمائی ہوئی دولت کو مکمل طور پر اپنے اختیار میں سنبھال رکھا تھا۔ گڈو بھی اس بات پر اسے اکساتی تھی کہ اسے احتیاط سے رہنا چاہئے۔ کون جانتا ہے ایسے آدمی کس وقت کسی عورت سے جسمانی رشتہ قائم کر لیں۔ سیما نے اپنے پیار اور اعتماد کو سنبھال کر باندھنا شروع کر دیا تھا۔

اس دن فریج خالی پڑا رہا تھا۔ سیما اور ارجن دونوں میں سے کسی نے بھی اسے بھرنے کے لئے خریداری نہ کی تھی۔ ہسپتال سے لوٹ کر ارجن کو زور سے بھوک لگ رہی تھی۔ فریج کھولا اور ایک دم بھڑ کا۔

''تمہارا آج آف تھا۔ پکانا نہیں تو شاپنگ کر کے رکھ سکتی تھی''

سیما صوفے پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس کا آرام کا دن بھی آج ہی تھا۔ بولی کل تمہارا آف نہیں تھا؟ تم کر دیتے۔۔؟ یوں بھی میرے پاس تو پیسے ہی نہیں تھے۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ بینک جا کر نکلوانے پڑتے اور اتنا وقت نہیں تھا۔'' پھر جو باتیں اندر گھوم رہی تھیں وہ بھی باہر نکال دیں۔

''تم سے میں نے کبھی کوئی بات نہیں کہی' تبھی تمہاری لاپرواہیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ گھر کا خرچہ آدمی چلاتا ہے۔ میں چپ چاپ کر دیتی ہوں تو تم اور بھی امید کرتے رہتے ہو۔ فرض تمہارا ہے یہ' پتنی کا نہیں۔ پر یہاں میں تو اپنی ساری تنخواہ گھر میں خرچ کر دوں اور تم گلچھرے اڑا دیا اپنے ماں باپ کو بیش قیمت تحفے بھیجو۔ میں نے جب کہا کہ راجو کی پڑھائی میں کچھ مدد کر دی جائے تو تم نے کہا۔۔

"Your brother is not our responsibility."

دقیانوسی ت بھی کم نہیں۔ جہیز اس زمانے کے لئے ٹھیک تھا جب عورتیں صرف خاوند کی محتاج تھیں۔ جب ہم دونوں برابر ہیں تو تم نے ایسی باتوں کی مخالفت کیوں نہیں کی؟ صرف لڑکیوں کے معاملے میں کھلا پن برتتے ہو۔ بڑے بنے پھرتے ہو رشتوں کی آزادی کی حمایتی اپنے لئے آزادی چاہتے ہو' تو دوسروں کو بھی آزادی دینا سیکھو۔''

سیما کے ہاتھوں میں ڈھیروں کانٹے چبھ کر اسے لہولہان کر رہے تھے۔ اس نے تو اپنی پسند کی شادی کی تھی، پھر کانٹے کیوں؟ دونوں اپنے کیریئر بنانے میں مشغول، ایک دراڑیں پڑ گئی ہیں تو اوپر سے سیمنٹ لگانے کا فائدہ کیا؟ میں یہ بچہ پیدا نہیں کروں گی۔''

''تم بڑی ہو، سمجھ دار ہو، جو بھی فیصلہ کرنا چاہو کر لو۔ مجھے تو تمہارے سکھ میں ہی سکھ ہے۔'' گڈو نے کہا تھا۔

''ممی، بات اصل یہ ہے کہ یہی وقت میرے کیریئر میں سب سے اہم ہے۔ ریذیڈنسی ہی بیچ میں چھوٹ گئی تو پھر آگے کیا کروں گی۔ اتنے برسوں سے تو لگی ہوئی ہوں ڈاکٹری کی پڑھائی میں، ساری محنت بے کار جائے گی۔۔''

''تجھے برا نہیں لگے گا؟'' گڈو نے دھیرے سے کہا۔ سیما کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ ''ممی مجھے سچ میں سمجھ نہیں آتا کہ اس شخص کے ساتھ میرا کیا رشتہ ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مجھے پیار کرتا ہے اور۔۔ پر اب اور نہیں سوچنا۔ زیادہ وقت بھی نہیں بچا۔''

ارجن کو Abortion کا پتہ چلا تو وہ بہت بڑبڑایا۔ غصے میں اس نے سیما کے گال پر طمانچہ بھی جڑ دیا تھا اور لگ بھگ چیختا ہوا بولا:۔

"How could you do that?"

میں نے کل ہی اپنے ممی پاپا کو مبارک باد دیتے ہوئے لکھا ہے۔ کیا کہیں گے وہ،

How could you be so inhuman?

سیما دل اور جسمانی طور پر کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ ابھی اوزاروں کی دہشت نہ اتری تھی۔ دل میں ایک ڈراؤنا سا احساس کہ اسے ہمیشہ کے لئے کچھ ہو گیا ہے۔۔ ایسا کچھ جو چاہے بھی تو لوٹے گا نہیں۔ برابر کسی قیمتی چیز کے چھن جانے کا احساس۔ گڈو سرہانے بیٹھے ماتھا دبا رہی تھی۔

''درد ہو رہا ہے، بیٹے''

''ڈر نہیں!۔۔''

سیما جیسے کہیں کھوئی ہوئی تھی۔ ''ایسا لگتا ہے۔۔بڑا عجیب سا خیال آ رہا ہے۔۔ ارجن میری گود میں سر رکھتا ہے۔۔ بہت پیارا سا چہرہ ہے وہ۔۔ پھر وہ چہرہ غائب ہونے لگتا ہے۔۔ میں اس کہتی ہوں۔۔ پتہ نہیں کیا کہتی ہوں۔۔ پر ممی' اس نے کیوں چوٹ پہنچائی مجھے' شاید ٹھیک ہی کیا ہے میں نے۔۔ وہ میرا ہو کر رہ نہیں سکتا تو میرا پورا پن بھی کیونکر ملے اسے۔۔ مجھے نظر آ رہا ہے بہت اداس ہے ارجن۔۔ پر اب اسے لوٹا نہیں سکتی۔۔ مستقبل کا وعدہ دے سکتی ہوں۔۔''

مستقبل کو کس نے دیکھا ہے۔ سیما کو دوبارا ور گربھ ہوا۔ پہلے گربھ میں چیچک نکل آئی تو حمل گروانا ہی پڑا۔ دوسرے میں بچے کا دماغ پورا نہیں بن رہا تھا تو ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ بچے کا پیدا ہونا اس کے فوت ہونے سے کہیں بہتر ہوگا۔ سیما اولاد کے سکھ کے بارے میں پریشان رہنے لگی۔ گڈو سمجھتی تھی کہ ہر سکھ کی کچھ نہ کچھ قیمت دینا ہی پڑتی ہے۔ ایک کہانی اسے یاد آ گئی۔ ڈبلیو ڈبلیو جیکسن کی کہانی کا ہندی ترجمہ۔۔ بندر کا پنجہ۔ اس میں بھی غریب ماں باپ تھے۔ بیٹا کہیں دور نوکری پر۔ ایک بھکاری بندر کا پنجہ لے کر آتا ہے اور ماں باپ کو بتاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اس سے من مانگی مراد پائیں گے۔ شرط اتنی کہ جو کچھ بھی ملے گا نقصان اس سے کہیں اور ہو سکتا ہے۔ ماں باپ کو پیسوں کی ضرورت تھی وہ وہی مانگتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں ایک منی آرڈر آتا ہے لکھا ہے آپ کے بیٹے کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا ہے۔ یہ اس کا معاوضہ ہے۔ دہلا دینے والا اختتام۔ کالج میں جب اس کہانی کا ڈرامائی روپ پیش کیا گیا تھا تو بوڑھی ماں کا کردار گڈو نے ہی کیا تھا۔ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھی تھی گڈو۔ اے پرمیشور میرے حالات کو بگاڑو نہیں۔

انیما سیما کی شادیوں کو لے کر رادھیکا بھی چبھتی سی بات کہہ ڈالی تھی کہ گڈو ماسی نے تو ہندوستانی خاوند باقاعدہ امپورٹ کیے ہیں۔ وہ کبھی سوچ ہی نہیں سکتی تھی کہ

کوئی اس طرح سے شادی کروا سکتا ہے۔ اسے عجیب قسم کی دیسی رشتے داری لگتی ہے گڈو ماسی۔ گڈو سوچتی تھی کہ رادھیکا میں بڑوں کا لحاظ نہیں۔ یہ بات اسے بری لگتی تھی۔ اس نے گیتا سے ذکر بھی کیا تھا۔ گیتا تو خود ہی پریشان تھی۔ اس نے اپنی پریشانی اس طرح پیش کی ''اس دیس میں لڑکیاں پالنا سب سے مشکل کام ہے۔ اگر روکو تو لگتا ہے کہ کیوں بے بات انہیں زنجیروں میں باندھا جائے' نہ روکو تو پھر طوفان کی طرح آگے ہی بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ کوئی بیچ کا راستہ بناتے بناتے ہی' غلط تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ اب دیکھو رادھیکا اپنی سہیلیوں کے ساتھ سڑکوں' عمارتوں کے آگے کے میدانوں میں جمگھٹ لگائے ہے۔ اور ڈر مجھے اس بات کا لگتا ہے کہ جانے کب یہ سہیلیاں Boy Friend بن جائیں اور بٹیا کچھ ایسا ویسا نہ کر بیٹھے۔

''تم نے سمجھایا ہے اسے'' گڈو نے پوچھا۔

''سمجھانے کب دیتی ہے وہ' بیچ میں ہی چلا پڑتی ہے کہ مجھے سب پتہ ہے' آپ کیا بتائیں گی؟''

''ایک دن میں نے سنا کہ انیا سے پوچھ رہی تھی کہ وہ اور جیجا جی کیا استعمال کرتے ہیں؟''

گیتا کو جیسے بجلی کا کرنٹ لگ گیا۔ گیتا کا خوف غلط نہ تھا۔ کاش جھوٹ ہو جاتا۔ رادھیکا پھیکی پڑتی جا رہی تھی۔ پھرتے اور الٹیاں۔ رادھیکا کو خود پتہ نہیں تھا کہ اسے ہوا کیا ہے۔ بس جی متلاتا ہے۔ کبھی کہتی ''ممی' تم کھانے کو بہت گریسی بنا دیتی ہو۔ مجھے تو الٹی آتی ہے''۔

''ابلی سبزی' پھر بھی تے'' گیتا نے تشویش سے کہہ ہی دیا۔ ''کل تجھے ڈاکٹر کو دکھاتی ہوں۔ تم بہت کمزور ہوتی جا رہی ہو''۔

ڈاکٹر نے گیتا سے پوچھا تھا ''ان کی شادی ہوئی ہے؟''

''نہیں!'' گیتا کو ایسے لگا جیسے اس کا سارا خون جم گیا ہو۔

ان کا حمل ٹیسٹ لینا ہوگا۔

گیتا بے ہوش ہو رہی تھی۔ رادھیکا کے جسم پر پھپھولے' بڑے بڑے پھپھولے اگ آئے۔۔ڈر گھبراہٹ' شرم کا اظہار کرتے۔ گھر پہنچ کر گیتا چھاتی پیٹ پیٹ کر رو رہی تھی۔ ''میری ہی قسمت خراب تھی۔ بس میرے ساتھ ہی ہونا ہے ایسے۔ نہ ہماری کانیں جاتیں اور نہ ہم یہاں آتے۔ کرن' اپنی بیٹیوں کے بڑے ہوتے ہی ہندوستان چلی گئی۔ ہم کیوں ٹکے رہے؟ کیا پڑا ہے یہاں؟ اور اب۔۔اب چارہ ہی نہیں۔ منہ چھپانے کو بھی نہیں چھوڑا اس نے۔ اس کے ساتھ کیا بھی تو ہے اسے کیوں کچھ نہیں ہوا۔ سارے سیاپے یہی کیوں ڈالتی ہے؟ ساری لڑکیاں جاتی ہیں سکول' کالج۔ اب کوئی چوبیس گھنٹے لڑکیوں پر نظر جمائے تو نہیں بیٹھا رہے گا۔ اب کیا رسی باندھ کر رکھیں اسے''۔ اور گیتا ارلاپ کیے جا رہی تھی ''مجھ سے کہتی تھی کہ اور لڑکیوں کے بوائے فرینڈ ہیں تو میں کیوں نہ بناؤں۔ کسی کے ماں باپ برا نہیں مانتے' ممی'

Why dont you let me do what others do?

How could you be so foolish?

Do you have any brain or just a heap of flesh?

چوٹ پر چوٹ۔ طعنے پر طعنہ۔ کہہ لو جو بھی کہنا ہے۔ رادھیکا کو کوئی جناتی طاقت سہارا دیے ہوئے تھی۔ جیجاجی جب بے دھاڑ مارنے لگے تو رادھیکا کو ہوش آیا۔ وہ کچھ نرم پڑی اور بولی ''پہلے ہی وہ ادھ مری پڑی ہے اور کیا مارو گے۔ جان ہی نکال لینی ہے تو اور بات ہے۔ گھونٹ دو گلا۔ کام آسان ہو جائے گا۔ مرنے پر تو کوئی شرم نہیں۔

پنکی کا فون آیا' تو گیتا کی آواز بہت بجھی بجھی تھی' پنکی کہہ رہی تھی' ''ارجن کا جنم

دن منا رہی ہوں' آپ سب آ جانا شکروار کی شام''۔

اور گیتا نے کہا'' پتہ نہیں ۔۔ شاید نہیں آ پائیں گے ۔ رادھیکا کی طبیعت خراب ہے''۔

'' تین تین ڈاکٹر ہیں گھر پر ۔ لگے ہاتھوں علاج بھی ہو جائے گا''۔

'' نہیں' busy بھی ہیں وہ' اوور ٹائم بھی کرنا ہے' Please don't insist۔

گیتا کے گھر تو ماتم چھایا ہوا ہے۔ جیجا جی نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا۔ زندگی بھر کی ساری پونجی ایک ہی داؤ میں لٹ گئی۔ کن کرموں کا یہ پھل ملا ہے۔ لاچاری' درد اور زہری لپٹوں والا غصہ۔ کبھی ایک دم خاموش اور گم سم اور کبھی دھاڑتے ہوئے گیتا کے پاس پہنچ جاتے۔

'' میں تجھے ہمیشہ کہتا تھا' اس پر تھوڑی لگام لگا کر رکھ' تو اسے اب بھی لاڈ سے روٹیاں کھلاتی پھرتی ہے۔ میں کہتا ہوں نکال اسے گھر سے باہر ۔۔ میری ناک کٹوا کر اب یہ گھر میں نہیں رہ سکتی''۔

'' تم کیسی بات کرتی ہو؟ گھر نہیں رکھنا تو کیا فٹ پاتھ پر چھوڑنا ہے اسے ۔ وہاں رہ جائے گی ناک؟ کچھ بھی ہو' بچی ہے ۔ سولہ سال کچھ عمر ہوتی ہے کیا؟ Abortion تو ہو جاتا ہے' فکر کس بات کی ہے تمہیں۔ چار دن میں نارمل ہو جائے گی۔

یہ کیا سچ مچ نارمل ہو جائے گی؟ کیا یہ داغ دھل پائے گا؟ کہاں کہاں کتنے گھاؤ ۔۔ کیا سب بھر پاؤ گی ۔۔؟

ہسپتال کے اوزاروں کا خوف رادھیکا پر اس قدر حاوی تھا کہ خیال آتے ہی سارا جسم سہم جاتا تھا۔ شاید مر ہی جائے وہ ۔۔ کبھی کبھی انفیکشن بھی ہو جاتا ہے ۔۔ بس اتنا ہی جینا تھا اسے ۔۔؟ نہیں ۔۔ وہ اور جینا چاہتی ہے۔ ماں کی گود میں سر رکھ

کر پھپھک پڑتی ہے ''مجھے بچالو ممی، پلیز، بچالو مجھے''۔

ڈر جاتی ہے گیتا۔ اسے اتنا برا بھلا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اسے تو ویسے ہی اتنی تکلیف ہے۔ گیتا، رادھیکا کا سر سہلا دیتی ہے۔ اس کے لمبے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیر کر دلاسہ دیتی ہے۔۔ ''بس ٹھیک ہو جائے گا بیٹی۔ آگے سے دھیان رکھنا۔ تبھی جیجاجی کی گرجتی ہوئی آواز سنائی پڑتی ہے۔۔ ''بڑی ہمدردی ہے ناں اس کلچھنی سے۔ لے کے بیٹھ جاتی ہو گودی میں۔ تمہارے ہاتھ نہیں ملے ہوتے اسے چھوکر''۔ رادھیکا کے سامنے آتے ہی جیجاجی کے جسم پر خونخوار کانٹوں کا جنگل اگ آتا ہے۔

اگلے سال رادھیکا کی کالج کی پڑھائی شروع ہوئی تھی۔ کہہ رہی تھی، ''میں کالج کے پاس ہی کسی کے ساتھ کمرہ Share کرلوں گی۔ پاپا کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے مجھے۔ پڑھائی بھی ٹھیک سے نہیں ہو پاتی۔ گھر پر آنے جانے میں اتنا وقت برباد ہو جاتا ہے۔

کیکا میڈیکل کی پڑھائی بھی شہر سے دور کر رہی تھی۔ وہ وہیں بورڈنگ میں رہ رہی تھی۔ گیتا کو گھر کے سونے پن کی بھی فکر تھی۔ اشوک یوں بھی زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتا تھا۔ پر لڑکی کو پیر پر بھی تو کھڑا کرنا ہی ہے۔ یہاں پر تو لڑکیوں پر بھی گھر کے باہر کچھ بننے کا اتنا ہی بوجھ ہے جتنا لڑکوں پر۔ پھر جیسی لڑکی ہوگی ویسا ہی لڑکا ملے گا۔ خاندان کی اہمیت سے پہلے خود لڑکی کی قیمت پہلے لگا کرتی ہے۔

کب تک یہاں کی عورت ان دباؤں کو جھیلتی رہے گی۔ گیتا خود کو دیکھتی، گڈو کو، پھر انیا کو۔ نوکری گیتا کی مجبوری تھی ورنہ گھر کا بھی سارا بوجھ اسی پر تھا۔ گڈو تو اکیلے ہی گھر اور باہر سنبھالے ہی ہے، پر انیا اس کے آگے کی پیڑھی ہے۔ وہ پیڑھی باہر کی ہی ہو کر رہنا چاہتی ہے پر مرد مخالفت کرتا ہے، اسے بڑھنے نہیں دیتا۔ اس نے راکیش کو کہتے سنا تھا ''بھئی ہم ان لوگوں میں نہیں جو بیوی کے غلام بن کر رہیں۔

روٹی پکانا ہمارا کام نہیں۔ٹھیک ہے گاڑی چلالیں گے'بیوی کوگھمادیں گے پر یہ چوکا۔
برتن۔جھاڑ' اپنے بس کا نہیں''۔

اور یہ رادھیکا کی پیڑھی۔کیا یچ میں سب غیر ذمے دار ہیں؟ہائی سکول میں ماں بننے پر ڈراپ آوٹ کرنے والی کتنی ہی لڑکیاں چھوٹی عمر میں جھولنے پاتیں۔جلدی ہی گڈے گڑیا کا کھیل ختم۔اصلیت باہر۔تیراکی جانے بغیر ہی سمندر میں چھلانگ لگا دینے والے یہ نوجوان لڑکے لڑکیاں سماجی دباؤ کی ہر ہراتی لہروں کے پہلے ہی تھپیڑے میں ڈوبنے لگتے ہیں۔مرد کسی طرح ہاتھ پیر مار کر باہر نکل جاتا ہے اور وہ ننھی سی جان گودی میں لیے منجدھار میں کھڑی رہ جاتی ہے۔حالات کے تھپیڑے کھاتی یہ نوجوان لڑکیاں یا تو نفسیاتی مریض ہوکر دماغی امراض کے ہسپتالوں میں پہنچ جاتی ہیں یا پھر سوشل ویلفیئر کے دروازے کھٹکھٹاتی ہیں۔۔وہ رادھیکا کو گھر سے نکال دیتی تو یہی حشر ہوتا اس کا۔پر گیتا نے تو بچالیا ہے رادھیکا کو۔یچ میں بچالیا۔
وہ کالج جائے گی۔اپنے پیروں پر کھڑی ہوگی۔لیکن ضد بھی خوب کی تھی اس نے پہلے
''ممی کالج جانے سے کیا ہوگا؟''

I don't want to keep on studying.

زندگی میں اور بہت کچھ ہے۔میں زندگی کو جی کر جاننا چاہتی ہوں۔کتابی کیڑا نہیں بننا ہے مجھے''۔پھر کہا تھا۔''تم مجھے صرف دو سال کی مہلت دے دو۔یہ دو سال میں خودکو Explore کروں گی۔اس کے بعد کالج جاؤں گی''۔

گیتا ڈری ہوئی تھی۔۔''نہیں'ایک بار کالج چھوٹ گیا تو ہمیشہ کے لیے چھوٹ جائے گا۔اس معاملے میں ہم تیری کچھ نہیں مانیں گے۔تجھے کالج جانا ہی ہوگا''۔

ایک عام سے کالج میں رادھیکا کا داخلہ ہوگیا تھا۔

گڈو سوچ رہی تھی'جوڈی بھی تو یہاں کی لڑکی ہے۔وہ تو کسی طرح کی عورتوں کی آزادی تحریک کی حمایت نہیں کرتی۔دیکھنے میں عام سی اور جذباتی سی لڑکی ہے

جوڈی۔ پر ارون نے اس کی زندگی میں کیسا طوفان برپا کیا ہوا ہے۔ غیر یقینی کے ایک دھاگے سے اسے لٹکایا ہوا ہے اور خود بھی اسے لٹکا ہے۔ کل ایک عجیب سی بات ہوگئی۔ گڈو کو ابھی تک یقین نہیں ہو رہا تھا کل ارون مٹھائی اور عام پاپڑ لے کر گھر آیا تھا۔

''دیدی' اس بار تو میری ماں جی اور پتا جی جیسے تیار ہی ہو کر بیٹھے تھے ک شادی کر کے ہی بھیجنا ہے''۔

''تو''۔ ۔ گڈو آگے سننے کو اتاولی ہو رہی تھی۔

''بس پھر کیا! لڑکیاں دکھائیں۔ ۔ ایک لڑکی انہیں بے حد پسند تھی۔ کہتے تھے بڑی مہذب ہے' گھر میں اچھی طرح رچ بس جائے گی۔ میں نے بھی ہاں کر دی۔ ہفتے بھر میں شادی ہوگئی''۔

گڈو کو ایک کرارا جھٹکا لگا ''کیا؟''۔ ۔ ''کیا تم شادی کرا کے آئے ہو؟''

''کیا کرتا۔ ماں جی' پتا جی نے جیسا انتظام کیا ہوا تھا اور جیسی امیدیں لگا کر بیٹھے تھے' مجھے لگا کہ اگر میں نے انکار کر دیا تو ان میں سے ایک کو ضرور ہارٹ اٹیک ہو جائے گا' خاص کر میری ماں کو۔ وہ ویسے بھی دل کی مریض ہے''۔

''لیکن اب۔ ۔ اب جوڈی کا کیا ہوگا؟''

''جوڈی کو ابھی میں نے کچھ بتایا نہیں''۔

گڈو بپھر پڑی ''جس کے ساتھ تم دن رات گزارتے ہو' اس کے ساتھ اتنا دھوکہ کیسے کر پاتے ہو؟''

''بات کچھ بھی نہیں' مجبوری کی ہے۔ دیدی' آپ میری جگہ ہوتیں تو سمجھتیں۔ میری ماں جو ہمیشہ ساڑھی میں لپٹی چاندی بہو باجے بجا کر گھر میں لانے کے سپنے دیکھتی رہتی ہے' میں کس طرح انہیں ناامید کر سکتا ہوں۔ میرے لیے زندگی کا سب سے اہم رشتہ تو ماں کا ہی ہے''۔

''تو جوڈی کا کیا سوچا ہے؟''

''آج کل اسی ادھیڑ بن میں ہوں۔ یوں سال بھر تو اس لڑکی کے کاغذات پروسس ہونے میں ہی لگ جائیں گے۔ کم سے کم ایک سال تو جوڈی کو کچھ بتلانے کی ضرورت نہیں۔ دھیرے دھیرے ہی کچھ کروں گا''۔

''تمہیں معلوم ہے ذمے داری جوڈی کے لیے بھی بنتی ہے۔ وہ بہت نرم مزاج اور جذباتی لڑکی ہے۔ تمہاری شادی کی خبر۔۔''

''میں یوں اس سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میرے ماں باپ اس سے میری شادی کے لیے کبھی رضامند نہیں ہوں گے''۔

''پر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ان کے دباؤ میں آ کر تم جوڈی کے ساتھ بے انصافی کرو گے''۔

''دیدی، تمہیں معلوم نہیں اکلوتا بیٹا ہونا کیا ہوتا ہے''۔ میں سوچتا ہوں، تم میں گٹس (Guts) ہونی چاہیے، سیدھی بات کہنے کے لیے''۔ اس طرح تم اوروں کی ہی نہیں، اپنی زندگی میں بھی گنجلیں ڈال رہے ہو''۔

جوڈی، گڈو سے ہندی پڑھنے آیا کرتی تھی اس سے ایک پیار کا رشتہ بن گیا تھا دونوں کے بیچ۔ اسے پڑھاتے وقت گڈو خود بھی اپنی زبان سے فقرے، لفظ اور ان میں معنوں کے رشتے سمجھ رہی تھی۔ جوڈی کو جب ڈا۔ ڈھا۔ گھا جیسے حرفوں کی ادائیگی میں دقت ہوتی تو اسے مشق کراتے ہوئے گڈو کو ایک خاص مزا آتا تھا۔

جوڈی کہا کرتی تھی ''ارون جب ہندوستان لے جائے گا تو میں اس کی ماں کو اپنی ہندی سے حیران کر دوں گی۔ پر ارون ہمیشہ اکیلا ہی جاتا ہے بھارت''۔ جوڈی کہتی کہ پتہ نہیں چلتا ارون اندر سے کیا ہے، کبھی اتنا چپ چپ اور اتنا اجنبی اور پھر گھنٹوں مجھے چومتا رہتا ہے۔ مجھے اس کے پیار سے بہت سکھ محسوس ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے آپ میں سمٹ جاتا ہے کہ میں حیران ہو جاتی ہوں کہ ہم ایک دوسرے کو

جانتے بھی ہیں کہ نہیں''۔

اتوار کو اکثر جوڈی گاڑی لے کر آ جاتی ہے۔ گڈو اور راجو کو پھر گھمانے لے جاتی ہے۔ کبھی کبھی ارون بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ پکنک منانے جاتے ہیں۔ بیئر ماؤنٹین (Bear Mountain) ۔۔ پہاڑیاں۔۔ چڑیا گھر اور کبھی ہڈسن ندی کے کنارے۔۔ لوٹتے وقت تارے نظر آتے ہیں' آسمان پر راجو کہتا ہے۔۔ ''ممی' آسمان دیکھو' کتنے صاف نظر آ رہے ہیں یہ چاند اور تارے''۔ سچ میں سٹی عمارتوں کے بیچ سے چاند تارے کہاں نظر آتے ہیں۔۔ گڈو اپنے دیوتاؤں کو بلاتی ہے۔ سورج چاند۔۔ اوم سورج جیوتی۔۔ سورج سواہا۔۔ پر کہاں ہے روشنی'۔۔ من میں تو اندھیرا گھرا ہوا ہے۔۔ میرا آسمان چھوٹا ہو گیا ہے۔۔

''مجھے نیند نہیں آتی'' اداس جوڈی گڈو سے پوچھتی ہے۔

☆

I don't understand Indian man.

''کیا ارون سچ مچ مجھ سے پیار کرتا ہے؟ پتہ نہیں ڈر کیوں لگتا رہتا ہے۔۔ایسا لگتا ہے کہ کچھ ہے اس کی زندگی میں جس سے میں بالکل باہر ہوں''۔

گڈو سوچتی ہے کچھ ہے راجو کی زندگی میں بھی جس سے وہ خود باہر ہے۔

کچھ رادھیکا کے اندر ہلچل ہے۔جس سے گیتا باہر ہے۔کچھ ارجن کے اندر بھی ہو رہا ہے جس سے پنکی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں راجو گھر آیا تھا۔تھوڑی کتابیں اور ساتھ میں کام۔''تو چھٹیوں میں بھی کتابوں میں لگا رہتا ہے۔کہیں گھوما پھرا کرو''۔

''گھوموں کہاں۔وہی سڑکیں۔۔وہی راستے'بار بار سب کچھ وہی وہی۔۔''

''کسی نئی جگہ چلنے کا پروگرام بناتے ہیں۔سیما سے بات کروں؟''

نہیں وقت نہیں۔گھومنے پھرنے میں وقت ضائع ہو جائے گا۔مجھے بہت سارا کام نپٹانا ہے''۔

''کیا کام کر رہا ہے تو؟''

تم نہیں'سمجھو گی ممی'مجھے حساب اور کمپیوٹر سے متعلق کچھ سوالوں کو حل کرنا ہے۔ مجھے کچھ بڑا کام کرنا ہے۔۔ایسا کچھ جو Patent ہو جائے اور میں امیر کبیر بن جاؤں۔

گڈو کو لگا کہ اس کی خوشیاں آسمان کو چھو رہی ہیں۔اتنا لائق ہے اس کا بیٹا۔اتنی بڑی خواہش رکھتا ہے۔ضرور کچھ بڑا کام کرے گا یہ۔۔اے خواہشوں کو پورا کرنے والے آگ کے دیوتا۔۔تمہارے لیے یہ آہوتی دے رہی ہوں۔۔!ہون میں سامگری ڈالتے ہوئے ہلکی سی آنچ گڈو کی انگلیوں کو چھو جاتی ہے۔

وقت کے کتنے ہی نام پورے ہوتے گئے'دن'مہینے'سال۔۔گڈو پوچھتی ہے'

''ارون تو اپنی بیوی کو بلا رہا ہے؟''

ارون پریشان آنکھوں سے اسے دیکھتا ہے۔ ''کچھ سمجھ نہیں آتا دیدی۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے مجھے۔ جوڈی کو میں ڈانٹ ڈپٹ دیتا ہوں' چھوٹی چھوٹی بات پر۔ ماں جی پتاجی پر بھی غصہ آتا رہتا ہے۔ ادھر سے دباؤ والی چھٹیاں کہ کب بلا رہا ہے تو لڑکی والے بہت حیران پریشان ہیں۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں کہ لڑکے نے وہیں شادی کر لی ہوگی۔ لڑکی کا باپ اس دن پتاجی کے سامنے گڑگڑا کر رویا کہ اس کی بڑی بدنامی ہو رہی ہے۔ میں کروں تو کیا؟''

گڈو خاموش تھی۔ معاملہ بہت سنگین ہو چکا تھا۔ میں کہنا چاہتا ہوں' پر کہنے کا کوئی مطلب نہیں کہ پہلے سوچنا چاہیے تھا مجھے خیر۔۔ سوال اب کا ہے۔ ''کیا فیصلہ کرنے کی سوچتا ہے تو؟''

''سوچتا ہوں یہاں کی زندگی کے لیے یہاں کی بیوی ٹھیک رہتی ہے۔۔ اس کا مزاج تو میں جانتا بھی نہیں' کیسی لڑکی ہے' کیسے خیالات ہیں' کیسے نباہے گی۔۔ کچھ بھی نہیں معلوم''۔

''تو۔۔؟''

''ماں باپ کو لکھ دیتا ہوں کہ کسی طرح طلاق کا انتظام کر دیں''۔

''کیا۔۔؟'' بھونچکی رہ گئی گڈو۔

''اور کیا چارہ ہے؟''

''اب نہیں ٹوٹے گا ماں باپ کا دل۔ اور اس لڑکی کا کیا ہوگا' جس کی زندگی برباد کر کے آ گئے ہو۔ پتہ نہیں اس کی دوبارہ شادی ہو پائے گی یا نہیں۔ کیا پتہ جذباتی قسم کی لڑکی ہوئی تو زہر وہر ہی کھا لے تو؟''

''تو کیا لے آؤں اسے یہاں؟''

''ارون یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔ میں اس کی کوئی بڑی ذمے داری نہیں لے

پاؤں گی۔ تمہیں کو کرنا ہے یہ فیصلہ‘‘۔

ارون پھر کشمکش و پیچ کی کھائی میں گر پڑا۔ گڈو کو غصہ بھی آتا ہے کہ وہ کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتا۔ یہ کیسی جدوجہد چلتی رہتی ہے اس کے اندر۔ جو خود اسے پریشان کر رہی ہے اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو بھی کھائے جا رہی ہے۔ ارون کبھی اپنی ماں سے آزاد ہو سکے گا نہ جوڑی سے۔

اخبار میں خبر نکلی ہے کہ ایک ہندوستانی انجینئر نے اپنے گھر کے لان میں اپنے آپ پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا کر خودکشی کر لی ہے۔۔ تصویر میں اس کی بیوی اور تین بچے بھی ہیں۔

دہک اٹھتی ہے گڈو۔ نوکری، پیسہ، سارے سکھ، پھر بھی اس نے موت کو کیوں چنا؟ اکیلے پن کا گھن گڈو کے اندر بھی لگا ہے۔ وہ خودکشی کرنے والا تو بھرے پرے گھر میں بھی اکیلا تھا۔ گڈو کا تو گھر بھی سونا ہے، سارے پنچھی اپنے اپنے گھونسلوں میں دبکے ہیں۔ کیا راجو بڑھاپے میں اس کے ساتھ رہے گا؟ اس مادیت کی آندھی بدحواس دوڑ میں کون کس کے لیے رکا ہے۔۔ ہر کسی کی نیت بٹی ہوئی اور ادھوری ہے۔ دل وہاں تو جسم یہاں، ماں وہاں تو محبوبہ یہاں۔۔ کہیں شاندار ماضی کا احساس اور کہیں سوکھے ہوئے حال کی پیاس۔

پنکی کی ساس بھی تو آئی ہوئی ہے۔ دونوں بیٹے پردیس میں۔ اس دن گڈو سے کہہ رہی تھی۔۔

’’کوئی زندگی ہے کیا، نہ کسی کے ساتھ آنا جانا، نہ بول چال۔ صبح سات بجے گھر سے نکل جائیں۔ کلم کلے کوئی کرے بھی کیا۔ پھر نہ ٹھیک سے کھانا بنانا، نہ کھانا۔ بس سینڈوچ کھا لیتے ہیں۔ بس ایک وقت کھانا بنے۔ اپنا ارجن تو، وہ کیا کہیں پیزا۔ ہاں پیزا کھا لے وے یا وہ گول گول کیا ہوتا ہے۔۔ ہیم برگر۔۔ اسی سے پیٹ بھر لے۔ مجھے تو سمجھ نہیں آتا یہاں رکھا کیا ہے جو سب یہاں آنا چاہیں۔ کرنال میں سبھی مجھ

سے کہویں کہ بڑی بھاگوں والی ہیں آپ دونوں بیٹے امریکہ میں پیسے کماویں۔ میں کہوں یہ تو اور بھی برا ہوا۔ دو دو بیٹے ہو کے بھی پاس کوئی نہیں‘‘۔

بہت کچھ تھا ان کے پاس کہنے کو۔ رکتی ہی نہیں تھیں ’’سونے کے فلیٹ میں ایک کمرے سے دوسرے کے چکر لگا کر میں تو پاگل ہو جاؤں۔ صبح صبح جب سب چلے جائیں تو میرے تو ہول سا پڑے‘‘۔

شدر سوچتا ماں کو یہاں بلا کر غلطی کی۔ وہ اپنے ماحول سے بالکل کٹ گیا ہے۔ ماحول سے کون نہیں کٹا۔ گڈو‘ گیتا‘ انیا‘ سیما‘ راجو۔ پر ماتا جی کے لیے اور بھی بڑی مشکل ہے۔ انگریزی زبان انہیں آتی نہیں۔ کسی باہر والے سے تو بالکل بات چیت نہیں کر پاتیں۔

انگریزی زبان آنے پر بھی کیا گڈو یا راجو یا جیجا جی بات کر پاتے ہیں۔

ماتا جی کی پوری زندگی یہاں بندھی سمٹی سی تھی۔ نہ یہاں آتے جاتے ’چائے پئے کو رک جانے والے پڑوسی تھے‘ نہ جاننے والے‘ روز کی زندگی کی حصے دار خانساماں‘ دھوبی‘ جمعدار نہ ہی بن بلائے دنوں تک ٹکے رہنے والے دور نزدیک کے رشتے دار‘ جن کی خاطر تواضع میں کھچ اور مزا برابر کا تھا نہ ہی میسر تھے وہ سب پہچانے راستے اور پہچانے لوگ کہ گھر سے دل اکھڑا تو چل پڑے ان راستوں پر۔ کسی نہ کسی دوست یا رشتے دار کے یہاں تک کوئی نہ کوئی راستہ تو جاتا ہی تھا۔ بس چائے پی‘ خیر خیریت دریافت کی اور دن گزر گیا۔ اکیلے پن کا ڈر اور احساس ان وقتوں میں پھر ہو جاتا۔ گھر کی دنیا‘ باہر کی دنیا سے اتنی ناواقف نہیں تھی جیسے نیویارک میں تھی۔ اپنا پن باہر بھی کافی تھا۔ پہچان والی پرچون کی دکان‘ پہچانا رکشے والا‘ نکڑ کے پان والے کی دکان سے لہرا کر آتے پہچانے فلمی گیت۔ یہاں تو گھر کے باہر اجنبی پن کا ایسا سیلاب اٹھتا ہے کہ خوف کے مارے وہ گھر کے اندر ہی بیٹھی رہتی ہیں۔ یہاں کی ہر چیز اجنبی۔ یہاں تک کہ گھر کا تالا کھولنے میں بھی ڈر کہ شاید ان سے کھلے گا ہی نہیں۔

بار بار کہنے لگتیں، تو مجھے واپس بھیج دے۔ پر وہاں بھی چین کہاں۔ سمندروں دور۔ میرے بچے تو وہاں ہیں، میرا اکیلے گھر میں کیسے من لگے۔

کیکا کو سرجری میں ریذیڈنسی مل گئی۔ چوبیس برس کی ہو گئی کیکا۔ اس کی گریجوایشن کی پارٹی ہے، گیتا گھبرائی ہوئی ہے۔ اکیلے ڈانس ڈنر پارٹی پر نہیں بھیجنا چاہیے کیکا کو۔

چھوئی موئی پنکی کے ساتھ جانے میں تو کیکا کو برا نہیں لگنا چاہیے۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے۔ چوبیس سال کی بٹیا کی بھی پہرے داری کرتا ہے کوئی۔ چلی جاتی ہے پنکی پر بڑا اسپڈا لگتا ہے اسے۔ کیکا تو ڈاکٹر ساتھیوں کے ساتھ گھلی ملی باتیں کر رہی ہے۔ ایک لمبا جمیل کالا نوجوان اسے ڈانس فلور پر لے گیا ہے۔ ناچتے ہوئے خوش دکھتے ہیں دونوں۔ سفید کپڑوں پر بیلٹ کے دباؤ سے کیکا کی کم سن کمر اور بھی پتلی اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ کمر پر رکھا مشیل کا ہاتھ کبھی کبھی ہلکے دباؤ سے کیکا کو اپنے قریب کھینچ لیتا ہے۔ شرم سے کیکا، اپنا جسم دھیرے سے پرے کر لیتی تھی۔ دوسرے لڑکیاں اور لڑکے پوری طرح سے ایک دوسرے میں ڈوبے ہیں۔ بدن سے سٹے بدن، ہونٹوں سے جڑے ہونٹ۔ اب تو کیکا بھی بڑی ہو گئی۔ کب تک سیانی بیٹی بنی رہے گی اپنے پاپا کی۔ پنکی کو اٹ پٹا لگ رہا ہے کیکا پر اس طرح آنکھ رکھنا۔

گڈو سے کہہ رہی تھی گیتا اس دن "کوئی اچھا سا ڈاکٹر لڑکا مل جائے تو بس جلدی سے شادی کر دیں"۔

پر کیکا ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ وہ کہتی ہے "مشکل سے تو پڑھائی کا بوجھ ختم ہوا ہے۔ کچھ دن آرام کرنا چاہتی ہوں۔ اپنی مرضی سے کام کرنا چاہتی ہوں، پھر رادھیکا اور اشوک کی پڑھائی میں بھی تو مدد کر سکتی ہوں۔ بس ڈیڑھ مہینے میں تو میری ریذیڈنسی شروع ہونے چلی ہے "Then I will be rich"۔

کیکا کو معلوم ہے شادی کے بعد وہ پرائی ہو جائے گی۔ ابھی اپنی ہے۔ ابھی راد ھیکا۔ اشوک کی مدد کرنے پر ممی پاپا پر احسان تو نہیں۔

اور مشیل۔ اس کے لیے بھی تو رکنا ہے اسے۔ دیکھو ہمت کر کے پاپا سے بات اٹھائیں گے۔ پر کیسے کہے گی پاپا سے۔ پاپا کو دھکا تو نہیں لگے گا۔ بہت بوجھ ہے کیکا کے دماغ پر۔ پاپا کی اچھی بیٹی بنی رہی ہے ہمیشہ۔ سوچتے ہیں کسی بھلے سے لڑکے سے وقت پر شادی کر دیں گے اس کی۔ ان کو تو اس بات کا احساس دینے میں بھی ڈر لگتا ہے کہ کیکا کا کوئی دوست ہے اور وہ بھی کالی نسل کا۔

اوہ' کتنا ڈھکوسلا کرنا پڑتا ہے۔ کیوں کہیں کہہ دیتی۔ پاپا مجھے مشیل پسند ہے۔۔ پھر کالا ہو یا جو بھی ہے تو وہ بھی ڈاکٹر اور اس کا ساتھی بھی ہے۔ پر ڈرتی ہے کیکا۔ کہیں پاپا کو ہارٹ اٹیک ہی نہ ہو جائے۔ پہلے ہی رادھیکا کی وجہ سے شاید اتنے ٹوٹے ٹوٹے دکھائی دیتے ہیں پاپا۔ گم سم' اداس۔۔ جیسے کوئی بوجھ لگاتار مسل رہا ہے پاپا کو۔ اس دن جب وہ ویک اینڈ کے بعد لوٹ رہی تھی تو' اسپتال والے اپارٹمنٹ میں اسے چھاتی سے لگا کر بولے تھے پاپا ''بیٹی تو سب کچھ ہے میرا''۔ کیکا نے آنکھیں اٹھا کر اوپر دیکھا تو پاپا کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

اس دن مشیل سے جب اس بات کا ذکر کیا تھا تو اس نے کہا تھا ''ہوں Emotional Blackmail جب بچے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں تو سبھی والدین اسی طرح سے قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں انہیں''۔

کیکا کو اچھی نہیں لگی تھی مشیل کی یہ بات۔ شروع ہی سے اتنا پیار دیا ہے پاپا نے' کتنا خیال رکھا ہے اس کا۔ اب یہ Emotional Blackmail ہو گیا۔ بچپن میں تو بہت ڈرا کرتی تھی پاپا سے۔ بڑے ہوتے ہوتے ڈر چلا گیا۔ اب تو ترس آتا ہے ان پر۔ پاپا کی زندگی کی سکت نچڑ گئی ہے جیسے۔ کتنا کمزور کتنا چھوٹا محسوس کرتے ہیں وہ اپنے آپ میں اس دن کہہ رہے تھے' میری تو زندگی اب پرلے والے موڑ پر

پہنچ چکی ہے۔ کچھ نہیں کیا۔۔ ایسے ہی چپڑ اسی گری کرتے کرتے چل بسوں گا۔ بس تمہی لوگ ہو جو کچھ بھی ہو مجھے تو ہندوستان لوٹ جانا چاہیے۔ وہاں چین سے مر تو سکوں گا۔۔‘‘۔

کیکا نے ہی چپ کروایا تھا ’’پاپا یہ کیسی باتیں کرنے لگے آپ۔۔ مرنا ورنا ابھی نہیں آپ کو‘‘۔

☆

کان چیر دینے والا گڑ گڑاتا سنگیت۔ چھوٹے سے ناچ گھر کے فرش کے ٹکڑے پر سینکڑوں بدن ایک دوسرے سے چپٹے ٹکراتے جھوم رہے تھے۔ چمکتی بجھتی تھرکتی رنگین روشنیاں ان کے جسموں سے کھیل رہی تھیں۔ بیچوں بیچ چھت سے جھول رہا تھا ایک بڑا سا سیمیں پردہ جس پر کبھی بھڑ کیلے اور برہنہ عورت کے بدن کے عکس ابھرتے۔ پردہ نیچے ابھرتا' پھر اوپر اٹھ جاتا۔ ادھ ننگے لباسوں میں لپٹی نوجوان لڑکیاں' لمبے چوغوں کے لباس پہنے' گھنگھریالے بالوں وال' لپے پوتے چہرے اور بے ترتیب کپڑے پہنے لڑکے۔ سر کے بال' کہیں مور پنکھ سے' کہیں آدھا سر منڈھا' کہیں دونوں طرف سے منڈھا اور بیچ میں کھلا۔ جاپانی پنکھے کی طرح اٹھے ہوئے بال۔ سر سے پاؤں تک جسم کے ہر انگ کو نچاتی تھرکتی کتنی ہی کم عمر لڑکیاں۔ انیا تماشائی بنی تاک رہی تھی ان عجیب وغریب انسانوں کو۔ شہر کا مشہور ڈسکو تھا۔ راکیش نے بہت کہا اسی لیے چلی آئی۔ ناچنے کا من نہیں ہو رہا تھا۔ اسے لگا' وہ اس بھیڑ کا حصہ نہیں بن سکتی۔ کرتا پاجامہ پہنے' ایسے لگ رہا تھا جیسے لبادہ اوڑھ لیا ہو گرمیوں میں۔ گھٹن ہو رہی تھی اور پسینہ آ رہا تھا۔ سارا ڈسکو کا ماحول پرایا سا' کسی اور کی زندگی کا حصہ لگ رہا تھا۔ بہت سطحی' بہت اجڑا اور پاگل کر دینے والا ماحول۔ ڈانس فلور کے کنارے کھڑی وہ ناچتے جھومتے مست نوجوان لڑکے لڑکیوں کا نظارہ کر رہی تھی۔ تبھی اسے ایک جانا پہچانا چہرہ دکھائی دیا۔ ڈسکو کی روشنیوں میں پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ پل بھر کو بتیوں کی چمچماہٹ ٹھہری تو دیکھا رادھیکا تھی۔ سر کے بالوں کا سٹائل بدل لیا تھا۔ لمبے سیدھے گرنے والے بالوں کو اس نے گھنگھریالہ بنایا ہوا تھا۔ کانوں میں کندھوں کو چھونے والے لمبے ایئرنگ دور سے ہی جھلملا رہے تھے۔ جسم کا اوپری حصہ کافی نمایاں تھا۔ بہت دبلا سا لگ رہا تھا جسم رادھیکا کا۔ انیا رک نہیں پائی۔ دھکیلتے بچتے بچاتے لڑکے لڑکیوں کے بیچ سے راستہ نکالتے پہنچ گئی رادھیکا کے

پاس۔

''کیسی ہو؟''اس نے رادھیکا کے کان میں زور سے کہا۔رادھیکا کے منہ سے کوئی سخت بدبو محسوس ہو رہی تھی انیا کو۔Wonderful تم کیسی ہو؟رادھیکا نے کہا تو بدبو سیدھی انیا کے نتھنوں سے ٹکرائی۔اس نے ذرا سا پیچھے منہ ہٹالیا۔

''آج کل کہاں ہو؟''

''میں نے کالج کی پڑھائی چھوڑ دی ہے۔آج کل ایک نائٹ کلب میں ویٹرس کی نوکری لے لی ہے۔ پیسہ اچھا ملتا ہے''۔چیختے سنگیت کے شور میں زیادہ بات نہیں ہو پا رہی تھی۔بات کر کے انیا واپس اپنی جگہ پر آ گئی۔لوٹ کر پھر اس نے رادھیکا والی جگہ کی طرف نگاہ پھیری تو دیکھا ایک لمبا سا گورا امریکی نوجوان اسے بانہوں میں بھر کر چوم رہا تھا۔

پیچھے سے راکیش نے آ کر اسے گھیر لیا۔چلو فلور پر چلیں۔کیا تماشائی بنی گھورے جا رہی ہو سب کو یہ اچھا رویہ نہیں ہے''۔

راکیش اسے کندھے سے دھکیل کر فلور پر لے گیا۔انیا بغیر دل کے ہاتھ پیر ہلاتی رہی۔دل میں شبہات جنم لے رہے تھے۔رادھیکا یہاں کے لوگوں میں پوری طرح رچ بس گئی لگتی ہے۔وہ کیوں نہیں ایسی ہو پاتی؟ کیوں اسے دوری سی محسوس ہوتی ہے۔اس ڈسکو کلچر سے۔ ہندوستان میں بھی تو اس کی بھدی گونجیں سنتی رہتی تھی۔ اسے وہ ڈسکو ہالوں میں جانے والے سارے لوگ ہی تھوتھے اور سطحی لگتے ہیں۔پر اسے سمجھ یہ بھی نہیں آ پاتا کہ اس کی اپنی جڑیں کہاں ہیں۔اگر اس کی پیڑھی کے ساتھ پڑے لوگوں کو ڈسکو اچھا لگ سکتا ہے تو اسے کیوں نہیں؟راکیش روز زور دیتا رہتا ہے کہ اس کے یہاں پانچ سال پورے ہو چکے ہیں۔اس لیے امریکی شہریت کے لیے عرضی دے دینی چاہیے۔انیا کی پی ایچ ڈی ختم ہو رہی تھی۔اسے اب نوکری ڈھونڈنا تھی۔آسانی سے نوکری نہیں مل رہی تھی۔راکیش کہتا تھا کہ شہریت مل جانے سے اور

بہت طرح کی نوکریوں کے راستے کھل جائیں گے۔ جو صرف ریذیڈنس کو ہی مانتیں۔ انیما کو چوٹ سی لگتی تھی نوکری کے لیے وہ اپنی بھارتی شہریت کھو دے۔

انیما کے لیے اپنی اقدار کو جھٹک کر ایک دم الگ کر دینا ممکن نہیں ہے۔ جس طرح وہ من مار کر راکیش کہے کے مطابق کرتی جاتی ہے اگر ایک ہندوستانی کمزور بیوی بننے کا تقاضا نہ ہوتا تو جھٹک ہی چکی ہوتی۔ سچ میں من سے پیار نہیں کر پائی راکیش کو۔

اس کے رویے میں مردوں کی برتری کا بول بالا تھا۔ وہ خود اس کا اپنا مرد اس کی ذات ہی میں ڈھلتا۔ اگر وہ گھر میں ہے تو انیما کو گھر میں رہنا ہی ہے اس کی دیکھ بھال کے لیے۔ اسے یونیورسٹی سے فلاں وقت تک گھر لوٹنا ہی ہے۔ چاہے کتنا کام پڑا رہے۔ انیما نبھائے چلی جا رہی تھی۔ راکیش یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو پوری طرح اسے سونپ دے۔ انیما سب کچھ چھوڑ کر اسی کے آگے پیچھے گھومے اسی کا انتظار کرے اسی کی خواہش سے آئے جائے۔ جب انیما اس کی بات مانتی رہتی تو وہ اسے بہت پچکارتا' پیار دیتا پر جوں ہی انیما کی اپنی بات اس کی نجی دلچسپی کا معاملہ ہوتا' راکیش یا تو منہ پھلا کر بیٹھ جاتا یا پھر بھنتا کڑھتا چلا جاتا۔ اسے انیما کے دوست یا رشتے دار بھی برداشت نہیں ہوتے تھے۔ انیما کبھی سیما یا ممی کے ہاں جانے کا پروگرام بناتی تو چڑ اٹھتا تھا راکیش۔

''ہفتہ بھر ویسے ہی یونیورسٹی میں جانے کہاں کس کے پاس بیٹھی رہتی ہو' چھٹی والے دن بھی من نہیں لگتا میرے ساتھ''۔

''یہ کوئی غصے کی بات نہیں۔ تم نہیں چاہتے تو نہیں جائیں گے۔ پر جانتے ہو تین مہینے سے ہم ممی کے پاس نہیں گئے''۔

''تم نہیں گئیں تو میں کونسا گیا ہوں۔ سالوں سے اپنی ماں سے نہیں ملا۔ تمہارے تو سارے گھر والے یہیں ہیں۔ میرا کبھی سوچا ہے' اکیلا پردیس میں بیٹھا

ہوں اور لے دے کر یہ جو ایک بیوی ہے اسے دوسروں کی لگی رہتی ہے‘‘۔

پتہ نہیں کیا چاہتے ہو تم مجھ سے۔ یہ چاہتے ہو کہ گھر بیٹھی تمہارے پیر دباتی یا پکوان بناتی رہوں تو وہ طور طریقہ میرے لیے نہیں ہے۔ شادی کا مطلب ہے ساجھا پن۔۔ ہم دونوں کو ہی ایک ساتھ سب بانٹ کر کرنا چاہیے۔ تم سوچتے ہو کہ تم تو اخبار لے کر پلنگ توڑتے رہو اور میں رسوئی میں گھسی رہوں تو یہ بھلا کب تک چلے گا؟‘‘

’’میں نے رسوئی گھر میں ہمیشہ اپنی ماں کو دیکھا ہے اور اخبار ہاتھ میں لیے آرام دہ کرسی پر باپ کو۔ سو وہی ہوگا یہاں بھی۔ تم سوچتی ہو کہ مجھے یہاں کی بڑی بڑی باتیں سنا کر للو بنا دو گی تو وہ نہیں ہونے دوں گا میں۔ تمہارا پڑھنے یا نوکری کرنے کا رعب ہے تو مجھے اس سے کچھ نہیں لینا دینا۔ تم باہر کچھ کرو یا نہ کرو‘ گھر تو تمہیں کو سنبھالنا ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ باہر جانے سے میں تمہیں روکتا نہیں‘‘۔

انیا بھڑکتے غصے کو پی رہی تھی ’’گھر کا کام چھونے سے للو ہو جاتے ہیں آدمی؟‘‘

’’اور کیا‘ یہی تو چاہتی ہیں‘ تمہارے جیسے لڑکیاں۔۔ Domestic Husband۔ آدمی گھر میں روٹیاں پکائے اور بی بی باہر مزے کرے‘‘۔

’’تم نے مجھ سے شادی کا فیصلہ کیا تھا تو کیا سوچا تھا۔۔ گھونگھٹ کاڑھے دلہن آ رہی ہے تمہاری خدمت کے لیے۔ تمہیں تو پتہ تھا میرے Future Plans کا‘‘۔

سٹپٹا گیا تھا راکیش ’’تمہارے مستقبل کے منصوبوں میں پڑھائی‘ نوکری جو بھی رہی‘ میں بھی تھا کہ نہیں؟ یہ تو نہیں کہا تھا تم نے کہ کوئی خانساماں یا جمعدار چاہیے وہ ہی لانا تھا ساتھ اپنے‘‘۔

تلملا گئی تھی انیا ’’شرم کرو کچھ اپنی بیوی سے ایسی باتیں کرتے ہوئے کچھ رحم نہیں آتا تمہیں۔ سچ کہوں تو اس وقت تم صرف امریکہ آنے کے خواب دیکھ رہے

تھے۔۔تم نے مجھے نہیں دیکھا۔۔دیکھا ایک شاندار مستقبل کا خواب۔میری جگہ کوئی اور بھی ہوتی ،تم تیار ہو جاتے شادی کو۔پر شادی کوئی سیڑھی نہیں ہے کہیں پہنچانے کی۔وہ تو خود ہی ایک مقام ہے۔اب یہاں پہنچے ہی ہیں تو اسے صحیح ڈھنگ سے جیتنے کی کوشش کرنی ہے ہمیں۔نہ تم مجھے بدل سکتے ہو نہ ہی میں تمہیں بدلنا چاہتی ہوں۔پر ایک دوسرے کے لیے کچھ لچکیلا تو ہمیں ہونا ہی پڑے گا۔۔تم اپنے باپ دادوں جیسا دقیانوسی ماچو مرد بنے رہنا چاہتے ہو تو۔۔''

ماچو لفظ سنتے ہی آگ لگ گئی راکیش کے تن بدن میں۔

I say stop it, stop it مجھے تمہاری عورتوں کی آزادی کی اس زبان سے بے حد نفرت ہے۔۔ماچو۔۔ماچو۔۔تم نے تو میرے پورے خاندان کو ہی دقیانوسی بنا دیا۔۔

How dare you ۔۔تو اور تیری ماں ہو گی رنڈی۔۔خصماں نوں کھانی راکیش کا غصہ اور بھی تیکھا ہوتا جا رہا تھا اور تڑ تڑا کر انیما کے گال پر چھ سات طمانچے جما دیے اس نے۔

انیما پھنکاری ''تم آدمی ہو یا جانور۔۔'' پر بے عزتی تلملاہٹ اور چوٹ نے غصے کو رونے میں تبدیل کر دیا تھا۔جھلتے ہوئے عورت پن کی آواز کہہ رہی تھی۔۔نہیں رہ سکتی ایسے مرد کے ساتھ اتنی بے عزتی۔۔اتنی بے عزتی۔۔میں کچھ ہوں ہی نہیں اس کی نظر میں۔

اس ساری رات ڈبل بیڈ کے ایک سرے پر پڑی انیما کروٹیں بدلتی رہی۔۔راکیش دوسرے سرے پر۔کسی نے کسی کو منانے کی کوشش نہیں کی۔بھنتا ہوا غصہ اور بھی بھڑکتا رہا۔کہیں سے پانی کے چھینٹے پڑنے کے آثار نہیں تھے۔ایک گہرا پچھتاوا انیما کے اندر رہ رہ کر رس رہا تھا۔کیوں کی اس نے یہ شادی۔کیوں ماں کی مخالفت نہیں کر سکی۔کیوں مانتی رہی ہے سب کی بات۔غصہ چڑھتا بے چینی بوجھ اور دن رات

کا کڑھنے والا الاؤ اور حاصل ہی کیا ہوا ہے اس شادی سے۔ راکیش اور اس کے نظریے کے بیچ ایک کبھی نہ پاٹنے والا فاصلہ ہے۔۔ یا تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک گھریلو قسم کی حکم ماننے والی بیوی بن کر رہتی رہے' جیسے راکیش کی ماں رہتی رہی یا پھر اس رشتے کو ایک سڑے ہوئے جسم کے حصے کی طرح جسم سے کاٹ کر الگ کرنے میں ہی بہتری ہے۔

باہر سے سب کتنا ٹھیک لگتا ہے۔ ٹھیک اسی ناسور کی طرح جو اندر زہر پھیلاتا ہوا بھی دیر تک جس کو اوپری طور پر ٹھیک ہی نظر آتا ہے۔ پیار کرنے والی ماں' بڑے ہی پرسکون باپ' دیکھنے میں راکیش کی لمبی اونچی بارعب شخصیت۔ پڑھا لکھا ڈاکٹر بات کرنے میں اچھا۔ یہی کچھ تو دیکھا جاتا ہے اچھے خاوند میں۔ کیا اور کچھ دیکھنا ممکن ہوتا بھی ہے جو وہ دیکھ نہیں پائی' دیکھنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ ورنہ اتنے زخم' اتنی شکایتیں۔۔ اسکے اس کی زندگی کا حصہ نہ بنتیں اور ان کا کسی اور کے لیے کچھ مطلب ہی نہیں۔۔ انسان سے تعلق ہونے کو ہی راکیش گناہ مانتا ہے اس کا۔

راکیش دوسرے کنارے پر لیٹا انیا کی جس تصویر کو بار بار غور سے دیکھ رہا تھا' اس تصویر میں وہ ضدی' گھمنڈی لڑکی تھی۔۔ پڑھنے لکھنے سے یہی کچھ ہوتا ہے تو بھاڑ میں جائے ایسی پڑھائی لکھائی۔ ماں کو پتہ لگے ایسی بہو گھر میں آئی ہے تو کتنی چوٹ پہنچے۔۔ بلاؤں گا ان کو۔۔ کچھ سکھائیں اس بے ہودہ عورت کو۔۔

How dare She call me دقیانوسی۔۔ جتنی آزادی دو اتنا ہی سر چڑھتی ہے۔۔ پر شاید مجھے تھوڑی نرمی برتنی چاہیے۔۔ مارنا ٹھیک نہیں تھا۔ تھوڑا پیار سے سمجھانے سے شاید مان جائے گی۔۔ آخر ہے تو میری بیوی۔۔ راکیش کے من میں بیوی کا نام لیتے ہی تھوڑا کومل سا جذبہ جاگا۔ وہ انیا کے قریب آ کر اس کا بدن سہلانے لگا۔ انیا بری طرح سے نچڑ رہی تھی۔ قبولیت یا انکار' اس کے جسم میں اس قسم کی کوئی بھی حرکت نہ ہوئی۔

تھکی ہاری گڈو دفتر سے لوٹی تو انیا کا فون تھا۔ پچھلی رات کے واقعہ کو سناتے ہوئے رو رہی تھی فون پر۔ ممی کیا کروں میں؟ ایسے تو نہیں رہ سکتی میں۔۔''

گڈو کو چوٹ لگی۔ بات بڑھتی جا رہی تھی' پر انیا کو بھڑکانا ٹھیک نہیں۔ شادی میں Adjustments سبھی کو کرنے پڑتے ہیں بولی

''بیٹا یہ تو Teething Trouble ہے۔ ایسی باتیں سبھی شادیوں میں ہوتی ہیں۔ اور پھر سب ٹھیک ٹھاک ہو جاتا ہے۔ اتنی سی بات کو لے کر رشتہ توڑنے کا سوچنا بھی ٹھیک نہیں''۔

کبھی کوئی دن بہت برا چڑھتا ہے۔ انیا سے بات ختم کر کے فون رکھا ہی تھا کہ پھر گھنٹی بجنے لگی۔ پنکی تھی' بتا رہی تھی۔۔ جیجا جی کو سٹروک ہو گیا ہے گھبرا گئی گڈو۔ بچوں کے تناؤ چلتے رہتے تھے پر ایسا حادثہ پہلے نہیں ہوا تھا یہاں۔ گیتا کے خاندان میں ایک جیجا جی ہی تھے جن سے گڈو کو خاص لگاؤ نہیں تھا۔ پر بہن اور بھانجے بھانجیوں کا سن کر بہت دکھ ہوا۔ پھر بھی یہ دھیان آتا تھا کہ ان کی افادیت بھی نہیں ہے۔ ان کا مر جانا اتنا دکھ دینے والا واقعہ نہ ہو گا جتنا کہ گڈو کو ہوا تھا اپنے باپ کے مرنے پر۔ جیجا جی کے نہ رہنے سے گیتا کے رہن سہن میں تو خاص فرق پڑنا نہیں تھا۔ بچے بھی کافی بڑے ہیں۔ کیکا تو خود جیجا جی سے زیادہ ہی کما رہی ہے۔ پر جذبات کی زمین پر کسی کا کیا کھوئے گا' اس کا اندازہ لگانے کا گڈو نے تردد نہیں کیا۔

پنکی کہہ رہی تھی ''کیکا نے انہیں اسپتال داخل کروا دیا ہے۔ سندر آ جائے تو گاڑ سے چلے چلیں گے انہیں دیکھنے''۔

''پر اب تو رات ہونے کو ہے''۔

''دیکھتے ہیں۔۔ سندر آ جائیں''۔

''نہیں تو صبح۔۔ پر صبح تو بینک جانا ہو گا۔ کل شام کو چلیں گے''۔

''گیتا کہہ رہی تھی فون پر کہ ابھی جیجا جی بے ہوش ہیں''۔

گڈو کو جیسے راستہ مل گیا بولی ''تب کوئی فائدہ نہیں ہے جانے کا'' اور لے دے کر ویک اینڈ پر جا سکی تھی گڈو۔

جیجا جی کا سٹروک سنجیدہ تھا۔ ان کی یادداشت ختم ہو رہی تھی' ہوش آنے پر بھی وہ کسی کو پہچان نہیں پا رہے تھے۔ زندگی کی بار بار پڑتی مار لے ڈوبی جیجا جی کو۔ اتنی کڑوی زندگی کو یاد رکھنا کیونکر چاہتے تھے۔۔؟

گیتا کے آنسو تھمنے کو نہیں آتے۔ نا معلوم وقت تک ہسپتال میں رہنا ہے جیجا جی کو۔ گیتا کا دل' دماغ' شعوری اور لاشعوری طور پر ہسپتال کے ایک بستر پر لگا ہے۔ کیکا بھاگ دوڑ میں لگی ہے' یہ ٹیسٹ وہ ٹیسٹ اس ڈاکٹر سے مل' اس ڈاکٹر کو رپورٹ دکھا۔۔ ان سے بات چیت۔۔ ایک سکون کا مکھوٹا اوڑھ کر پاپا کی قسمت کا فیصلہ سننا اور اسے ماں تک پہنچانے کا دردناک ذمہ۔۔ ''ممی' We have to live with it پاپا کے آدھے جسم کو لقوا مار گیا ہے''۔

''ٹھیک تو ہو جائیں گے نا یہ''۔

کیکا کبھی بیٹا بن جاتی ہے کبھی ڈاکٹر اور ویسے ہی الفاظ اس کے منہ سے نکلتے ہیں:

''یوں اس طرح کے سٹروک میں مریض ٹھیک نہیں ہوتا۔ پر ہو سکتا ہے پاپا ٹھیک ہو جائیں۔ آپ کو ہمت سے کام لینا ہو گا۔ پاپا اس حالت میں لمبے عرصے تک بھی جی سکتے ہیں اور حالت بدتر ہونے سے۔۔'' کیکا کے منہ سے پاپا کے لیے موت کا لفظ نہیں نکل پایا۔

اس کی ساری حاصل کردہ کامیابیوں اور نشوونما کا سہرا اس کے پاپا کے سر تھا۔۔ اب وہ پاپا کے لیے کچھ نہیں۔۔ پاپا بھول گئے کیکا کو۔۔ زندہ انسان کی یادداشت کا کھو جانا اس کے قریبی لوگوں کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اسے صرف بول کر ہی محسوس کر پائی تھی کیکا۔

گڈو کو لاچار آدھے مرے ہوئے جیجاجی کو دیکھ کر ان کے طعنوں پر بھی رونا آ جاتا۔ انسان کتنا نہتا ہے۔ ایک خاموش موت گیتا کے گھر پر ٹھہری ہوئی تھی۔ اندر سے اسے جیسے کوئی آری سے چیرے جا رہا تھا۔ کیا کرے گی پردیس میں اکیلی۔ گھر پر کبھی نہیں لوٹے گی کیا؟ کیا ک کہتی ہے ''ممی بھولنے کی کوشش کرو پاپا کو۔۔ وہ شاید ہی ٹھیک ہوں''۔ پھر کہہ دیتی ہے ''سو میں سے ایک مریض ٹھیک ہو جاتا ہے ایسے سٹروک میں''۔

گیتا ساوتری بن کر ستیاوان کو لوٹا لانا چاہتی ہے۔ گڈو سچ میں تقدیر کی بات ماننے لگ گئی ہے۔۔ جب جس نے جانا ہوتا ہے۔۔ پریم کے لیے ہندوستان میں دوائیں نہیں پہنچ پائی تھیں۔۔ یہاں سب علاج ہے۔۔ جیجاجی کو ڈاکٹر بیٹی کی وجہ سے اور بھی اچھی دیکھ بھال ملی ہے۔۔ تب اس کی ڈاکٹر بیٹی سیما کہتی ہے ''ممی اسی فیصد تو مریض اپنی کوششوں سے ہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صرف بیس فیصد مدد کر سکتے ہیں''۔

پر جیجاجی میں کتنے فیصد زندگی بچی ہے؟

رادھیکا پاپا کا حال پوچھنے آئی ہے۔ کیکا برس پڑتی ہے اس پر

You are the cause of our misfortune.

تیری ایسی کرتوتیں نہ ہوتیں تو پاپا کا آج یہ حال نہ ہوتا۔

You bitch get out of this house.

گیتا کی آنکھوں میں درد ہے۔۔ کیکا کی بات غلط بھی نہیں پر گیتا اپنے ہی نصیب کو کوستی ہے۔۔ کہاں تو لاکھوں میں ایک بیٹی ہے جسے ماں باپ کا اتنا دھیان رہتا ہے اور کہاں کوکھ کا کلنک ہے رادھیکا۔ من مانی کرنے والی' اچھے برے کا کوئی دھیان نہیں۔ دماغ میں ایسا بھوسہ بھرا ہے کہ کچھ بھی کہتے رہو' کان پر جوں نہیں رینگتی۔ یہ نصیب ہی تو ہے۔

سب کید کھ اور زخم درد بن کر کاٹنے کو دوڑتے ہیں رادھیکا کو۔ لیکن رادھیکا کے زخم کوئی نہیں دیکھتا۔

جب گھر لوٹی تو من سے کتنی ٹوٹی ہوئی تھی رادھیکا۔

رادھیکا نے کوئی قصور نہیں کیا ہے۔ اس کا احساس تک اسے نہیں پر پاپا' ممی اور کیکا نے آج تک اس پر کوئی نہ کوئی الزام مڑھا ہی ہے۔

اب پاپا کی حالت کی ذمے داری ہے اس پر۔۔ کیا سچ میں ایسا ہے؟ رادھیکا کا من ہوا کہ وہ چلا چلا کر روئے۔ اس کی کوئی غلطی نہیں۔۔ اس کی کوئی غلطی نہیں۔۔ اس کو کوئی الزام نہ دو۔

رادھیکا کا دنیا کو جیت لینے کے لیے اپنے آپ پر اعتماد تو پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ بہت دیر کے بعد اسے احساس ہوا تھا۔ کہ جس دنیا کے پیچھے وہ بھاگ رہی تھی جسے وہ اپنا سمجھتی تھی اور سمجھنا چاہتی تھی جس کے دم پر اس نے اپنے ماں باپ کے بنائے ہر اصول کو توڑ دیا تھا' ان کی ہر بات کی مخالفت کی تھی' وہ دنیا اسے ایک باہر والا ہی مانتی تھی۔ بچپن کی بھولی آنکھیں اس مہی دراب پردے کو صاف صاف دیکھ نہیں پائی تھیں۔ جس نائٹ کلب ڈسکو اور اس سے جڑے امریکی دوستوں' سہیلیوں کی دنیا میں وہ داخل ہوئی تھی اس کے اصول تو اسکے گھر کی دنیا سے کہیں زیادہ سخت تھے۔ وہاں باہر سے جگ مگ' کشش اور چہل پہل بھرا تھا۔۔ اندر کھوکھلا اکیلا پن' بدبو' گندگی' جنسی بے راہ روی' تشدد اور مارا ماری۔

نائٹ کلب کی نوکری شروع کرنے کے ساتھ ہی وہ ڈینی کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ میں رہنے لگی تھی۔ ڈینی فنکار تھا' چاندی کے گہنے بنا کر بیچتا تھا۔۔ آمدنی کم ہی تھی۔۔ زیادہ گہنے بن جاتے تو زیادہ آمدنی۔۔ نہ بن پاتے تو ٹھن ٹھن گوپال۔ ڈینی دیکھنے میں پر کشش تھا۔ کھلا اور اچھی شخصیت کا مالک' چہرے پر ڈاڑھی رکھ کر گھمبیر فن کار لگنے کا شوق بھی تھا۔ ہر طرح کی بستیوں میں جاتا رہتا تھا۔ ماروانہ' ایل

ایس ڈی، تمباکو اور عورت۔ رادھیکا سے وہ کہا کرتا۔

You are the Indian goddess.

تمہارے جسم سے جو چنگاریاں پھوٹتی ہیں وہ کسی کو بھی جلا کر راکھ کر دیں۔

''پر goddess جلاتی تو نہیں'' رادھیکا چٹکیاں لیتی تھی۔

''تو پھر کون جلاتا ہے۔ اوہ یاد آیا شیو His third eye پر تم شیو کیسے ہو سکتی ہو میں ہوں شیو''۔

goddess شیو سے بڑی ہوتی ہے۔ ماں سے سنا تھا وہ شیو کو اپنے قبضے میں رکھتی ہے۔

تب تو تم سے ڈرنا پڑے گا۔ پر تم goddess نہیں تم تو ایک پھول ہو۔

You are so delicate and lovely تم تو اتنی نازک ہو کہ جیسے ہاتھ لگانے سے ہی کملا جاؤ گی۔ پھر بھی اتنی گرمی کیوں پھوٹتی ہے۔۔ سمجھا

You are strange combination of fire and flower.

مجھے ایک نام سجھائی دیا ہے تمہارے لیے جتنی Exotic تم ہو اتنا ہی Exotic نام Fire Flower یا اگنی پھول''۔۔

ڈینی کی شخصیت کا ایک پہلو تھا خوبصورتی کو ڈھونڈنے والے فن کار کا۔ پر وہی اسمیں ایک عجیب حسابی کتابی رجحان بھی تھا۔ ہر چیز کو ناپ تول کر دیکھتا۔ رادھیکا جب اس کے گھر چلی آئی تھی تو خرچہ برابر بانٹنے کی بات اس نے ہی شروع کی تھی۔ اس کی اپنی معاشی حالت بہت اچھی تھی ہی نہیں۔ گھر کا آدھا خرچ دینے کے بعد رادھیکا کے پاس دفتر میں لنچ کے وقت باہر سے کھانا خریدنے کے پیسے بھی اکثر نہیں بچتے تھے۔ ڈسکو ڈرگز شراب میں اڑ جاتا تھا سب کچھ۔

رادھیکا کا ظاہری روپ ڈینی کو اچھا لگتا تھا پر اسکے اندر کی دنیا سے لاتعلق ہی

تھی۔ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی اندرونی پرتوں کو نہیں چھو پایا تھا۔ رومانس سے آگے کہیں بڑھا ہی نہیں یہ رشتہ۔ لگاتار نئے پن کی بھوک' کچھ نیا کچھ الگ کر پانے کی بے وقوفی بھری کوششیں۔ رادھیکا کے جسم کا نیا پن ختم ہو گیا تو اس نے اسے بھی گروپ سیکس میں الجھانے کی کوشش کی۔ راتوں کو دوستوں کا مجمع لگا رہتا 'شراب کے دور پر دور چلتے' رادھیکا بھی مانو کھیلنے کی چیز تھی۔ رادھیکا کا من گھبرانے لگتا۔ وہ آخر سب سے الگ تھلگ پڑ جاتی۔ اس نے ڈینی کے رومانی' میٹھی باتوں میں ہی پیار تلاش کیا تھا۔ اب آہستہ آہستہ ان کا اثر ختم ہو رہا تھا۔ پھر سب سے زیادہ چبھنے والا نشتر تھا ڈینی کا دوسری لڑکیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی کھلا رومانی اور جسمانی رشتہ۔ بڑی ننھی عمر میں ہی طوفان آ گئے تھے رادھیکا کی زندگی میں۔ کہیں گھر والوں پر غصہ اتارنے کے لیے ہی اس نے خود کو یہ سزا نہیں دے ڈالی۔ وہ تڑپنے لگی تھی گھر کے لیے۔ یہ ڈینی تو اس سے بہت الگ کسی دوسری دنیا کا ہے جتنی آسانی سے جسموں کا دینا لینا چاہتا ہے' وہ سب رادھیکا کے بس کا نہیں۔ اسے جسم پر تکلیف ہوتی ہے اور دل پر بھی۔ جسم کھنچنے لگتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اپنے آس پاس کا سب تہس نہس کر کے باہر آ جائے' کہیں نکل جائے اس جنجال سے۔ اختلاف اور آزادی کے نام پر وہ بڑے عجیب وغریب دلدل میں پھنسا ہوا محسوس کرنے لگی ہے۔ پھر لوٹ جانا چاہتی ہے ان سب کے پاس جو اپنے ہیں' جن کا پیار نہ تو حساب کتاب مانگتا ہے نہ جسموں کا سودا۔ ترسنے لگی تھی وہ ماں کے اپنے پن بھائی بہن کی چہل کو' بیمار والد کے پاؤں میں بیٹھ کر ماں کا دکھ درد بانٹنے کو۔

رادھیکا کے بہت اندر کو جیسے کسی نے چھیل کر رکھ دیا ہو۔ کیوں کرتے ہیں اس کے ماں' بھائی بہن اس سے اتنی نفرت۔ کیا جو کچھ ہوا' جان بوجھ کر کیا اس نے۔ پاپا کے سٹروک نے کیا رادھیکا کو چوٹ نہیں پہنچائی۔ پر ہو سکتا ہے سچ میں پاپا کو میری وجہ سے ہی۔۔ رادھیکا کو لگا سارے سنسار نے اسے Reject کر دیا ہے۔ کہاں

جائے وہ؟ ڈینی کے لیے بھی تو وہ Non-Existent ہو چکی ہے۔

اندھیری سڑکوں پر دیر رات تک چلتی رہی رادھیکا۔ اسے ہوش ہی نہیں ہے خود کا۔ کیکا کے جان لیوا لفظوں کے تیر کانوں میں چبھتے ہیں۔ کبھی ہسپتال میں پاپا کی آنکھوں سے خوف ناک عکس جھلکتا لگتا۔ کبھی ماں کی گھائل آنکھیں کہہ رہی تھیں:

You are the cause-You are the cause.

سڑکوں، گلیوں، سنسان راستوں، اندھیری سڑکیں۔۔ چلتی جا رہی ہے رادھیکا، لیکن اسے نہیں معلوم کدھر جا رہی ہے۔۔ کدھر جانا ہے۔۔ کہیں جانا بھی ہے یا نہیں۔۔ ڈاؤن ٹاؤن کی ان اندھیری سڑکوں پر ہوش رہتے وہ کبھی بھول سے بھی نہ آتی۔ آج یہ گندگی، یہ سونی سڑکیں، کوڑے کے ڈھیروں سے لدی پٹڑیاں، ان کے بیچ کوئی اکا دکا آدمی۔ رادھیکا کو کوئی اور احساس ہی نہیں، اس کے اندر نوکیلی کیلیں ٹھک رہی تھیں، ہتھوڑوں کی بھاری چوٹ۔ کیکا، ممی، ڈینی، اشوک، اندھیرا، پارکنگ لاٹ، گودام، برسوں پرانی عمارتوں کے منحوس چہرے۔۔ رادھیکا کے اندر اتنے جوالا مکھی، اگنی پھول۔۔ جلا دیں گی اس کو، ساری چنگاریاں۔۔ بن جائے گی وہی اپنی اگن میں آہوتی، سارے بربے ہانٹ کو دہلا دینے والی ایک کراہتی چیخ، کتنے لوگوں نے کتنے بار کیوں، کتنی بار اس اگنی پھول کو مسلا، بھینچا اور اندر تک چیرا۔۔ اس کو تار تار کیا۔۔ اس کے مکرند کو سوکھ سوکھ کر مارو سھل کر دیا۔۔ اگنی پھول نہیں۔۔ اس کی راکھ ہی بتا سکتی ہے۔

اگلی صبح سب نے اخبار پڑھا۔۔ پارکنگ لاٹ کے پاس ایک لڑکی کی لاش۔۔ لاش کے زخموں سے ایسا لگتا ہے کہ آدمیوں کے ایک گروہ نے اس سے زنا بالجبر کیا ہے۔ چاقوؤں کے نشان بتاتے ہیں کہ زنا کے بعد اگر کچھ سانس بچے بھی ہوں گے تو چاقوؤں کے زخموں نے یہ کام پورا کر دیا۔

لاش کی شناخت۔ پورے جسم پر جما ہوا کالا خون۔ لکڑی کی طرح سخت اکڑی

ہوئی لاش۔ ان گنت زخموں سے بہا خون اور سوجن۔ چہرہ اتنا بگڑ گیا تھا کہ پہچانے میں نہیں آتا تھا۔

نہیں۔۔۔ یہ رادھیکا نہیں ہے۔۔۔ بے ہوش ہو گئی تھی گیتا۔ پر پھر کہاں ہے رادھیکا؟ کیوں دھتکارا تھا اس نے۔۔۔ ایک گہرے گڑھے میں ڈبو دینے والا پچھتاوا۔۔۔ جرم کی طرح۔ گیتا ٹوٹ گئی' ایک ساتھ کتنے ہی دکھ' اس کی ریڑھ کی ہڈی ہی نکال لی ہو کسی نے' دل اور دماغ میں پھٹتے ہوئے ناسور۔

سامگری ڈالتی ہوئی گڈو کی انگلیاں کانپ رہی ہیں۔۔۔ اگنی کو ایک ٹک دیکھتی ہے وہ من کو شانت کرنے کی کوشش کرتی ہے پر انگلیوں کا کانپنا رکتا نہیں۔ دوسرے ہاتھ سے کانپتی انگلیوں کو دباتی سہلاتی ہے' پھر بھی نہیں۔ گیلی آنکھوں اور کانپتے ہونٹوں وہ منتر بولتے ہوئے اگنی کو آہوتی دیتی جاتی ہے۔ اوم اینت ادھیہ آتما۔۔۔ اور ہر جگہ بسنے والے بھگوان۔ یہ ایندھن تیری آتما ہے۔ اس کے دوارا جل جل بڑھ اور ہم کو بھی بڑھا اور ہمارے بچے اور ہمارے آنے والوں کو خوشحال بنا۔

گیتا کے گھر میں سبھی موجود ہیں۔ رادھیکا کے لیے سوگ منایا جا رہا ہے۔ لوگوں کے کریدتے سوال اور عجیب طرح کی اٹکلیں۔ بھئی یہاں تو لڑکیوں کا بہت دھیان رکھنا پڑتا ہے' پر اتنی رات لڑکی وہاں گئی کیوں؟ نائٹ کلب میں کام کرتی تھی۔ پر وہ نائٹ کلب ادھر تو نہیں تھا۔ بھگوان جانے کیا ہوا ہے۔ بڑی بری موت ملی ہے بے چاری کو۔ گیتا تو مانتی ہی نہیں کہ وہ رادھیکا تھی۔ بے چاری' بہت بری بیت رہی ہے اس کے ساتھ۔ دیکھو پردیس میں اس طرح۔۔۔ پر چلو' کیکا تو ڈاکٹر بن گئی۔۔۔ سنبھال لے گی سب۔۔۔ بیٹا بھی ابھی کالج میں ہے۔

گڈو نے دیکھا اشوک اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ تھا۔ اس نے گڈو کو اس سے ملوایا بھی تھا۔ ایملیا ہے اس کا نام۔ گڈو سوچتی ہے رادھیکا کبھی بھی اس گھر میں اپنا بوائے فرینڈ نہ لا پاتی ہمت کرتی تو جیجا جی اسے کچا چبا جاتے۔ کیسے ہیں ہم لوگ'

بیٹیوں کے لیے دوسرے اصول بیٹوں کے لیے دوسرے۔ اگر رادھیکا کو بھی اس گھر میں قبول کر لیا جاتا تو ایسا دردناک خاتمہ ہوتا۔۔؟

گیا کی عمارت میں ہی رہنے والی ایک پنجابی عورت انتباہ دے رہی تھی "اب کیکا کے بھی ہاتھ پیلے کر دو۔ جتنی جلدی سر سے بوجھ اترے اتنا ہی اچھا۔ کچھ پتہ نہیں ان لڑکیوں کا۔ میرے رشتے میں ایک لڑکا ہے۔ ڈیفنس کالونی میں بہت بڑی کوٹھی ہے ان کی۔ لڑکے نے دو سال پہلے ڈاکٹری کی پڑھائی ختم کی ہے اچھے لوگ ہیں۔ کہو تو انہیں کل ہی چٹھی لکھ کر بات چلاتی ہوں' تو کیکا کے لیے بھی دولہا دلی سے آئے گا۔

گڈوانیا راکیش کی زندگی کے تناؤ اور الجھنوں سے ہی ابھی آزاد نہیں ہوئی۔ انیا ویسے ہی پریشان ہے' کوئی نوکری نہیں ملی ابھی تک۔ ایک جگہ کہنے لگے انہیں ایم ایس سی چاہیے پی ایچ ڈی نہیں۔ اتنے سالوں کی محنت منٹوں میں ختم کر دی گئی۔ اس کی پڑھائی کے برابر نوکریاں ہی نہیں ملتیں۔ جین' سوزن سب کو بڑی بڑی تنخواہوں کی نوکریاں مل گئی ہیں' بس انیا کو نہیں ملتی۔ راکیش کے طعنے اور رجلاتے ہیں اس کو۔

وہ اکثر کہہ دیتا ہے "مجھے بھی کسی ڈاکٹر لڑکی سے شادی کر لینی چاہیے تھی۔ ٹھاٹھ سے تو رہتے۔ پی ایچ ڈی وغیرہ بے کار ہے۔ ایک تو پڑھائی کے بہانے سے ویسے ہی گھر کے کام سے چھٹی' اوپر سے دولت بھی ندارد۔ میں تو دونوں طرف سے گھاٹے میں رہا"۔

سڑ بھن کر انیا بھی کہہ دیتی "شکر کرو تمہیں تو مل گئی۔ گھاٹے میں پھر کہاں سے رہے تم۔ میری بہن سے مقابلہ کر رہے ہو"۔

بہن سے کون مقابلہ کر رہا ہے۔ ایک بات کہی ہے۔ جب جین اور سوزن کو نوکری مل گئی ہے تو تمہیں کیوں نہیں ملی۔۔ یا تو تم نے پوری کوشش نہیں کی یا پھر کچھ کمی ہے۔۔ تمہاری شخصیت میں۔۔

''ٹھیک ہے اب میری شخصیت میں ہی خامی نظر آنے لگی تمہیں۔ مجھے روٹیاں کھلانے میں بہت تکلیف ہو رہی ہے''۔

''مجھے کھلانے میں تکلیف ہو نہ ہو تمہیں بنانے میں ضرور ہو رہی ہے۔۔''

''اس گھر کے مارے ایک تو کچھ کام نہیں ہوتا پھر نیویارک کے باہر اب جیسے تیسے نوکری ملی بھی ہے' پر تم جانے دو تب نا۔ تمہارے روز کے مطالبات مجھے گھر میں ہی اتنا الجھائے رکھتے ہیں کہ اپنے پر پورا دھیان دے ہی نہیں پاتی۔۔شکا گو جانے لگی تو تم نے کہا۔۔دو گھر بسانے ہیں تو شادی کا کیا مطلب۔۔تمہیں تو اپنی ترقی کی ہی فکر ہے۔۔میرا کیا کیا تم نے۔۔''

سمجھ گیا جو تم کہنا چاہتی ہو۔ میرا گرین کارڈ بنوایا تم نے یا اپنے یار سے کہہ کر تمہاری ماں نے نوکری دلوائی مجھے۔۔اب اتنے احسان ہو گئے تو تمہارے انگوٹھے کے نیچے نہیں رہنا چاہیے مجھے۔۔ماں' بیٹی جیسے چلاؤ ویسے ہی چلتے رہنا چاہیے''۔ راکیش کی آواز کڑواہٹ بھری تھی۔

ممی کی بے عزتی پر محمول الفاظ انیا سے نہیں سہے گئے۔ اچھا تو ماں کے لیے بھی راکیش کے من میں ذرا بھی لحاظ اور عزت نہیں۔ جو یچا انکل کے لیے یار لفظ کا استعمال کرنے کی جرات کیوں کی اس نے؟ تڑپ کر بولی ''بہت حد سے آگے بڑھ رہے ہو تم۔ مجھ سے جو من آئے' کہتے ہی ہو' ممی کو کیوں بیچ میں لاتے ہو تم۔ اس طرح تم اپنا ہی اوچھا پن دکھا رہے ہو۔ کچھ حاصل نہیں کر رہے ہو۔ یہ مت سوچنا کہ تمہارے طعنے سن کر میں تم سے ڈرنے لگوں گی یا تمہاری زیادہ عزت کرنے لگوں گی۔

''وہ تو معلوم ہے مجھے' جانے کہاں کی گھمنڈی اور ضدی میرے ہی پلے پڑنی تھی''۔

''ٹھیک ہے گھمنڈی' ضدی اور نکی جو کچھ بھی ہوں' ہوں۔ پہلے دیکھنا تھا یہ سب۔۔تب اتنے اتاولے کیوں تھے؟ راکیش کے حساب سے یہ دوسری چوٹ تھی اس

کے گرین کارڈ پر۔ایک ایسا لانچھن جس سے مکر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔اندر سے آتش فشاں پھوٹ پڑا۔۔شرم نہیں آتی ایسے طعنے مارتے راکیش کے ہاتھ لگاتار چل رہے تھے۔۔تڑاخ تڑاخ' دھم دھم تھا۔۔

لال سوجی آنکھیں دیکھ کر گڈو کو پہلے ہی کھٹکا ہوا' کسی طرح ہمت کر کے پوچھا

''کیا ہوا' کیسے آئی ہو؟''

''میں گھر چھوڑ کر آگئی ہوں۔مجھے نہیں رہنا وہاں''۔

''بات کیا ہوئی ہے؟''

''کوئی نئی بات نہیں۔۔روز ہی کسی نہ کسی بات پر لڑنا اور مارنا' یہ دیکھو۔۔گڈو نے دیکھا انیا کی پیٹھ' بانہہ' پنڈلیوں پر نیل پڑے تھے۔جانور پن کی ایسی مثال۔۔

گڈو دھک سی رہ گئی۔وہ سوچتی تھی جو ڈاکٹر بننے کی قابلیت رکھتا ہے اس میں عام انسانیت کا طریقہ اور وہار تو ٹھیک ٹھاک ہوگا ہی' پر یہ کیا دیکھ رہی ہے۔۔اتنا طفلانہ سخت اور بے احساس ہے راکیش۔

پر انیا کی طلاق کی بات وہ نہیں سوچ سکتی تھی۔بولی ''میں راکیش سے فون پر بات کرتی ہوں۔ایسا ظلم۔۔انیا نے بیچ میں ہی کاٹ دیا ''کوئی فون نہیں کرو گی تم۔۔میں اب کسی وکیل سے ہی بات کروں گی''۔

''پر ابھی سے کیسے سوچ لیا تم نے کہ طلاق ہی حل ہے۔پاگل پن مت کرو۔۔میں سمجھاؤں گی اسے۔۔''

''تمہارے سمجھانے سے بات اور بھی بگڑتی ہے' رہنا مجھے ہے اس کے ساتھ' تمہیں نہیں''۔

''تمہیں معلوم ہے اکیلے ہونے کے کتنے عذاب سے جینا پڑے گا تجھے۔۔کہنے کو آسان لگتا ہے طلاق۔۔میں نے تو طلاق کے بعد لڑکیوں کو اور بھی زیادہ ختم ہوتے دیکھا ہے''۔

''ممی نجمہ طلاق شدہ ہو کر جتنی دکھی یا سکھی ہے۔۔میں اس سے کچھ کم تو نہیں۔۔شادی ہو یا نہ ہو اس سے بھی فرق کہاں پڑتا ہے۔۔آدمی اکیلے بھی سکھی رہ سکتا ہے۔۔مرد کے ساتھ زندگی کاٹنے کو عورت کو کیوں مجبور کیا جاتا ہے؟''

''یہ کیسی باتیں کرنے لگی ہے تو۔مرد کے ساتھ کے بنا گاڑی تھوڑے ہی چلتی ہے۔سماج میں اکیلی لڑکی کی کوئی جگہ نہیں۔۔میرا حال نہیں دیکھا تو نے۔۔کتنا مشکل ہوتا ہے زندگی کو دھکیلنا''۔

'ممی تمہیں کو دیکھ کر تو مجھ میں ہمت آتی ہے۔تم جس طرح اکیلے اپنے بھروسے سب کچھ کر سکی ہو' مجھے لگتا ہے میں بھی اپنے بھروسے پر کچھ بھی کر سکتی ہوں' خاص کر شادی کے رشتے نے جو مجھے ٹھیس دی ہے میں کیونکر سہوں اسے؟''

''پرانیا۔۔''

''مجھے معلوم ہے تمہارے سماج میں طلاق بہت بڑی بدنامی ہے' پر بدنامی کے ڈر سے کیا میں اپنی قربانی ہی دے دوں؟''

گڈو خاموش ہو گئی۔پرانیا کے اندر اٹھا طوفان تھمنے کو نہیں آ رہا تھا۔جسم کے زخموں کو بھلا دیتی۔۔پر من کے زخم کہاں بھرتے۔۔راکیش کے کٹیلے طعنے من کی دیواروں کو بار بار لہولہان کرتے۔دونوں میں اعتماد تو لگ بھگ ختم ہی تھا۔ہر بات پر لڑائی طعنے طمانچے پر ہی جا کر رکتے۔قریبی دوستوں سے بھی چھپی نہیں رہی تھی اس کے گھر کی پریشانیاں۔جین سمجھاتی تھی ''جو خاوند تمہاری عزت نہیں کرتا' تمہیں برابر نہیں مانتا۔۔اس کے ساتھ کیونکر رہنا چاہیے۔تمہیں ایسی مار پیٹ کوئی کر ہی کیسے سکتا ہے؟ جانتی ہو ایسی مار پیٹ کے لیے تم اسے پولیس میں پکڑوا سکتی ہو۔۔اس دیس میں کسی آدمی کو عورت سے ایسے پیش آنے کا اختیار نہیں ہے''۔

انیا پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''میری ممی کہتی ہے کہ ایک بار شادی ہو جائے تو جیسے تیسے کر کے نبھانا ہی ہوتا

ہے۔۔رو کر۔۔تڑپ کر یا مر کر۔۔ہر حالت میں"۔

نجمہ نے بھی تب کہا تھا "ایسے شہید ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔تمہیں ڈر کس بات کا ہے؟ تم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہو۔۔کسی کا ظلم ہی کیسے سکتی ہو تم؟ تم عورتیں خود ہی شادی کے دلدل سے نہیں نکلنا چاہتیں، تمہیں جھجک کس بات کی ہے؟ جب تک تمہاری نوکری کا معاملہ جمتا نہیں، تم میرے پاس رہو۔۔تم پوسٹ گریجوایٹ فیلوشپ کے لیے جلدی سے درخواست دے دو۔کیمسٹری میں ڈھیروں مل جائیں گی۔

And please don't go to your mother.

تم ان کے اثر میں پھر سے رشتوں کی مرمت کرنے واپس پہنچ جاتی ہو، اس جانور کے پاس۔کچھ چیزیں جب ٹوٹ جاتی ہیں تو جوڑنا ممکن نہیں ہوتا۔بے کار کوششوں میں تم اور ٹوٹتی جاؤ گی۔۔

And it will be too late.

کتنے ہی خوف انیا کو گھیرے رہتے۔۔کہیں وہی تو غلطی نہیں کر رہی۔ابھی تو زندگی کی دہلیز پر کھڑی ہے۔ابھی سے کھو دے سب کچھ۔عمر بھر کا پچھتاوا کیسے جھیلے گی۔راکیش اور اس کا پیار کیا دو جسموں کا قرب ہی تھا۔پر سچ میں اگر پیار پنپ سکا ہوتا تو یہ جھک جھک، یہ تناؤ، جلی کٹی باتیں اور مار پیٹ ہوتی؟ نہیں یہی نہیں ہے اس کی زندگی۔۔ماں کے اشاروں پر نہیں چلتی رہنا ہے اسے۔ماں کا نظریہ اپنا نظریہ کیونکر ہو سکتا ہے۔لوگ کون سا کچھ بنا سکتے ہیں جو بگاڑ لیں گے۔لوگ ہیں کون گیتا موسی، پنکی موسی، جین، راکیش۔جو انیا کے لیے صحیح ہے اس کو اپنے کیوں نہیں مانتے۔سب لوگ تو اپنے اپنے میں مصروف ہیں۔یہاں کون ہے جس کا ڈر ممی کو ہے۔یہاں بیٹھ کر ہندوستان کے سماج کے بارے میں سوچنا تو صفر کے برابر ہی ہے۔۔جھوٹ موٹ کے خوف، عمر بڑھ جانا، اچھا لڑکا نہ ملنا۔۔اسی چکر میں ترت پھرت میری

شادی کردی۔۔کیا اب نہیں کر سکتی تھی شادی۔۔؟

لیکن نہیں بوڑھی ہوگئی ہوں۔اٹھائیس انتیس سال میں لڑکی کی خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے کیا؟ ممی مجھے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرنے دیتیں۔پر اپنی زندگی کے لیے ذمے دار تو میں خود ہی ہوں۔

راکیش ہسپتال میں ڈیوٹی پر تھا۔انیما سامان باندھ کر نجمہ کے یہاں آ گئی۔گڈو کو وہیں سے فون کیا تھا انیما نے ''ممی غلطی میں یہی کرتی تھی کہ بار بار تمہارے پاس چلی آتی تھی اور تم مجھے وہیں لوٹا دیتی تھی''۔

گڈو کا دل جیسے بیٹھنے لگا تھا۔۔یہ سب کیا ہو رہا ہے۔۔کون ڈال رہا ہے اس کی زندگی میں زہر۔۔ایک سکھ کے لیے کتنے کتنے سکھ قربا کرنے پڑیں گے۔اے بھگوان میری دنیا کے ساتھ ایسا نہ کرو۔وہ منتر کا جاپ کرنے لگی ''ہم جس جس چیز کی خواہش کریں وہ پوری ہو''۔

راجو کو کمپیوٹر سائنس میں Bachelor کرتے ہی نوکری مل گئی تھی۔ کمپیوٹر سائنس کی بہت مانگ تھی' اوپر سے راجو کا کام بھی بڑھیا تھا۔۔ایک مشہور فرم میں ملی تھی نوکری اسے۔گڈو جلدی ہی اچھا سا گھر خرید لے گی۔۔راجو کو اچھی تنخواہ ملتی ہے۔پر راجو پھر بھی خوش دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اتنا بے زار سا کیوں رہتا ہے۔گھر لوٹ کر اکیلے بستر پر پڑا رہتا ہے۔۔نہ کوئی بات نہ واسطہ۔راجو جواب نہیں دیتا۔گڈو اسے جھنجوڑتی ہے ''تو مجھ سے کھل کر بات کیوں نہیں کرتا؟''

''پلیز ممی' آرام کرنے دو' یہ دفتر کا روٹین بہت تھکا دیتا ہے۔بہت بورنگ' وہی وہی کام صبح سے شام''۔

I am totally exhausted.

''تجھے کام اچھا نہیں لگتا کیا؟''

''پتہ نہیں ۔۔ بہت ادنیٰ سا محسوس ہوتا ہے اس دفتر میں ۔۔ جیسے کچھ ہوں ہی نہیں ۔۔ بس مشین کی طرح نو سے پانچ جٹے رہنا ۔۔ میرے جیسے ہی اور لوگ بھی ۔۔''۔

''تب کیا کرو گے؟''

راجو نے جمائی لی اور ڈوبی آواز میں بولا'' کچھ نہیں کہہ سکتا ممی' مجھے خود ہی نہیں معلوم ۔ پر سوچتا ہوں کچھ اور کرنا ہے مجھے' کوئی بڑا کام''۔

تبھی ارون آ گیا تھا ۔ کہہ رہا تھا یار راجو' کیا شام سات بجے سے ہی بستر میں گھس گیا ہے ۔ چل اٹھ کہیں گھوم گھام کر آتے ہیں ۔ بیٹے' یہاں تو رات کو شہر زندہ ہوتا ہے ۔ ٹیکسی لے آیا ہوں ۔ دھندہ بھی کروں گا ۔ پھر کسی بار میں چل کر بیٹھیں گے''۔

اس رات ارون نے راجو کو گھر چھوڑا تو دو بج گئے تھے ۔۔ بہت فکر کر رہی تھی گڈو ۔ راجو کے منہ سے اسے پہلی بار عجیب سی بو آئی تھی ۔ جوان بیٹا کمانے کھانے والا ہے ۔۔ اس سے کچھ بھی کہنا ٹھیک نہیں سمجھا' گڈو نے ۔ لیکن راجو کے منہ سے آتی بو نے جیسے اور تیز وار کیا تھا گڈو کے من پر ۔ وہ حیران پریشان بس گھورتی رہی راجو کو ۔۔

ابھی بستر میں لیٹی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی ۔ پنکی کا فون تھا ۔

''ارجن ادھر تو نہیں آیا؟'' اس کی آواز گھبرائی ہوئی تھی ۔

''کیوں ابھی تک گھر نہیں آیا ارجن؟'' گڈو نے پوچھا ۔

''پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے اتنی دیر دیر آتا ہے اور آج تو حد ہی کر دی ۔ پہلے اتنا لیٹ تو نہیں کرتا تھا''۔

ارجن اپنے دونوں خالہ زاد بھائیوں سے الگ طرح کا تھا ۔ اس کی پرورش مینہٹن کے اسی بوھیمیسن کہلائے جانے والے حصے گرین ولیج میں ہوئی ۔

☆

سکول سے ہی نہیں بلکہ پری سکول چائلڈ کیئر سنٹر سے ہی اس کی آس پاس کے امریکی بچوں سے دوستیاں ہونے لگی تھیں۔ ساتھ پڑھتے' ساتھ کھیلتے۔۔ ارجن بھی لوکل فٹ بال ٹیم کا ایک اہم کھلاڑی بن گیا۔ قد لمبا' جسم تندرست' رنگ گورا۔ ہریانوی جاٹوں کی نسل اس امریکی ماحول میں ایکدم کھپ گئی تھی۔ بول چال' اٹھنا بیٹھنا' انداز ایک دم امریکی لڑکوں جیسا۔ خالہ زاد بھائیوں کے بجائے اپنے دوستوں کی صحبت اسے زیادہ پیاری لگتی تھی۔ بھائی اسے اپنے سے الگ طرح کے لگتے تھے' ان سے اس کی دلچسپیاں میل نہ کھاتی تھیں' نہ ان سے ویسا اپناپن اور آسانی محسوس کرتا تھا۔۔ پنکی تو چاہتی تھی کہ اس کی ہندوستانی زبان' رہن سہن اور ریت رواج سے کچھ واقفیت ہو۔۔ تبھی اسے بہنوں کو ساتھ رکھنا پسند بھی تھا شروع میں' ساس بھی تھی اب تو پر تھوڑی بہت زبان کی سمجھ دادی سے ہی سیکھی تھی ارجن نے' ورنہ خالہ زاد بھائی تو خود ہی انگریزی میں بات کرنے لگتے تھے۔

ارجن کے ماں باپ کے پاس کسی طرح کی کمی نہیں تھی۔۔ ارجن کو منہ مانگے پیسے ملتے تھے۔۔ ایک ہی ایک بیٹا اور دونوں ماں باپ اچھا کما لیتے۔ جب سے ہائی سکول میں آیا بندھن اور بھی کم ہو گئے تھے۔ پنکی اور سندر لبرل مزاج تھے۔ دوستوں کے ساتھ دیر رات تک ارجن باہر رہتا۔ پنکی نے ایک دو بار کہا تو بولا ''مام' کبھی کبھی گیم دیر تک چلتی ہے۔۔ اس کے بعد ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا' گپ مارنا' دیر ہو ہی جاتی ہے''۔

گھر کے آس پاس رات بھر رونق لگی رہتی تھی' اس لیے پنکی کو بھی زیادہ فکر نہ تھی۔ یہ علاقہ ایسا تھا جہاں صبح کے تین بجے تک بار ڈسکو اور نائٹ کلب وغیرہ کھلے رہتے تھے سڑکوں پر کوئی نہ کوئی ہوتا ہی۔

ارجن ذہین بھی تھا۔ جب پڑھتا تو نمبر اچھے آتے‘ نہیں پڑھتا تو کچھ نیچے بھی چلے جاتے تھے‘ پر فیل ہونے کی نوبت کبھی نہیں آئی۔ ارجن کی دلچسپی اور بہت سی چیزوں میں تھی سندر کہتا:

’’اچھا ہے‘ آل راؤنڈر شخصیت بنانا چاہیے ورنہ راجو جیسے کتابوں میں چپکا رہتا ہے کوئی ٹھیک بات تھوڑے ہی ہے‘‘۔ ارجن خاص طرح کے بال کٹواتا اور اس کے کپڑے بھی ایک دم نئے فیشن کے ہوتے۔ انیا کو مارک اور ڈینس کی شخصیت کے ساتھ ارجن کی ایک عجیب مماثلت نظر آتی تھی۔ گڈو سے اس نے کہا بھی تھا۔۔ پر کیا مماثلت تھی اس پر انگلی نہیں دھر سکتی تھی۔ سندر نے اسے اپنا چال چلن خود ہی بنانے کی چھوٹ دے رکھی تھی۔ ارجن Teenager ہے‘ زیادہ اصول بنا کر اس کی مخالفت کو ہی اکسائیں گے یا اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنیں گے۔ سندر ارجن کے جیون میں کم سے کم دخل اندازی کرتا تھا۔

پنکی Panicy ہو رہی تھی۔۔ لڑکا بڑا ہو جاتا ہے تو ماں تھوڑے ہی سنبھلتا ہے۔۔ تم اپنی کتابوں میں لگے رہتے ہو۔۔ پتہ نہیں لڑکا کہاں جا رہا ہے؟‘‘

اس نے اس کے سارے دوستوں کو تو فون کر ڈالا۔۔ کچھ گھر پر تھے‘ کچھ نہیں تھے۔ ایک نے بتایا کہ وہ کسی خاص بار میں جاتا ہے۔ سندر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔۔ کون سا بار؟ آج اچانک بیٹے کے لیے من میں بہت سارے ڈر اٹھنے لگے۔۔ ارجن کو ایک بات لڑکوں کے گروپ نے پیٹا بھی تھا۔ ارجن یوں ہٹا کٹا نوجوان تھا پر جٹ کے سامنے سرپٹ بھاگنا پڑا تھا۔۔ اب وہ بھی ایک گروہ میں شامل تھا جو اس کو محفوظ رکھنے والا گروہ تھا۔ سندر کو ان باتوں سے بڑی گھبراہٹ ہوتی تھی۔ پر ایک بات بھلی بھی لگتی تھی کہ ارجن اس کی طرح اس سماج میں اجنبی نہیں۔۔

یہ اس

کا اپنا دیس ہے' اپنا سماج ہے' اس کی پہچان انہی کے ساتھ جڑی ہے۔

فون کی گھنٹی بجی۔ ارجن کے دوست کا فون تھا۔ Gay Bar میں ڈرگ زیادہ لینے کی وجہ سے بے ہوش ہے' ایمبولینس بلوائی ہوئی ہے۔ پنکی سندر جس حال میں بھی تھے کوٹ چڑھا کر نکل گئے۔ بار دور تھا بھی نہیں۔ گھبراہٹ سے پنکی کے ٹھنڈے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ کھٹی ڈکاریں آ رہی تھیں۔ سارا کھانا جیسے منہ کو الٹ رہا تھا۔ ارجن کو کچھ ہو گیا تو کیا کرے گی۔۔ ایمرجنسی میں چیک کرنے کے بعد ارجن کو کمرے میں لائے تو رات بھر پنکی ارجن کے سرہانے بیٹھی رہی تھی۔۔ من میں طرح طرح کے ڈر اٹھتے رہے اور ارجن کی صحت کی دعا کرتی رہی۔

ڈاکٹر نے صلاح دی تھی کہ اسے نفسیاتی بیماریوں کے ڈاکٹر کو دکھلانا چاہیے جو اس طرح کی علامات کا علاج کر سکے۔

جیسے اتنا کافی نہیں تھا۔۔ پنکی پر اور بجلیاں گریں۔ نفسیاتی بیماریوں کے ڈاکٹر نے ہی الگ سے پنکی سندر کو بتلایا کہ اس کی عادات اپنی ہی جنس میں دلچسپی لینے کی ہیں۔

پنکی کو محسوس ہوا جیسے ارجن کو کوئی خطرناک' لاعلاج' جان لیوا بیماری لگ گئی ہے۔۔ جیسے اس کے اندر کچھ اگ گیا ہے جسے وہ نہیں پہچانتی۔۔ وہ اس کا بیٹا نہ ہو کر کوئی اجنبی' عجیب سا جاندار بن گیا ہے۔ ارجن کا دھیان آتے ہی سب کچھ بھائیں بھائیں کرنے لگتا۔۔ درد اور مجبوری کے حالات میں سسک اٹھتی۔ ڈاکٹر سے پوچھتی ہے۔۔

''یہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔۔ Sexual Suppression سے بھی تو ہو سکتا ہے اس طرح۔۔ بعد میں چل کر نارمل نہیں ہو جائے گا''۔ ڈاکٹر کے پاس کوئی پکا جواب نہیں یا دینا نہیں چاہتا۔ گھبرا کر پنکی سندر سے کہتی ہے۔

''ہم دونوں جب ٹھیک ہیں تو ارجن ایسے کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نہیں مانتی کہ وہ بڑا ہوکر ایسا رہے گا۔۔ سنا ماتا جی سے کچھ نہیں کہنا۔ وہ تو شادی بیاہ بہو کے سپنے ہی دیکھا کرتی ہیں ارجن کے لیے۔۔ پتہ نہیں کیا دھرا ہے میرے بیٹے کے مستقبل میں؟''

اور یہ سوال دل میں آتے ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔۔ پیٹ میں مروڑ سا اٹھنے لگتا ہے۔ سندر اس کا ماتھا سہلاتا ہوا کہتا ہے۔۔

''کیوں فکر کرتی ہو اتنا ٹھیک ہو تو اچھا ہی ہے۔۔ نہ ہو تو بھی اپنی زندگی کو اپنے ڈھنگ سے جینے کا اسے حق ہے۔ تم شادی اور اولاد کی بہتری ہی میں آدمی کی تکمیل جانتی ہو پر اور بھی بہت سے ذریعے ہیں جن سے آدمی زندہ رہ سکتا ہے۔ ایک مصنف جب کتاب لکھتا ہے یا ایک فن کار کا فن یا ایک سائنس دان کی کھوج بھی ایک تکمیل ہے۔ تمہارا تعلق اس بات سے ہونا چاہیے کہ ارجن جو بھی زندگی میں کرنا یا بننا چاہتا ہے تم اس کی مددگار ہو اڑنگے مت لگاؤ۔۔ جانتی ہو دنیا کے بہت سے اعلیٰ فن کار Homosexual ہوئے ہیں''۔

''پتہ نہیں اندھیرا ہی اندھیرا کیوں دکھائی دیتا ہے'' اور پنکی سسک اٹھتی ہے۔ ارجن سے اکیلے میں پوچھتی ہے پنکی:

''تجھے سچ میں ایسا لگتا ہے کہ تو مردوں سے الگ ہے''؟

ارجن ماں کے سوال سے کھسیا سا گیا۔ جواب دینا نہیں چاہتا۔

I do not know Mam, How you feel... I can't help it.

میرے کسی دوست کے ماں باپ بھی اسے سمجھ نہیں پاتے۔۔

اور پنکی پھر بھی سمجھنا چاہتی ہے۔ لاکھ کوشش کرتی ہے ویسا محسوس کرنے کی۔۔

کر کیو





دیکھتے سو گئی تھی گڈو آدھی رات میں نیند کھلی تو ایک دم گھبراہٹ سی ہوتی۔

ارون کو فون کرے۔۔ پر اتنی رات۔۔

چار بجے لوٹتا ہے راجو

''کہاں تھا اتنی رات۔۔ کیا کرتا رہتا ہے؟''

''ممی تھک گیا ہوں سونے دو Don't ask me questions

آگ کی لپٹیں زور پکڑ رہی ہیں منتر گائے جا رہے ہیں۔

''تو پھر دفتر نہیں گیا راجو۔۔؟''

''چھوڑ دی ہے نوکری میں نے۔۔''

گڈو پریشان ہو گئی ہے۔۔ کیا ہوا ہے اسے۔۔ من دھک دھک کرتا ہے۔

راجو کی دراز کھولتی ہے نوٹوں کی گڈیاں یہ سب کہاں سے سینکڑو۔۔ ہزاروں۔۔ لاکھوں۔۔ یہ ارون۔۔ کہاں جا رہا ہے تو ارون کے ساتھ۔۔ اسے تو جیل ہو گئی تھی۔

بھبھکتی لپٹوں میں گڈو دیکھتی ہے۔۔ ایک عجیب سا پہچانا اور ان پہچانا چہرہ۔۔ یہ چہرہ تو کسی ہارے ہوئے سپر مین کا ہے۔۔ کانوں میں گونج سنتی ہے لپٹوں کی

''میں نے کچھ خاص کرنا ہے۔۔ بڑا بننا ہے۔۔ ڈھیر سارے پیسوں سے اپنی ایک کمپنی بناؤں گا اس کا پریذیڈنٹ ہوں گا میں خود''۔

''پر تجھے جلدی کیا ہے راجو۔۔ بتا جلدی کیوں ہے۔۔ ایسی بدحواس دوڑ۔۔ تو چوٹ کھا جائے گا۔۔ میرا راجو۔۔''

ڈراؤنی لپٹیں۔۔ سب کچھ لیل لینے والی آگ۔۔ راجو کہاں کھو گیا۔۔ دکھتا کیوں نہیں۔۔ ایسے تو پاگل ہو جائے گا تو۔۔ رک جا راجو۔۔

آگ کی لپٹیں اور بھی تیز ہو گئی ہیں۔ لال نیلی سنہری لپٹیں۔ او گڈو تو سوچتی تھی سب بن رہے ہیں۔۔ سب کی جون سدھر رہی ہے۔۔ جو آنے والا ہے۔ وہ اجلا ہے۔۔ کہاں گیا وہ سب۔۔ وہ سب کچھ جو بہت ہی نرم خوشبودار مکھن جیسا سفید اور

پاک تھا۔۔ رادھیکا کا بھولا بچپن۔۔ راجو کی Creativity سب کچھ ہی بھسم ہو گیا۔ سب کچھ ہی جل کر راکھ ہو گیا۔۔ کون بنا رہا ہے۔

سامگری اس ہون میں۔۔ وہ کیا بچ رہ گئی ہے یا خود بھی اس ہون میں سامگری کی طرح جل چکی ہے۔ پر ہون کی بھسم تو شبھ ہوتی ہے نا۔۔ بھلی ہوتی ہے۔۔ نئی زندگی اور نئے اعتماد کی شروعات۔۔ آنے والی پیڑھیا جو یہاں اگیں گی پنپیں گی نئی زمین سے نیا کچھ پائیں گی اکیلے پن Identity کے احساس کھو دینے والے راکھشس تو سب ہی راکھ ہو چکے ہوں گے۔ کیا سب میں راکھ ہو جائیں گے کیا یہ خود غرضی یا Non-Commitment یا Materialism کی بدحواس دوڑ کے بھوت پریت جن۔۔ کیا یہ بھسم ہوں گے کبھی۔

گڈو کی آنکھیں دھوئیں سے جل رہی ہیں۔ بے طرح پانی بہہ رہا ہے۔۔ جن Values کو وہ پورے بھروسے سے پکڑے ہوئے تھی۔۔ کیا وہ ان کو بچا پائی ہے ۔۔ بچا پائے گی۔۔ بچانے کی چاہ بھی بچی ہے؟ اس میں کوئی Substance بھی ہے۔۔ ان Values میں یا صرف جھوٹے Rituals کا ہی سہارا ہے۔۔ کرم کانٹ کا بھی سہارا ہے۔۔ ابھی تو صرف جل رہا ہے سب کچھ۔ صرف لپٹیں ہی لپٹیں رکھ رہی ہیں۔۔ ساغر کی لہروں جیسی سب کچھ کھا جانے والی لپٹیں۔۔ سب ہی کچھ جل رہا ہے۔

انیما' سیما' راجو اور جانے کتنے اس کے ساتھ لپٹوں کی چکا چوند میں جل رہے ہیں۔ راکھ تو دکھتی بھی نہیں۔۔ گرم سنہری لپٹیں۔۔ گند دھواں۔۔ کالا زہریلا دھواں ۔۔ اور دھوئیں پر تیرتی۔۔ دھوئیں میں گھلی گھلی لپٹیں۔۔ راجو کہاں ہے۔۔ گڈو کے منہ سے آہستہ سے چیخ نکل پڑتی ہے۔۔ کہاں جا رہے ہو راجو۔۔ رک جا تجھے جلدی کیا ہے۔۔"

------------اختتام------------